جھپٹنا پلٹنا پلٹ کر جھپٹنا
لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ!
(اقبال)
دارالبلاغ لاہور

ارزاں ایڈیشن

از

یوسف حسن

ملنے کا پتہ

ـیرنگ خیال بک ڈپو

ڈی اے وی کالج روڈ راولپنڈی

خیبر بک ایجنسی

راولپنڈی

قیمت اڑھائی روپے ۲/۸/-

قاید اعظم مرحوم و مغفور

اسلامستان

مرتبہ حکیم یوسف حسن

دنیائے اسلام کے حالات پر تبصرہ

فہرستِ مضامین

بقیہ فہرست مضامین

8/۔ قیمت ارزان ایڈیشن

اسلام کی خصوصیت

انسان مخلوق ہے۔ ہمیں اپنا مخلوق ہونا یاد رہنا چاہیئے۔ مخلوق کو اپنے خالق کے جاننے اور ماننے کی بھی ضرورت ہے۔

سائنس اور علوم جدیدہ جن کے نظریات بدلتے رہتے ہیں۔ اپنی فضیلت اور برتری اسی میں سمجھتے ہیں کہ کوشش کر کے بال کی کھال نکالیں اور ثابت کریں کہ انسان مٹی اور گارے اور کیچڑ میں ایک حشرات الارض بن گیا (اتفاق سے) اور پھر کروڑوں واربوں سالوں کی نشوونما کے بعد ترقی کرتا ہوا بندر اور بندر سے بن مانس اور بن مانس سے انسان بنا۔ اس نظریہ کو ڈارون کی تھیوری کہتے ہیں۔

سائنس اور علوم کو اگر جھٹلایا نہیں جا سکتا تو خود اسکے کذب و اغلاط روزمرہ سامنے آتے رہتے ہیں۔ نظریات بدلتے اور اصول غلط قرار دئے جاتے ہیں۔ حال ہی میں ایک سائنس دان نے اعلان کیا ہے کہ کروڑوں برس کا ایک ایسا انسانی مجسمہ مل گیا ہے جسکے بعد یہ نظریہ غلط ثابت ہو جاتا ہے کہ انسان بندر سے ترقی کر کے انسان بنا ہے کیونکہ اس ہڈیوں کے ڈھانچہ میں اور موجودہ انسان میں ان کے ہزارویں حصہ کے برابر بھی کسی قسم کا فرق نہیں پایا جاتا۔ گویا آج جو انسان ہے۔ آج سے کروڑوں

برس پیشتر بھی ویسا ہی انسان تھا۔ اس لیئے یہ کہنا کہ یہ تبدیل ہوتا اور بدلتا ہوا (مدارج ترقی طے کرتا ہوا) انسان بنا ہے۔ غلط ہے۔

یہ تو سائنس دانوں کا نظریہ ہے۔ لیکن اہل نظر کو دیکھنا چاہیئے کہ ان کے سامنے ہزارہا قسم کے طیور ہوا میں آوارہ ہیں۔ اُن میں سے ہر ایک کی رنگت بناوٹ اور حسن و جمال ایک خاص قانونِ اندازہ اور ضابطہ کے ماتحت ہے۔ حیوانات میں سینکڑوں اقسام ہیں۔ اور ہر ایک جداگانہ نوعیت میں کمالِ خالق کی مظہر ہے۔ کوئی چیز اگر مرورِ زمانہ سے ترقی پکڑتی جائے اور آہستہ آہستہ مکمل ہو تو اُس کی تکمیل میں بھی ہزاروں نقائص رہ جاتے ہیں۔ لیکن چرند و پرند کی بناوٹ پر غور کیجیئے۔ یہانتک کہ ایک چیونٹی اور مکوڑے کی ساخت پر تمام حکمائے سائنس جمع ہو جائیں تو اُس میں کسی قسم کی غلطی یا نقص نہیں نکال سکتے۔ اس ننھی سی مخلوق میں سانس لینے۔ چلنے پھرنے۔ کھانے پینے کے جملہ انتظامات ہیں۔ انڈے دینے اولاد پیدا کرنے زمین کے اندر رہنے کی قوتیں موجود ہیں۔ ایسی ننھی مخلوق میں بھی کسی قسم کا نقص یا خرابی نہیں پائی جاتی۔ پھر لطف یہ ہے کہ ان میں نر علیحدہ ہیں اور مادہ علیحدہ اگر تدریجی ترقی ہی سے کوئی چیز مکمل ہوتی تو اُس میں نر و مادہ کی تقسیم کیسے ہوتی اور کیسے قائم رہتی۔ کہنا یہ ہے کہ خالق کی پیدا کی ہوئی مخلوق روزِ اول ہی سے کامل و مکمل ہے۔ اسی طرح سے انسان بھی ابتدا ہی سے اسی شکل و صورت پر مکمل پیدا ہوا۔ قرآنِ مجید میں سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے

"اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے بناتا ہے بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے"

جملہ موجوداتِ عالم جو خالق کے حکم سے پیدا ہوئیں اُن میں انسان اشرف المخلوق

ہے۔ انسان کی شرافت اور اکملیت کیساتھ اُس کی زندگی میں روحانیت
بھی ضروری ہے۔ انسان اور حیوان میں فرق صرف اسی قدر ہے کہ انسان
حیوانات کی طرح کھاتا پیتا اور رفع حاجت کرتا ہے۔ لیکن اس کے سوا
وہ کچھ اور بھی سوچتا ہے۔ جس میں سب سے پہلی چیز اپنے خالق کو پہچاننا۔ اس
کی حمد و ثنا کرنا۔ اُس کے احکام پر چلنا ہے۔ انسان دُنیا میں اللہ کی بادشاہت
کا وارث اور خلیفۃ الارض ہے۔ اس کی ذمہ داریاں حیوانات اور
طیورات سے زیادہ ہیں۔

انسان کی یہی ذمہ داریاں اُسے جامۂ انسانیت پہننے پر مجبور کرتی
ہیں۔ مخلوق کا فرض ہے کہ وہ خالق کو پہچانے۔ خالق کو پہچاننے کے صحیح
معنی یہ ہیں کہ انسان اپنی جملہ حرکات میں شرک سے بچے۔ جملہ قوتوں اور
بخششوں کا مالک خدائے واحد کو سمجھے اسی کے آگے سجدہ ریز ہو اور اسی
سے خیر و برکت چاہے۔ یہی وحدانیت اسلام کا اصل اصول ہے۔ اور
پھر اُس کی ہمعصر مخلوق کے ساتھ خالق کے بتلائے ہوئے قوانین کے
مطابق سلوک کرے۔ اور اپنے تئیں کامل انسان بنانے کے لیئے وہ جملہ
قوتوں سے کام لے۔ اللہ پاک نے انسان کو خاص دل و دماغ بخشا ہے
اور اُسے نوید دی ہے کہ ہم نے تمام عناصر کو اس کے تابع فرمان کر دیا
ہے۔ اور انہیں اُسکے لیئے مسخر کر دیا ہے۔ انہی عناصر کی تسخیر سے فائدہ
اُٹھاتے ہوئے انسان نے برق و بھاپ، فولاد و پیٹرول سے کام
لینا سیکھا اُس نے سمندروں میں بڑے بڑے عظیم جہاز تیرائے
اور فضائے آسمانی میں طیارے اُڑائے۔ زمین پر موٹریں اور ریلیں
دوڑائیں۔ ہوائی و برقی قوتوں کے اجتماع سے ہزاروں میل کے فاصلہ

سے پیغام سننے۔ دنیا کا انتظام و انصرام سیکھا اور اُسے چلایا لیکن
اُس میں ابھی بہت سے خامیاں ہیں۔ اس کی علمی و فنی ترقیوں کے
ساتھ ساتھ گمراہیاں۔ بداخلاقیاں۔ بے انصافیاں اور زر پرستیاں اُسے
کامل مخلوقِ الہٰی کا درجہ حاصل کرنے سے روک رہی ہیں۔ وہ اپنی قوتوں سے
تمام دیگر بنی نوع انسان کے ایک بڑے حصے کو اپنا غلام بنائے ہوئے
ہے۔ انہیں زندگی اور انسانیت کے حقوق سے روک رہا ہے۔ وہ
سائنس و ایجادات کو انسان کی ہلاکت کیلئے مخصوص کر رہا ہے۔ وہ
دولت کے انبار سے کمزور انسانوں کو غلام بنائے رکھنے پر صرف کر رہا ہے
انسان کی دولت اور علم درحقیقت مساکین اور کمزور لوگوں کی ترقی
و فلاح کے لیئے وقف ہونے چاہئیں تھے۔ کمزور و پس ماندہ اقوام
کو ترقی دینے انہیں آگے بڑھانے۔ اور انہیں ایک معیار پر لے آنے
میں صرف کرنے چاہئیں لیکن ہو رہا ہے سب کچھ الٹ۔ ان تمام غیر
انسانی حرکات کا باعث صرف ایک ہے۔ وہ یہ ہے مخلوق کا اپنے
خالق کو نہ پہچاننا اور نہ ماننا۔

پہچان اور مان لینے میں بڑی فلاح و برکت ہے۔ ان دو الفاظ
میں زبانی اقرار اور اُس کے مقرر کردہ اصولوں پر عمل کرنا ہے۔ ماننے
کے معنی ہی عمل کرنا ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اول خالق کو پہچاننا سے کیا مراد
خالق کو پہچاننے سے مراد یہ ہے کہ ہم زبانی اقرار کریں اور زندگی کے
ہر فعل میں یہ یاد رکھیں کہ ہمارا ایک خالق ہے۔ اسکا نام اللہ ہے۔
اللہ کے کئی نام صفاتی ہیں۔ جو قرآن مجید میں موجود ہیں۔ اللہ کے ا

بھی کئی نام ہیں جو دوسرے ملکوں میں دوسری زبانوں میں رائج ہیں۔
اللہ کو جاننے اور پہچاننے کے لیئے اللہ پاک کے اُن احکام پر غور کرنا ہمارا فرض ہے جو اُس نے اپنے برگزیدہ بندوں اور پیغمبروں کے ذریعے انسان کو بھیجے۔
یہ پیغام ابتدا ہی سے آتے رہے۔ انسان کی عقل و فہم اور اُس کی ضروریات کے مطابق اُسے حکم پہنچتے رہے۔ اللہ انسان کی قوت و ہمت سے زیادہ اُس پر بوجھ نہیں ڈالتا۔ اس لیئے آہستہ آہستہ اُسے اخلاق و مذہب کے قانون سکھائے گئے۔
اور پیغام ربانی بتدریج انسان تک پہنچتا رہا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔ جسکا ترجمہ درج ذیل ہے۔
"کہدو (اے مسلمانوں) ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے۔ اور اُس کی کتاب پر ایمان لائے۔ جو ہماری طرف نازل کی گئی اور اُس تعلیم پر ایمان لائے جو ابراہیم۔ اور اسمٰعیل اور یعقوب علیہم السلام اور اُن کی اولاد کو دی گئی۔ اور اُن کتابوں پر ایمان لائے جو موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئیں۔ اور تمام اُن کتابوں کو مانتے ہیں جو کسی زمانے میں قوم کے) نبیوں پر اُن کے رب کی طرف نازل کی گئیں (ہم مسلمان) اُن انبیاء علیہم السلام میں سے کسی میں کوئی فرق نہیں کرتے اور ہم اُس خدائے قدوس کے فرمانبردار ہیں۔ (لہذا اُس کی طرف سے جس قدر حضرات انبیاء علیہم السلام پیغامات لیکر آئے وہ سب ہمارے بزرگ اور سردار ہیں)"
مندرجہ بالا قرآن مجید کی آیت کسی تفسیر کی محتاج نہیں۔ اسکے اندر سب

یکجہتی رواداری۔ اتحاد اور تمام انبیاء علیہ السلام کو ماننا برابر جاننا
اور ان کی عزت کرنا ہم سب کا فرض ہے۔
گویا پیغام ربانی ہر زمانہ میں اور ہر قوم کو بھیجا جاتا رہا ہے۔ فرق
صرف اس قدر ہے کہ صدیوں اور قرنوں کے اندر ان کتابوں میں بہت
کچھ ملاوٹ ہو گئی ہے۔ بعض کی زبان ہی نابود ہے۔ بعض جگہ انسانوں
نے پیغمبروں اور نبیوں ہی کی پرستش شروع کر دی ہے۔ اور اصل چیز
پس پردہ ہو گئی اور مخلوق نقل پر ہی مر مٹی۔ لیکن اللہ تعالے کے فضل و
کرم سے اسلام ان چیزوں سے محفوظ رہا۔ قرآن مجید کا ایک ایک حرف
اور ایک ایک نقطہ جوں کا توں ہے۔ پوری کتاب حفاظ کے سینہ میں
محفوظ ہے مسلمانوں نے اپنے نبی کی پرستش شروع نہیں کر دی۔ بلکہ
شرک کو گناہِ عظیم سمجھتے ہوئے صرف رسول کے پیغام اور رسول کے
احکام پر دل و جان سے ایمان لانا اور عمل کرنا ہی اپنا دستور العمل
بنا لیا۔
اسلام کی ایک فضیلت تو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ اس نے
تمام نبیوں اور تمام الہامی کتابوں کی تصدیق کی۔ اور بنی نوع انسان کو ایک
آخری پیغام دیا جس میں ایک مرکز پر دینِ الہٰی کے جھنڈے تلے جمع
ہو جانے کی دعوت دی۔
دوسری فضیلت یہ ہے کہ قرآن مجید ۱۴ سو سال سے جوں کا توں
موجود ہے۔ اس پیغام الہٰی میں ایک نقطہ کا بھی فرق پیدا نہیں ہوا۔ اور
نہ ہی آئندہ ہو گا۔ یہ خوبی بھی کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اس وقت
بیشتر الہامی کتب زمانہ کے اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکیں۔

تیسری خوبی یہ ہے کہ پیغمبر اسلام کی زندگی کا ایک ایک عمل روایت وسوانح کے اصولوں کے تحت محفوظ ہے۔ یہ اتنی بڑی فوقیت ہے جو کوئی دوسرا مذہب پیش نہیں کر سکتا۔ علامہ شبلی نعمانی سیرۃ نبوی جلد اول میں لکھتے ہیں۔

"تمام ارباب مذاہب میں سے ہر ایک کو اپنا مذہب اسی قدر عزیز ہے۔ جس قدر دوسرے کو ہے۔ اس لیئے اگر بے پردہ یہ سوال کیا جائے کہ دنیا میں کون ہستی تھی جس میں جامعیت کبریٰ کا وصف نمایاں تھا؟ تو ہر طرف سے مختلف صدائیں آئیں گی۔ لیکن اگر یہی سوال اس پیرایہ میں بدل دیا جائے کہ دنیا میں کون شخص گذرا ہے جس کا کارنامہ زندگی اس طرح قلم بند ہوا کہ ایک طرف تو صحت کا یہ انتظام تھا کہ کسی صحیفہ آسمانی کے لیئے بھی نہ ہو سکا۔ اور دوسری طرف وسعت اور تفصیل کے لحاظ سے یہ حالت ہے کہ اقوال وافعال، وضع وقطع، شکل وشباہت، رفتار وگفتار، مذاق طبیعت، انداز گفتگو، طرز زندگی، طریق معاشرت، کھانے پینے، چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، ہنسنے بولنے کی ایک ایک ادا محفوظ رہ گئی۔ تو اسکے جواب میں صرف ایک صدا بلند ہو سکتی ہے۔ محمد عربی" (صلے اللہ علیہ وسلم)

پیغمبر اسلام کی سیرۃ کی ضرورت کیوں ہے؟ اس لیئے کہ اسلام میں اقرار نبوت جزو ایمان ہے۔ اسلیئے جو شخص خدا کا پیغمبر تھا اور خدا کے احکام کا لانے والا تھا۔ اسکے حالات واخلاق وعادات زندگی ہمارے لیئے شاہراہ عمل بن سکتے ہیں۔

سیرۃ رسول کے ساتھ مسلمانوں کا سر فخر ومباہات سے بلند ہو جاتا ہے

کیونکہ مسلمانوں نے حالات رسول اس ضبط وانتظام سے محفوظ رکھے ہیں کہ کوئی بات باقی نہیں رہ گئی قیامت تک دنیا میں کسی انسان کے حالات اس تفصیل اور شرح وبسط سے پیش نہ کیئے جا سکینگے۔ بلکہ ایک حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے رسولِ خدا کے حالات زندگی محفوظ رکھنے کی غرض سے آپ کے ملنے والوں میں سے تیرہ ہزار اشخاص کے نام اور حالات بھی قلمبند کر ڈالے یہ اُس زمانہ میں کیئے گئے جبکہ تصنیف وتالیف کا آغاز تھا۔" (سیرۃ نبوی)

سیرۃ رسول میں درجنوں کتب زمانہ قدیم سے عربی زبان میں موجود ہیں۔ سیرۃ نبوی میں علامہ شبلی مرحوم نے ایک کتاب طبقات کا ذکر کیا ہے۔ جو ۱۲ جلدوں میں ہے۔ دو جلدیں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حالات پر مشتمل ہیں۔ اور باقی دس جلدیں صحابہ وتابعینؓ کے حالات میں ہیں۔ چونکہ صحابہؓ کے حالات میں ہر جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتا ہے۔ اس لیئے ان حصوں میں بھی سیرت کا بڑا سرمایہ موجود ہے۔ یہ کتاب ناپید تھی۔ دُنیا کے کسی بھی کتب خانے میں اس کا مکمل نسخہ موجود نہ تھا۔ بالآخر شہنشاہ جرمنی کو اس کی طبع واشاعت کا خیال ہوا۔ چنانچہ ایک لاکھ روپے اپنے جیب سے ایک عربی پروفیسر ساخو کو دیئے اور اس کام پر مامور کیا۔ کہ ہر جگہ سے اس کے اجزا فراہم کر کے لائیں۔ پروفیسر موصوف نے قسطنطنیہ، مصر اور یورپ جا کر جا بجا سے تمام جلدیں بہم پہنچائیں۔ یورپ کے بارہ پروفیسروں نے الگ الگ جلدوں کی تصحیح اپنے ذمہ لی۔ چنانچہ نہایت اہتمام اور صحت کے ساتھ یہ نسخہ لیڈن (ہالینڈ) میں چھپ کر شائع ہوا۔" (سیرۃ نبوی)

اس تمام تفصیل کا ماحصل یہ ہے کہ اسلام دینِ الٰہی ہے جس میں مرکزی خیال توحید ہے۔ دوسری چیز قرآن مجید ہے جو کامل و مکمل بغیر کسی تحریف کے محفوظ ہے۔ تیسری رسالت ہے۔ پیغمبر اسلام کی سیرۃ دنیا کے تمام چھوٹے بڑے انسانوں سے زیادہ محفوظ و مکمل ہے۔ اور یہی مسلمانوں کے لیئے شاہراہِ عمل ہے۔ ان تین خصوصیات کے ساتھ چوتھی چیز کعبہ ہے۔ جس کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رکھی جو دینِ حنیف کا بانی اور مسلمان تھا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرہ نسب بھی حضرت اسمٰعیلؑ تک پہنچتا ہے۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دلبند تھے۔ یہ کعبہ ہے جو مکہ میں قائم ہوا۔ اور جس کو بتوں سے پاک کر کے دوبارہ مسلمانوں کا کعبہ بنایا گیا۔ اب دنیا بھر کے مسلمان مراکش سے لیکر فلپائن تک کعبہ ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔

مکہ معظمہ مسلمانوں کا مرکز اول ہے۔ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ عمر بھر میں اگر اسے توفیق ہو تو ایک بار حج ضرور کرے۔ چنانچہ اطرافِ عالم سے حجاج جوق در جوق مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ روس چین۔ جاوا۔ سماٹرا۔ برما۔ سیام۔ ہندوستان۔ افغانستان۔ ایران ترکی۔ عرب۔ مصر۔ طرابلس۔ ٹیونس۔ الجزیریا۔ مراکش۔ صحرائے اعظم افریقہ کے دور دراز علاقے اور دنیا بھر کے ہر حصہ سے مسلمان وہاں جمع ہوتے ہیں۔ گویا یہ مسلمانوں کی بین الاقوامی کانفرنس ہے۔ مسلمانوں کی لیگ آف نیشن ہے۔ تمام دنیا کے مسلمان بغیر تفریق رنگ و نسل سر منڈائے ڈاڑھی بڑھائے ایک ہی قسم کا احرام باندھے لبیک لبیک کہتے ہوئے جاتے ہیں۔ اللہ اکبر اللہ اکبر! کیا عجیب و غریب نظارہ

ہے۔ مساوات، یکجہتی اور اتحاد و اتفاق کی اس سے بہتر مثال نہیں مل سکتی۔ اور یہی اسلام کا دستورِ اساسی ہے۔

ان خصوصیات کے ساتھ اسلام دنیا میں پہلا مذہب ہے جس نے حقیقی مساوات پیش کی۔ اسلام قبول کرنے کے بعد مسلم وہ تمام حقوقِ شہریت و اسلامیت کے حاصل کر لیتا ہے۔ جو کسی معزز اور سردار قوم بلند شخصیت کو حاصل ہوتے ہیں بلکہ غلاموں تک کو مساوات ایک طرف سرداری تک ملتی ہے۔

مساوات کے بعد اسلام جمہوریت کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ ہر کام شوریٰ اور کثرتِ رائے سے کرنے کا حکم دیتا۔ اور پھر منتخب شدہ سردار یا وضع شدہ قانون کی ہر کس کو متابعت کی تلقین کرتا ہے۔

اسلام مسلمانوں کو پانچ وقت نماز پڑھنے سال کے بعد رمضان کے روزے رکھنے، دولت مند ہونے پر زکوٰۃ ادا کرنے اور صاحب حیثیت ہونے پر حج فرض قرار دیتا ہے۔

اسلام مسلمانوں کو خیرات و صدقات کا حکم دیتا۔ ہمسایہ کا حق ادا کرنا اور اپنے معاہدات کا سختی سے پابندی کرنے کا حکم دیتا ہے۔

وہ مسلمانوں کو کامل یکجہتی اور اتفاق کے ساتھ خدا کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم دیتا ہے۔

اسلام زنا، شراب، جوئے سے بھی سختی سے منع کرتا اور ہر قسم کی برائیوں سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔

دُنیائے اسلام

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دُنیا کیا سے کیا ہو جائیگی (اقبالؔ)

کرنٹ ہسٹری کے ایک نمبر میں مسٹر این کراس نے دنیائے اسلام کی اس بیداری پر ایک جھلکتی ہوئی نظر ڈالی ہے جو پانچسو سال کے خواب گراں کے بعد دُنیا کے ہر حصہ میں نظر آرہی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ہر جمعہ کے روز نیویارک کے پچیس ہزار مسلمان رو بقبلہ ہو کر نمازِ باجماعت ادا کرتے ہیں۔ اور یہ صرف نیویارک ہی میں نہیں ہوتا بلکہ دنیا بھر کے پچیس کروڑ مسلمان جو مراکو سے لیکر جزیرہ سندھ تک اور مڈغاسکر سے لے کر منگولیا تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ہر جمعہ کے دن اکٹھے ہو کر ایک خدا کے سامنے سربسجود ہوتے ہیں۔ جزائر فلپائن میں اور مصر کی یونیورسٹیوں میں مشرقی ایوان ہائے حکومت اور تاتاری خانہ بدوشوں کے خیموں میں یوگوسلاویہ پارلیمنٹ کی بنچوں پر اور افریقہ کی گولڈ کوسٹ کی نوآبادی میں، حبشیوں کی جھونپڑیوں میں الغرض ہر جگہ اور ہر وقت یہ محسوس کیا جارہا ہے کہ اسلام

اور اس کے پیرو از سرِ نو جدید زندگی اور طاقت حاصل کر رہے ہیں۔
اسلام کی قوت بیدار ہو کر سیاسی اہمیت حاصل کر رہی ہے
یہ ایک نہ ٹوٹنے والی مذہبی قوت سے طاقت حاصل کرتی ہے، حضرت
محمد (صلعم) کے ارشادات و ہدایات رنگین اقوام میں برابر نشر و اشاعت
حاصل کر رہے ہیں کیونکہ اسلام کی تعلیم حضرت مسیحؑ یا حضرت موسیٰؑ کی تعلیم
سے زیادہ ان اقوام کے لیئے قابلِ قبول ہے۔
اسلام کی طاقت کا پہلا سنگِ بنیاد تو اس کی مذہبی یگانگت وقوت
ہے۔ لیکن دوسرا اہم ترین ذریعہ اس کی بے مثال قوتِ تخلیق میں مضمر
ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ایشیا کی بیشتر اقوام کی شرح پیدائش کافی
ہے۔ لیکن مسلمان تو خرگوش کی طرح اس سرعت سے بڑھ رہے
ہیں کہ اس کا اندازہ کرنا محال ہو رہا ہے، بطور مثال کے مصر کو دیکھیئے کہ
اس کی آبادی اس تیزی سے بڑھ رہی ہے کہ صرف ایک صدی میں
وہ چار گنا ہو جائے گی۔ اگر ترقی کی یہی رفتار جاری رہی تو ماہرین حساب کا
بیان ہے کہ ۲۵۰ سال کے عرصہ میں مصر کی آبادی اتنی بڑھ جائے گی جتنی
اس وقت دنیا بھر کی ہے۔ یہ ترقی دنیائے اسلام کے ہر حصہ میں
نظر آ رہی ہے، فلسطین میں جہاں یہودی بکثرت آباد ہیں۔ وہاں عربوں اور
یہودیوں کی شرح پیدائش کا اندازہ کرتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ عربوں
کی شرح پیدائش یہودیوں سے اڑھائی گنا زیادہ ہے۔ الجیریا میں مسلمانوں
کی شرح پیدائش یورپینوں کے مقابلہ میں چہار گنا زیادہ ہے، مصر، ترکی
اور ایران میں عام یورپین ممالک سے سہ گنا زیادہ شرح پیدائش ہے،
اس وقت مسلمان دنیا بھر کا ۱/۸ حصہ ہیں اور صرف دو نسلوں کے بعد

یہ تعداد ۱۲ تک جا پہنچے گی۔ جب سے تعلیم اور طبی امداد و وسائل اسلامی ممالک میں پہونچ گئے ہیں، شرح اموات میں بہت کمی واقع ہو گئی ہے۔

اسلام کی قوت کا تیسرا سبب اسلامی ممالک کی خام پیداوار کی کثرت و قیمت ہے۔ روئی اور مٹی کا تیل انہیں امریکہ کا مدِمقابل بنا دیتا ہے۔ ایران، عراق، ترکی اور عربستان میں تیل کے اتنے چشمے ہیں جتنے دنیا بھر میں ہونگے۔ روئی کی پیداوار میں مصر کا درجہ اتنا بلند ہے کہ اُس کی روئی کے لیئے دنیا بھر کی منڈیاں کھلی رہتی ہیں۔ سوڈان، عراق اور اناطولیہ کی روئی بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ حال ہی میں جرمنی نے ایران میں روئی کی کاشت کا وسیع پیمانہ پر انتظام کیا ہے اور اس سلسلہ میں ایران بھی اب کسی سے پیچھے نہ رہیگا۔

اس میں شبہ نہیں کہ اسلامی ممالک میں سفید فام اقوام کا سرمایہ کثیر لگا ہوا ہے، لیکن جن شرائط کے ماتحت یہ اسلامی ممالک اُس سرمایہ کو لگا رہے ہیں اُس کا آخری اور مستقل فائدہ اسلامی ممالک کیلئے ہی ہوگا۔

گذشتہ تین صدیوں سے یورپین ممالک میں اسلام اپنا ایک خاص اثر و رسوخ رکھتا ہے، یوگوسلاویہ اور بلغاریہ میں وہ اہم ترین اقلیت ہیں۔ البانیہ میں اُنہیں شاندار اکثریت حاصل ہے۔ یعنی دس لاکھ کی آبادی میں سے ساڑھے سات لاکھ مسلمان ہیں۔ یوگوسلاویہ میں سولہ لاکھ سفید فام مسلمان ہیں۔ جو یوگوسلاویہ کی آبادی کا دس فیصدی ہیں۔ یہ سفید فام مسلمان رمضان کے روزے رکھتے قرآن اور نماز پڑھتے ہیں۔

بلغاریہ کے ساٹھ لاکھ [illegible] میں سے آٹھ لاکھ مسلمان ہیں، ان میں سے ۳/۴ ترک ہیں، بلغاریہ کے مسلمانوں کو ایسے حقوق حاصل ہیں جو شائد

ترکوں کو اپنے گھر میں بھی حاصل نہ ہوں۔ قانون کے معاملہ میں انہیں ہر قسم کی آسانیاں حاصل ہیں۔ کسی گاؤں میں بھی اگر چالیس مسلمان گھرانے ہوں تو اُن کے علیحدہ حقوق کی نگہداشت کا قانوناً انتظام موجود ہے، اُن کے مفتی و ملاؤں کی تنخواہیں حکومت کے خزانہ سے ادا ہوتی ہیں۔ اُن کیلئے جداگانہ مدارس کا انتظام ہے، ان کی زبان اور تربیت کا خاص خیال رکھا جاتا ہے، دنیا کے کسی حصہ میں بھی عیسائی اور مسلمان اس محبت اور اتحاد سے باہم نہیں رہتے جیسے بلغاریہ میں رہتے ہیں۔

پان اسلامزم ایک خواب نہیں بلکہ حقیقت ہے، لکھ پتی مسلمان تاجر جو کلکتہ کے شاندار اور اہائے تجارت میں بیٹھا نظر آتا ہے، بورینو اور سماٹرا کے مزدور، تبت اور منگولیا کی سول دار کے مارشل، سائبیریا کے انقلاب پسند نوجوان، کابل طہران اور مکہ کے بادشاہ، ترکی کے ... ماہرین حرب اور افسران، شام کے طلباء، عرب کے مذہبی دیوانے، مصر کے نوجوان اور صحرا کے خانہ بدوش، بحر اطلانتک کے کناروں پر رہنے والے عرب افریقہ کی جھونپڑیوں کے نیم وحشی یہ سب سیکڑوں قسم کی مختلف زبانیں بولتے ہیں۔ لیکن سب تہذیب و تمدن کے دروازے پر کھڑے ہیں۔ اُن کے رنگ سفید سے لیکر آبنوس کی طرح سیاہ ہیں لیکن جب جمعہ کے دن وہ نماز کی اذان سنتے ہیں۔ تو سب کے سب خدائے واحد کی پرستش کے لیے مکہ کی طرف منہ کر کے سربسجود ہو جاتے ہیں، جو لوگ پان اسلامزم کو ایک کہانی سمجھتے ہیں۔ وہ اس حقیقت سے کیسے آنکھیں بند کر سکتے ہیں۔

مسلمان پانچسو سال سے گہری نیند میں مبتلا تھے لیکن اب وہ جاگ اُٹھے ہیں۔ دنیا اس وقت فیسی ازم، بالشوزم اور امپریلزم کی جنگوں

میں مصروف ہے یہ سب قوتیں اپنا اپنا رنگ دکھا کر مٹ جائیں گی، لیکن اسلام کی قوت ان تمام اثرات سے پاک و سربلند رہے گی اور وہ ترقی کے جس ڈگر پر پڑ چکی ہے برابر بڑھتی چلی جائیگی۔ اس وقت معلوم نہیں دنیا اس جدید قوت کے سامنے کب اور کس طرح سربسجود ہوگی!!!"

اسلامی ممالک اور پیٹرول

دنیا کی سیاسیات میں پیٹرول کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ باخبر حلقوں کا بیان ہے کہ جرمنی کی شکست میں عجلت کی وجہ پیٹرول کی کمیابی تھی مغرانسیسی مدبر کلمینجو نے کہا تھا کہ پیٹرول کی ایک بوند انسانی خون کی ایک بوند کے برابر ہے۔ تیل سے کسی قوم کی صنعتی اور فوجی قوت قائم کی جاسکتی ہے۔

دنیا میں تیل کے چار بڑے ذخیرے ہیں۔

(۱) وسطی امریکہ (۲) جنوبی امریکہ کے شمالی اضلاع (۳) روسی علاقہ (۴) مشرق وسطےٰ (ایران عرب وغیرہ) ان چار ملکوں میں تیل کی کثرت ہے۔

اس وقت امریکہ میں جو تیل برآمد ہو رہا ہے۔ وہ دنیا کی برآمد کا ۶۳ فیصدی ہے امریکہ میں ۳۵۰۰۰ تیل کے کنوئیں کام کر رہے ہیں۔ جن سے اس وقت تک ۲۵۰ ۴ ملین ٹن تیل نکالا جا چکا ہے۔ مشرق وسطےٰ کے تیل کی برآمد کی کیفیت یہ ہے۔

(۱) ایرانی تیل دس ملین ٹن سالانہ کے حساب سے نکلتا ہے۔

(۲) عراق سے ۴ ملین ٹن سالانہ (اب تک ۴۰ ملین ٹن نکالا جا چکا ہے)

(۳) سعودی عرب سے ۲ ملین ٹن سالانہ۔ کام ابھی حال ہی میں شروع ہوا ہے۔

(۴) بحرین - ایک ملین ٹن سالانہ۔

یہ صحیح ہے کہ امریکہ میں اس وقت ۶۴ فی صدی دنیا کے تیل کی برآمد موجود ہے۔ لیکن جنگی اور تجارتی ضروریات اس تیزی سے فنشود نما پا رہی ہیں کہ امریکن ماہرین فن کا خیال ہے کہ ان کے محفوظ ذخائر کسی وقت بھی ختم ہو سکتے ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ سعودی عرب میں تیل اس قدر زیادہ تعداد میں موجود ہے جو امریکہ کی برآمد سے یقیناً بڑھ جائیگا۔ اسی لیئے وہاں کے دانشمند تجار نے آنے والے خطرہ کو بھانپ کر سعودی عرب کے تیل کا اجارہ بھی حاصل کر لیا ہے۔ ورنہ وہ کسی دوسری قوم کے ہاتھ میں چلا جاتا تو ہو سکتا تھا کہ یہی تیل بعد میں امریکن فوجی اور تجارتی قوت کے لیئے ایک کاری ضرب ثابت ہوتا۔

سعودی عرب کے تیل کی داستان طویل ہے لیکن ہم اختصار کے ساتھ چند حقائق پیش کرتے ہیں۔ سلطان ابن سعود جو عرب کے واحد فرمانروا ہیں۔ جب عرب میں تیل کے چشمے برآمد ہو گئے تو دنیا بھر کی سلطنتیں تجارتی مراعات حاصل کرنے کے لیئے دوڑ پڑیں۔ ان میں انگلستان۔ اٹلی۔ جاپان اور امریکہ پیش پیش تھیں۔ سب سے بڑی پیشکش جاپان کی تھی جو اس حصہ زمین کے لیئے امریکہ سے دوگنی رقم ادا کرنا چاہتا تھا۔ اسی طرح انگلستان کی رقم بھی امریکہ سے زیادہ تھی لیکن سلطان ابن سعود نے اس معاملہ میں اپنی دانشمندانہ حکمت عملی کا ثبوت دیا۔ آپ نے فرمایا کہ "کم منافع اور کم سرور" بہترین فیصلہ ہے۔ کسی ایسی قوم

دو عرب بادشاہ

اعلیٰ حضرت فاروق شاہ مصر ـ اعلیٰ حضرت سلطان ابن سعود والئ
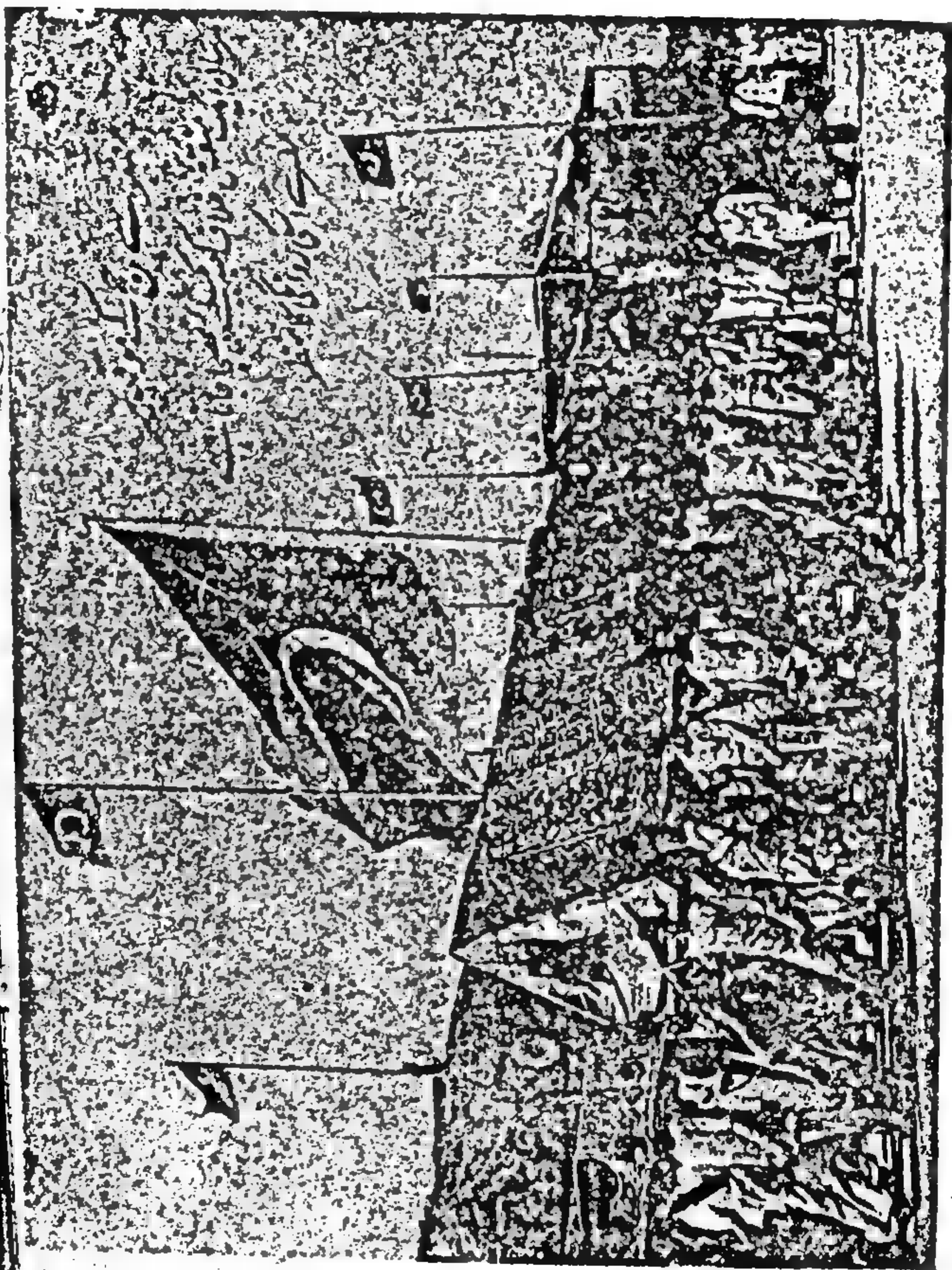
کو عرب میں اجارہ نہیں دیا جا سکتا۔ جس کے سیاسی معاملہ کسی وقت عرب کی آزادی پر ضرب لگانے پر مجبور ہوں۔ اسی لیئے اجارہ امریکہ کو دیدیا گیا۔ ایک امریکن سیاح لکھتا ہے کہ عرب میں دو ہی بیماریاں ہیں ایک جرب العین اور دوسری مفلسی۔ مفلسی کا علاج ان تیل کے چشموں سے ہونا ممکن ہے اور جب روپیہ وافر ہو جائیگا تو ریگستانی آندھیوں سے محفوظ رہنے کے لئے آنکھوں کے لیئے چشمے بھی خریدے جا سکینگے جس سے جرب العین کی بیماری رفو چکر ہو جائیگی۔ عربوں کو اس کا علم نہ تھا کہ ان کے ریگستانوں کے نیچے صرف ۵۰۰ فٹ کے فاصلے پر دولت کا بیکراں سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ دنیا بھر میں یہ سب سے بڑا تیل کا ذخیرہ ثابت ہوگا۔

سعودی عرب میں صرف ۳۵ تیل کے کنوئیں کھودے گئے ہیں جن میں سے ۳۰ سے تیل نکل رہا ہے۔ یہ اوسط بھی بے مثال ہے اور پھر ان ۳۰ کنوؤں سے سالانہ ۲ ملین ٹن تیل نکلنا بھی ان کنوؤں میں تیل کی افراط کا ثبوت ہے جو کسی بھی ملک میں اس شرح سے حاصل نہیں ہو رہی۔ اس وقت ۱۱۰۰ امریکن ان کنوؤں پر کام کر رہے ہیں۔ جن کے ساتھ تقریباً دس ہزار عرب مزدور بھی باکار ہو گئے ہیں۔ امریکی آبادی میں کرکٹ، فٹ بال کھیلنے میں عرب بھی برابر کا حصہ لے رہے ہیں اور دونوں قوموں کے ملاپ سے عربوں میں بہت کچھ انقلاب رونما ہونے کی توقع ہے۔ جب تیل کے بہت سے کنوئیں شروع ہو گئے تو لاکھوں عرب کاروباری سلسلوں میں منسلک ہو کر دولت سے کھیلنے لگیں گے۔

سلطان ابن سعود نے ۴ شلنگ (تین روپے) فی ٹن اپنی رائلٹی مقرر

کری ہوئی ہے۔ اندازہ ہے کہ عرب میں ۲۰ سے ۵۰ ارب بیرل پیپے تیل برآمد ہوگا۔ ۷ بیرل میں ایک ٹن تیل آجاتا ہے۔ آجکل ۱۵ ہزار بیرل تیل روزانہ نکلتا ہے۔ اور اس تعداد میں بہت جلد اضافہ ہوجائیگا۔ آجکل سلطان ابن سعود کی رائلٹی چھ ہزار روپے روزانہ یا ۲۱ لاکھ روپے سالانہ ہے سال دو سال کے بعد یہ رقم کئی گنا بڑھ جائیگی۔ انگلستان ایک کروڑ بیس لاکھ ڈالر سالانہ شاہ ایران کو جنوبی ایران کے تیل کا سالانہ ٹھیکہ ادا کر رہا ہے شمالی اور شمال مغربی ایران کے تیل سے ایران کو جو رقم ملیگی وہ اس سے کچھ زائد ہی ہوگی۔

تیل نکالنے والے ماہرین میں امریکہ سب سے پیش پیش ہے۔ جرمنی اور اٹلی نے دو دفعہ ایران میں تیل نکالنے کا اجارہ لیا۔ لیکن دو چار کنوئیں کھودنے کے بعد ہمت ہار کر بیٹھ گئے۔ اور ان کے اجارے منسوخ ہو گئے۔ بحرین میں انگلستان کے ماہرین فن نے تیل نکالنے کی بڑی کوشش کی۔ مگر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ مگر امریکن ماہرین فن نے جب کام کو اپنے ہاتھ میں لیا تو انہیں بڑی آسانی سے نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔

عرب کا تیل زیادہ تر ہندوستان۔ چین اور آسٹریلیا کو بھجوایا جائے گا۔ یہ تیل یورپ بھی بھجوایا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کے لئے جو طریقہ اس وقت رائج ہے۔ وہ کافی تکلیف دہ ہونے کے علاوہ زائد خرچ کا بھی ذمہ دار ہے۔ عرب کا تیل بحرین سے ہوتا ہوا جزیرہ نما عرب کے گرد چکر کاٹتا ہوا عدن اور سوئیز کے راستہ سے بحیرہ روم میں پہنچتا ہے۔ یہ فاصلہ تین ہزار میل ہے۔ تیل جہازوں کے ذریعے سے بھجوایا جاتا ہے۔ اس تیل پر سوئیز کمپنی پانچ آنے فی بیرل محصول چنگی

وصول کرتی ہے۔ ایک تجویز زیر غور ہے کہ ایک پائپ لائن بحرین سے فلسطین تک تیار کردی جائے تو مسافت صرف ایک ہزار میل رہ جاتی ہے اور پھر صرف ۵ فی بیرل (پیپا) کے خرچ سے یہ تیل بحیرۂ روم تک جا پہنچیگا۔ اس پائپ لائن پر ۱۶ کروڑ ڈالر خرچ ہونگے۔ اس وقت یورپ میں ۴۲ فیصدی تیل کیلئے نورنیا سے اور ۱۳ فیصدی تیل یورپ سے اور ۱۳ فیصدی ایران سے جاتا ہے۔ اس پائپ لائن کے بچھانے پر عرب کا تیل بھی حسب ضرورت یورپ بھجوایا جاسکیگا۔

سلطان ابن سعود نے امریکہ کو عرب میں تیل کا اجارہ اس لیئے دیا تھا کہ امریکن تجارتی معاملات سے آگے قدم نہ بڑھائینگے۔ لیکن تجربہ اس کے خلاف ہے۔ یہ تجارتی معاملات ہی قبضہ یا اقتدار کا پیش خیمہ ہوا کرتے ہیں۔ جسکا سب سے پہلا ثبوت امریکہ کی یہود نواز پالیسی ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایک خالص عربی ملک میں یہودیوں کو لا لاکر آباد کرنا کس حکمت عملی اور کس بین الاقوامی قانون کے ماتحت جائز قرار دیا جاسکتا ہے۔ عربوں کی اکثریت کو آہستہ آہستہ اقلیت میں تبدیل کیا جارہا ہے۔ اگر یہودیوں کے لیئے ایک وطن یا ایک سلطنت درکار ہے تو امریکہ اپنے مقبوضات یا انگلستان اپنی افریقی نوآبادیات سے کوئی حصہ دے سکتا ہے۔ یہ سخاوت دوسروں کے حقوق غصب کرنے سے کیسے جائز قرار دی جاسکتی ہے۔ لیکن اس تمام بددیانتی کی تہ میں صرف وہی ملوکانہ حکمت عملی کارفرما ہے۔ انگلستان نہر سویز سے قریب قریب ایک زبردست فوجی مرکز چاہتا ہے اور وہ سوائے فلسطین کے اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ فلسطین میں عربوں کی آبادی زیادہ ہے۔ اس

سے لیئے ان پر پورا اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اس حصہ کو اپنے لیئے محفوظ بنانے کے سلیئے برطانیہ وہاں یہودیوں کی اکثریت چاہتا ہے۔ جو برطانیہ کی کاسہ لیس ہیں۔ اسی طرح سے امریکہ مجوزہ پائپ لائن اور دوسرے فوجی اقدامات کیلیئے یا اپنی تجارتی تحفظات کے سیئے فلسطین میں ایک دوست قوت کا متمنی ہے۔ اسی لیئے وہ برطانیہ کی امداد کر رہا ہے اور وہاں یہود کا وطن زبردستی بنایا جا رہا ہے۔ اس پالیسی میں جہاں امریکہ اور برطانیہ اپنے تحفظ کی راہ تلاش کر رہے ہیں۔ وہاں عربوں میں عالمگیر نفرت کا بیج بو رہے ہیں۔ شمالی ایران میں روسیوں نے تیل کا اجارہ حاصل کرنے کے سیئے جو ننگی کا ناچ ناچا ہے اور جس طرح سے انہوں نے مساوات اور آزادی کے تمام اصول بالائے طاق رکھے ہیں وہ ارباب دانش سے پوشیدہ نہیں۔ ہم مانتے ہیں کہ روس کو ایران کا تیل حاصل کرنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ جنوب میں انگلستان نے اور عرب میں امریکہ نے تیل حاصل کر لیا تھا۔ تو قوت کا توازن رکھنے کیلئے ایران کا تیل روس کو بھی لینا چاہیئے تھا۔ لیکن اس کے لیئے جو طریقے روس نے اختیار کیئے وہ اس کے روشن اصولوں کو داغدار بنا دیتے ہیں۔ شمال مغربی ایران میں بھی تیل کے چشمے ہیں جسکا اجارہ ایک ڈچ کمپنی نے لے رکھا ہے یہ کمپنی بھی کام شروع کرنیوالی ہے۔ مصر میں تیل کے چشمے نہر سویز کے پار ہیں۔ جن میں سے ۱۱۲ کروڑ ٹن صالانہ تیل نکل رہا ہے۔ اس تیل کو صاف کرنے کی مشینری سویز پر بنائی گئی ہے۔

ان مقامات کے علاوہ فلسطین۔ شام۔ مسقط۔ عمان اور عدن میں تیل کے اجارے مختلف چھوٹی چھوٹی کمپنیاں حاصل کر چکی ہیں۔ جو جنگ کی

وجہ سے کام شروع نہیں کر سکیں یا بعض کو ابھی تیل ملا ہی نہیں۔

ترکی کے تیل کا سب سے بڑا مرکز موصل عراق کے حصہ میں آگیا تھا۔ وہاں سے ترکی کو تیل کی ایک قلیل مقدار ملتی ہے۔ لیکن حال ہی میں ترکی میں بھی تیل کے چند چشمے برآمد ہوئے ہیں۔ جن سے تیل نکالنے کے بعد معلوم ہو سکیگا۔ کہ انہیں کتنی اہمیت حاصل ہے۔
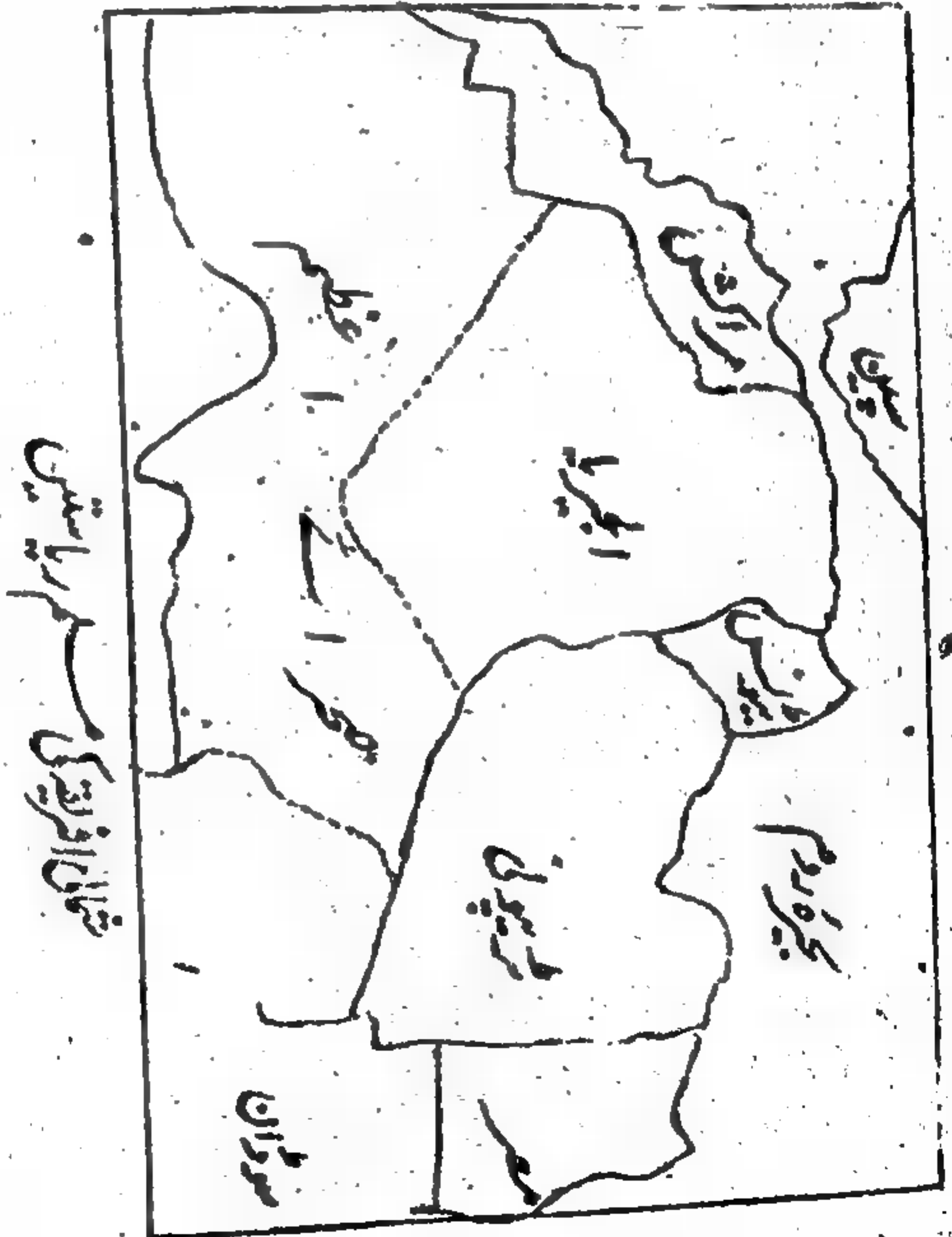
مشہور مورخ فلپ ع کے ہتی لکھتا ہے:۔
"حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے ایک سو سال بعد آپ کے پیرو ایک ایسی سلطنت کے مالک تھے۔ جو روما کی با جبروت حکومت سے بھی بڑی تھی۔ یہ حکومت ایک طرف سپین سے لیکر دریائے سندھ تک اور دوسری طرف جبیل آرال (روس) اور چین سے دریائے نیل تک پھیلی ہوئی تھی۔ پانچوں وقت خدائے واحد کا نام ان ہزار ہا مسجدوں کے میناروں سے اللہ اکبر اللہ اکبر کے نام سے پکارا جاتا تھا جو یورپ کے جنوب مغربی علاقوں، شمالی اور مغربی افریقہ، وسطی ایشیا تک پھیلے ہوئے تھے۔ ان علاقوں میں دنیا کی بڑی بڑی قومیں اور حکومتیں آئیں۔ سریر آرائے حکومت ہوئیں۔ مگر برباد و نابود ہو گئیں۔ عرب بھی ان ملکوں پر حکمراں ہوئے۔ حکمران رہے اور اب بھی وہ وہیں زندہ و قائم موجود ہیں اور نئی زندگی کے لیئے ابھر رہے ہیں"۔
عربوں نے صرف حکومت ہی پیدا نہیں کی تھی بلکہ ایک تمدن بھی جو دجلہ و فرات، دریائے نیل اور اندلس میں بڑھا، پھلا اور پھولا۔ اس وقت عرب مراکش سے لیکر عراق تک متعدد نیم مختار اور خود مختار حکومتوں میں

پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ ایک ہی زنجیر کی مسلسل کڑیاں ہیں۔ ان کے پاس شاندار ماضی۔ کامیاب مذہب اور پرُ اُمید مستقبل ہے۔

عربوں میں زندگی اور بیداری پیدا ہو گئی ہے۔ اس زندگی اور حرکت کے پیدا کرنے میں خود فرنگی سیاست نے زیادہ حصہ لیا ہے انہوں نے ترکوں کی باجبروت اور طاقتور سلطنت کو ضعیف و کمزور کرنے کے لیئے مسلمانوں میں افتراق کے جراثیم پھیلانے کے لیئے عربوں میں بغاوت کا مادہ پیدا کیا۔ اُن کی ہر ممکن مدد کی۔ یہاں تک کہ مسلمان کو مسلمان کے خلاف صف آرا کر دیا۔ مگر ؎

خدا شرّ بر انگیزد کہ خیر ما دراں باشد

اس ناپاک شرارت اور خوفناک اقدام کا نتیجہ یہ نکلا کہ عربی بغاوت عربی بیداری میں اور پھر عربی بیداری۔ عربی آزادی کی صورت میں قلب ماہیت اختیار کر گئی۔ آج عربی حکومتوں کو از سر نو قائم و منضبط کرنے کے لیئے عرب لیگ قائم ہو چکی ہے جو عربی بولنے والے ممالک کو جو مراکش سے عراق تک پھیلے ہوئے ہیں محفوظ اور آزاد دیکھنے کی متمنی ہے۔ نجد و حجاز کے بعد مصر و عراق۔ شام و لبنان۔ شرقی اردن اور یمن آزاد حکومتیں بن چکی ہیں۔ طرابلس الجزائر۔ ٹیونس۔ مراکش۔ سوڈان اور فلسطین کے لیئے عرب لیگ جدو جہد کا آغاز کر چکی ہے۔ اس کے لیئے جس قدر بھی قربانیاں کرنی پڑیں گی یہ لوگ کرینگے اور ایک دن دُنیائے اسلام پر ایک ایسا حصارِ آہنی بن جائیگا جسے مخالفین پارہ پارہ نہ کر سکینگے۔

انڈونیشیا (سماٹرا۔ جاوا وغیرہ) میں چھ کروڑ مسلمان آزادی کے لیئے تڑپ رہے ہیں۔ ہالینڈ جو آج وہاں لشکر کشی کر رہا ہے بہت

جلد انڈونیشیا سے مصالحانہ رویہ اختیار کرنے پر مجبور ہوگا اور ایشیا کے اس جنوبی جزیرہ نما پر اسلام کا پرچم لہرانے لگے گا۔ اتحاد بین المسلمین کے ابتدائی نشان اب ظاہر ہونے لگے ہیں۔ اس جنگ کے دوران میں مصر میں انڈونیشیا کے مسلمانوں کے لیئے دعائیں مانگی گئیں۔ حکومت پاکستان جبکہ قیام ابھی عمل میں نہیں آیا ایک طبی وفد وہاں بھیج رہی ہے نہر سویز کے مصری ملازمین نے ہالینڈ کے جہازوں کو سویز سے گذرنے کی حالت میں کسی قسم کی امداد و تعاون سے انکار کر دیا ہے۔ اس طرح سے ہالینڈ کے جہاز بغیر مصری ملازموں کی رہنمائی کے نہر سویز کے گذر نہیں سکینگے اور وہ فوجی امداد انڈونیشیا میں نہ بھجوا سکیگا۔ یہ معمولی باتیں بڑی اہمیت اور دور رس نتائج رکھتی ہیں۔ یہ ظاہر کرتی ہیں کہ ایشیائی اقوام بالخصوص اور اسلامی ممالک بالعموم اشتراک و تعاون سے یورپین ممالک کا مقابلہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ اور ان ممالک کا طاقتور اور مضبوط ہو جانا ہی ایشیا والوں کی فلاح و بہبود کا موجب ہوگا۔ یقیناً اسلام مراکو سے ملایا تک ایک زندہ قوت ہے۔

نجد و حجاز

نجد و حجاز عربی بولنے والے ممالک میں اہم ترین حیثیت کا مالک ہے۔ کیونکہ اس میں مسلمانوں کا کعبہ، اور مشہور اسلامی شہر مکہ اور مدینہ موجود ہیں۔

نجد و حجاز کا رقبہ چھ لاکھ مربع میل اور آبادی ساٹھ لاکھ ہے شمال میں عراق کویت اور شرق اردن۔ جنوب میں یمن اور بحر ہند۔ مغرب میں بحر احمر

۱ الحمد للہ کہ ۱۵ اگست کو پاکستان بن گیا۔

ہیں۔ اس کے مشہور شہر یہ ہیں۔ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، جدہ،
طائف اور ریاض۔

ہز مجسٹی سلطان ابن سعود ۱۸۸۰ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدا میں صرف
نجد کے حکمران تھے۔ جس کا دارالخلافہ ریاض تھا۔ آپ نے نجد پر قبضہ
پانے کے بعد عراقی سرحد تک بعض ضروری علاقے فتح کر لیے پھر حجاز
کی طرف رخ کیا۔ جہاں شریف حسین کی حکومت تھی۔

۱۳ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو ابنِ سعود نے شریف حسین کی فوجوں کو شکست
دے کر مکہ معظمہ پر قبضہ کر لیا۔ دسمبر ۱۹۲۵ء میں جدہ پر بھی قبضہ ہو گیا۔
اور ۸ جنوری ۱۹۲۶ء کو سلطان ابنِ سعود کی نجد و حجاز کی شہنشاہی کا اعلان
کر دیا گیا۔ ۱۹۳۰ء میں عسیر صوبہ بھی سلطان کے قبضہ میں آ گیا۔

۱۹۳۴ء میں سلطان ابنِ سعود یمن کی طرف متوجہ ہوئے جو جنوب
میں ایک آزاد حکومت ہے۔ امام یحییٰ والئ یمن اور سلطان ابنِ سعود
میں جنگ ہوئی۔ جس میں ابنِ سعود نے فتح پائی۔ لیکن اس نے بڑی
دانشمندی کا ثبوت دیتے ہوئے امام یحییٰ والئ یمن سے برادرانہ صلح
کر لی۔ اور دونوں نے ایک دوسرے کی آزاد سلطنتوں کو تسلیم کر لیا۔
دونوں سلطانوں کے باہمی تعلقات بڑے دوستانہ ہیں۔

سلطان ابن سعود کے خاندان کے اعلیٰ رکن سلطان عبدالوہاب
ایک وہابی فرقے کے بانی ہیں۔ اسلیئے سلطان ابنِ سعود وہابی کہلاتے
ہیں۔ آپ کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان اور خدا کے تعلقات میں وسیلوں
کی ضرورت نہیں۔ اور توحید کامل ہی اسلام کا اصلِ اصول ہے۔ غیر خدا
کی پرستش بتوں کے علاوہ دوسری صورتوں میں بھی ناجائز ہے اور

برداشت نہیں کی جاسکتی۔

سلطان ابن سعود کٹر مسلمان ہیں۔ انہوں نے شرع اسلام کا نفاذ اپنے ملک میں کر رکھا ہے۔ زانی کی سزا دُرّوں سے پٹنا اور چور کی سزا اسکا ہاتھ کاٹ دینا ہے۔ نماز روزہ کی سخت پابندی ہے۔ راگ رنگ اور تصاویر سے نفرت، ریشم پہننا اور شراب پینا جرم، تمباکو نوشی ممنوع ہے۔

سلطان ابن سعود نے صحرا کے بدوؤں کو منظم کرنے کی بڑی سعی کی ہے۔ اُن میں ضبط و نظم ایک امر محال تھا۔ لیکن یہ سلطان کا کمال ہے کہ بدو اب کسی قانون کو تسلیم نہیں کرتے اور بلا چون و چرا اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔

سلطان ابن سعود نے نخلستانوں کے پاس پانچ پانچ ہزار کی آبادیوں کے قصبے تعمیر کرنے کی کوشش کی ہے۔ زراعت اور تجارت کو ترقی دی ہے۔ تعلیم کی توسیع کے لیئے کچھ مدارس قائم کیئے ہیں۔ جن میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہتا ہے حکومت شخصی ہے اور ہر معاملہ میں سلطان ہی آخری حکم اور آخری عدالت ہے۔ لیکن سلطان نے مختلف محکمے اپنے وزراء کے سپرد کر رکھے ہیں سلطان کا بڑا لڑکا وزیر خارجہ کے فرائض ادا کرتا ہے۔ جو تعلیم یافتہ اور جہاں دیدہ ہے۔ ولی عہد مذکور چند بار انگلستان اور امریکہ کا سفر کر چکے ہیں۔

گذشتہ جنگ یورپ کے درمیان سلطان ابن سعود کے تعلقات انگریزوں سے بہت ہی دوستانہ رہے۔ اور جب کہ تمام دنیا برطانیہ کے خلاف متزلزل خیالات رکھتی تھی سلطان ابن سعود

انگریزوں کے دوست اور رفیق بنے رہے ۔ اُدھر شام میں جرمنوں کے سپاہی ہوائی جہازوں سے اتر رہے تھے اور عراق میں برطانیہ کے خلاف بغاوت ہو رہی تھی لیکن ابن سعود اپنی دُھن کا پکا تھا۔ اُسکا یقین تھا کہ تمام باتیں عارضی ہیں ۔ اور فتح بالآخر برطانیہ کی ہی ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔ انگلستان سلطان ابن سعود کی دوستی پر فخر کرتا ہے۔ چنانچہ جنگ کے دوران میں مسٹر چرچل ایک جہاز پر سلطان ابن سعود سے ملے اور دونوں میں انگلستان و عرب کے اتحاد کے متعلق بڑی کارآمد گفتگو ہوتی رہی ۔

سلطان ابن سعود نجد و حجاز کے آزاد اور خود مختار بادشاہ ہیں آپ کو عربوں کی یونین "اتحادِ عرب کمیٹی" میں نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ آپ عربوں کے اتفاق اور یکجہتی کو عربوں کی حیاتِ ثانی کے لیئے از بس ضروری سمجھتے ہیں ۔ جہاں عربوں کی ترقی اور آزادی کا سوال پیدا ہوتا ہے ۔ وہاں آپ عرب و حجاز کو پس پشت ڈال دیتے ہیں ۔ اور خالص عربی سلامتی کو مقدم ٹھہراتے ہیں ۔ اس سلسلہ میں آپ نے مصر کا سفر کیا ۔ اور ہز مجسٹی شاہِ فاروق والئی مصر سے دوستانہ ملاقات کی ۔ اس وقت یہی دو حکمران "عربی دنیا" کے رہنما و امام ہیں ۔ لیکن عربی مسئلہ کیلئے ان میں رقابت اور مقابلہ نہیں ہے ۔ اگر ہز مجسٹی شاہِ فاروق کو تمام عربی جماعتوں کا رہنما قرار دیا گیا ۔ تو سلطان ابن سعود شاہِ فاروق کے تحت کام کرنے میں سرگرمی کا اظہار کرینگے ۔ عرب حکمرانوں میں یہ اتحاد اور سعیِ عمل قابل ہزار توصیف ہے ۔

سلطان ابن سعود کی خوش بختی ہے کہ عرب میں پیٹرولیم کے چشمے

اس کثرت سے نکلتے ہیں کہ ایران اور امریکہ کے تیل سے زیادہ یہاں سے پیڑول نکلیگا۔ پیڑول کے متعلق ایک مضمون کا خلاصہ آپ کے سامنے پیش کیا جاچکا ہے۔ جس سے آپ کو عرب کے پیڑولیم علاوہ اسلامی ممالک کے پیڑول کے متعلق بیش قیمت معلومات حاصل ہوگئی ہیں۔ سلطان ابن سعود کو ان تیل کے چشموں سے فی الحال ۲۔۴ ۵۰ لاکھ روپیہ سالانہ رائلٹی ملنے کی صورت پیدا ہوگئی ہے۔ لیکن امور سلطنت کے لیے سعودی حکومت امریکہ سے کثیر قرضہ لے چکی ہے۔ جنگ کے سات سالوں میں اطراف عالم سے حاجی محدود تعداد میں آتے رہے ہیں۔ جس سے آمدنی بڑی حد تک گرتی چلی گئی۔ ادھر ضروریات زندگی اتنی گراں ہوگئیں۔ کہ حکومت کو اپنی پوزیشن قائم رکھنی مشکل ہو گئی۔ آمد کے ذرائع قلیل اور اخراجات روز افزوں تھے۔ اسلیئے حکومت نے امریکہ سے بہت سا روپیہ پیشگی لے لیا۔ اب عرب کے ایک خاص خطے میں ریلوے لائن بنانے کے لیئے بھی امریکہ سے ایک قرض لیا جارہا ہے۔

معلوم ہوا ہے اس سال مسلم لیگ کے بعض ارکان حکومت حجاز کے پاس اس غرض کے لیئے گئے تھے کہ حکومت حجاز حاجیوں کا ٹیکس معاف کردے۔ یہ اقدام سراسر بیجا اور غلط تھا۔ حکومت حجاز کی آمدنی کے ذرائع محدود ہیں اور آمدنی کی دو ہی بڑی مدیں ہیں۔ ایک حجاج کا ٹیکس اور دوسرا پیڑول کی رائلٹی۔ اگر یہ آمدنی چھوڑ دی جائے تو نہ حکومت قائم رہ سکتی ہے نہ حج ہو سکتا ہے۔ کیونکہ حکومت کی کمزوری سے وہاں طوائف الملوکی اور لوٹ مار و غارتگری پھیل جائیگی۔ جس سے حج

ہی ناممکن ہوجائیگا۔ اسلیے اس قسم کا مطالبہ ان ایّام میں سراسر غیر معقول تھا۔ البتہ جب اچھے دن آجائیں۔ پیڑول کی آمدنی بہت زیادہ ہوجائے اور چاندی و دیگر دھاتوں کی کانیں ایسے طریق پر کام کرنے لگیں جس سے آمدنی کا جیعہ اتنا بڑھ جائے کہ حاجیوں سے ٹیکس نہ لینے سے جو خسارہ ہوتا ہے وہ دوسری مدوں سے پورا ہونے لگے تو پھر ایسا مطالبہ پیش کرنے کے بغیر ہی سلطان ابن سعود حجاج کا ٹیکس معاف کردینگے۔
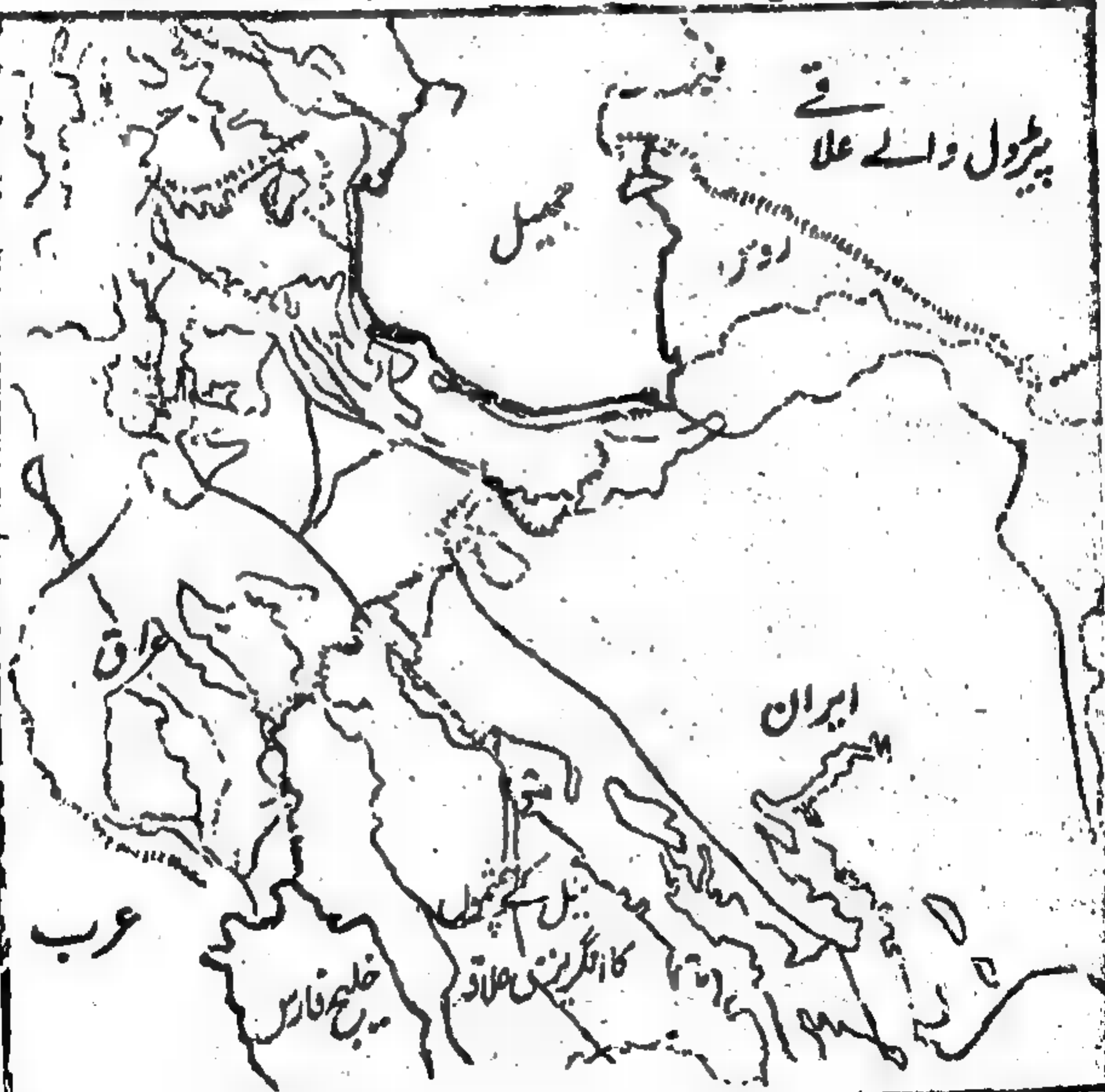
مصر

مصر اُن اسلامی ممالک کی زنجیر میں اہم ترین کڑی ہے جو شمالی افریقہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اِن ممالک میں جنکی آبادی ۹۵ فی صدی مسلمان اور جن کی زبان عربی ہے۔ زندگی اور بیداری کی نئی لہر پیدا ہو گئی ہے۔

لندن کا اخبار سفیر لکھتا ہے۔ کہ

"اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو دوسرے ممالک سے بالکل مختلف ہے۔ ان ممالک میں عیسائی مشنریوں کا پراپیگنڈا کامیاب نہیں ہوتا۔ کیونکہ اسلام اپنے پیروں کو وہ چیز دیتا ہے۔ جس چیز کے لیئے انسان میں فطرتی خواہش ہے یعنی دوسروں پر برتری کا جذبہ اور یہ چیز اسلام میں نمایاں حیثیت میں پائی جاتی ہے۔

اسلام کے عقائد سیدھے سادے ہیں۔ عربوں اور شمالی افریقہ کے تمام مسلمانوں میں غیر مسلموں سے ایک نہ گھٹنے والی اور نہ کم ہونے والی نفرت پائی جاتی ہے۔ فرانس کے ماتحت جو مسلمان شمالی افریقہ میں ہیں۔ (مراکش، ٹیونس، الجزیا والے) وہ فرانس سے آزادی حاصل کرنے کے خواہاں ہیں۔ ان مسلمانوں کی نظریں عالم اسلام پر عموماً اور

عربی دنیا پر خصوصاً لگی ہوئی ہیں۔ وہ یہ دیکھ کر مسرت محسوس کرتے ہیں کہ حجاز کا بادشاہ خود مختار اور کٹر مسلمان ہے۔ مصر آزاد ہو گیا ہے اور فاروق شاہِ مصر ایک دیندار پابندِ صوم وصلوٰۃ مسلمان ہے۔ مصر تہذیب و تمدن میں عربی ممالک کی رہنمائی کر رہا ہے۔ انہیں یہ بھی پتہ ہے کہ ترکی کافی مضبوط ہے۔ اور روز بروز زیادہ ہی زیادہ مضبوط ہوتا جا رہا ہے۔ ایران کا شیعہ بادشاہ مصر کی عربی سنّی شہزادی سے شادی کر چکا ہے۔ عراق شام اور شرق اردن میں آزاد اسلامی ریاستیں ہیں۔ ان ساری باتوں کو شمالی افریقہ کے مسلمان دیکھتے ہیں اور اُن کے حجروں اور مقبروں تک میں انہی باتوں کا چرچا ہوتا ہے۔"

بحیرۂ روم جسے یورپین سیاست میں اتنی اہمیت حاصل ہے اسکا نصف ساحل کامل عربی ہے۔ مراکش سے لیکر نہر سوئیز تک عربی قوم اور عربی حکومتیں اس ساحل پر آباد ہیں۔ ان لوگوں کا مذہب ایک زبان ایک اور معاشرت ایک ہے۔

ان عربی ممالک کی آزادی کے لیئے عربی بولنے والے ملکوں نے ایک عرب یونین قائم کی ہے۔ جسکا سب سے بڑا داعی مصر کا نوجوان بادشاہ فاروق ہے۔ وہ اس مقصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیئے سرگرم عمل ہے۔ تمام عرب سیاستدان عرب یونین کے مسئلہ پر متفق ہیں عرب یونین ۳۰ لاکھ مربع میل علاقہ میں بسنے والے عربوں کو آزادی اور یکجا کرنے کی متمنی ہے۔ وہ چھ کروڑ عربوں کو مراکش سے عراق اور شام سے سوڈان وزنجبار تک آزاد دیکھنا چاہتی ہے۔

مصر - یہ ملک دُنیا کی قدیم ترین تہذیب و تمدن کا نمائندہ ہے دنیا

میں جتنی تہذیبیں۔ تمدن اور حکومتیں برسرِ اقتدار آئیں۔ اُنکے مٹے ہوئے نشان جمع کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مصری تہذیب اِن سب سے پرانی تھی۔ اور نہ صرف پرانی تھی بلکہ وہ اتنی شاندار اور اتنی مہذب تھی کہ آج کی تہذیب بھی بعض باتوں میں اس سے ٹکّا نہیں کھا سکتی۔ آج کا سائنس اور علوم و فنون کا دفتر مصری علوم و فنون کے سامنے ناکارہ و ہیچ معلوم ہوتا ہے۔ یونان و ہندوستان کے فلسفیوں نے مصری فلسفیوں سے ہی درس لیا تھا۔

اہرام مصر جنکی ساخت سات ہزار سال پرانی ہے۔ اقلیدس و ہندسہ انجنیری اور سائنس کے مشترکہ کمال کا نمونہ ہے۔ مصریوں کا لاشوں کو حنوط کرنے میں بنا دینا۔ ان سب چیزوں کا جواب ابھی تک سائنس جدیدہ میں ناپید ہے۔

یہ قدیم ترین ملک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں عمرو بن العاص سے فتح کیا تھا۔ حضرت عمرو بن العاص نے اسلامی فتح کی یادگار فسطاط (مصر) میں قائم کی یہ ایک شاہی مسجد ہے جو اتنی بڑی ہے کہ لاہور کی شاہی مسجد کے برابر ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مدینہ منورہ میں مسلمان کی مسجدیں چھوٹی چھوٹی سی تھیں۔ یہ مسجد تیرہ سو سال سے برابر قائم اور مضبوط ہے۔

مصر کے اسلامی حکومت تلے آجانے کے بعد یہ ملک کسی نہ کسی رنگ میں اسلامی جھنڈے تلے ہی رہا ہے۔ عربوں کے دورِ حکومت کے انحطاط پر ترکوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ اور کئی صدیوں تک ترکی پرچم اس پر لہراتا رہا۔ ترکی حکومت کے کمزور و نحیف ہو جانے پر

سلطان ابن سعود والئی نجد و حجاز
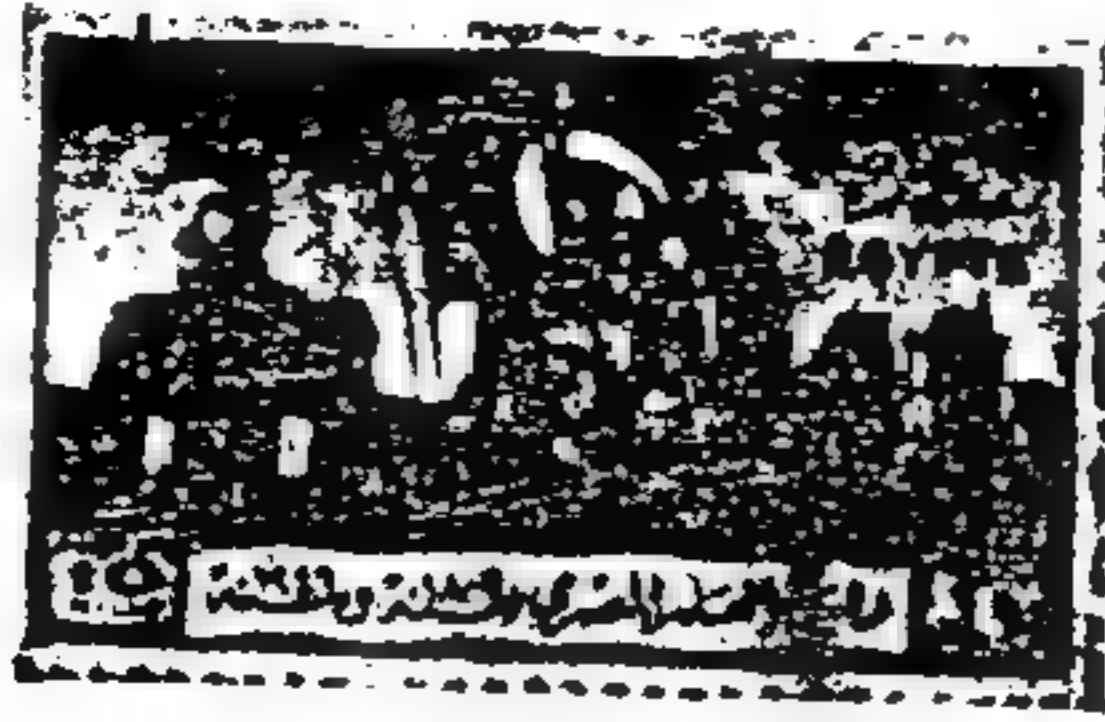
مصری حکومت کا ڈاک ٹکٹ

عرب کے چار مشہور سردار

سردار عبداللہ بادشاہ
شرق اردن

سلطان ابن سع
والئی نجد و ح

سردار سلیمان
بن حامد شیخ بحرین

سلطان مسقط و

انگریزوں نے اس پر اپنا قبضہ جمایا مگر نظام حکومت مصری ہی رہنے دیا۔ اور مصری بادشاہ کے ذریعہ ہی حکومت کرتے رہے۔ اب مصر کو کامل آزادی مل گئی ہے۔ گو بعض امور ابھی تصفیہ طلب ہیں۔ جن میں سوڈان کا مسئلہ بھی ہے۔

مصر کی کل آبادی ایک کروڑ ۶۰ لاکھ ہے۔ جس میں ایک کروڑ ۵۰ لاکھ مسلمان اور ۱۰ لاکھ عیسائی (قبطی) ہیں۔ یہ اقلیت بھی حکومتِ مصر کی کامل وفادار ہے۔ اور وہاں کبھی فرقہ دار جھگڑے یا فساد نہیں ہوئے دس لاکھ عیسائی قبطی زندگی کے ہر شعبہ میں کافی ترقی کر چکے ہیں۔

مصریوں کی فوجی تربیت کا انتظام چند برسوں سے شروع ہے۔ اس وقت تک ۵ لاکھ آدمیوں کو تربیت دی جا چکی ہے۔ ضرورت پر یہ تعداد دس لاکھ تک بڑھائی جا سکے گی۔

ہوائی جہازوں کی تعداد ۴۰۰ کے قریب ہے۔

۱۹۴۱ء کے میزانیہ سے معلوم ہوا ہے کہ آمدنی ۶۵ کروڑ روپے اور خرچ ۶۳½ کروڑ روپے تھا۔ لیکن ۱۹۴۷ء میں ان میں کافی اضافہ ہو چکا ہوگا۔

مصر میں اخبارات کافی تعداد میں چھپتے ہیں۔ الاہرام ایک روزنامہ ہے جس کی اشاعت ایک لاکھ ہے۔ یہ اخبار ۱۸۷۵ء سے جاری ہے۔ ایک اخبار المصری ہے۔ اس کی اشاعت ستر ہزار ہے اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ملک میں تعلیم اور لکھنے پڑھنے کے ساتھ سیاسیات میں کافی دلچسپی لی جاتی ہے۔

مسلمانانِ ہند کی ایک مجلس جالیہ ہندیہ قاہرہ دارالخلافہ مصر میں قائم ہے

ایک دوسری جماعت مختلف ممالک کے طلبہ کی قائم کی گئی ہے۔
جسکا نام الاخوۃ الاسلامیہ ہے۔ اس جماعت کے ہر جلسہ کے افتتاح
کے وقت علامہ اقبال کا ترانۂ ملّی ؎ مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا
عربی ترجمہ میں پڑھا جاتا ہے۔ اس جمعیت کا مقصد مذہبی تعصب کو
دور کرنا۔ دنیا بھر کے مسلمانوں میں اتحاد۔ اسلام کا دفاع سوچنا۔ عربی زبان
کو عالم اسلام کی مشترکہ زبان بنانے کی سعی کرنا ہے۔

مصر میں تعلیم کا بہت چرچا ہے۔ مصر کی ۵۰ فیصدی آبادی تعلیم
یافتہ ہے۔ جبکہ ہندوستان کی تعلیم یافتہ آبادی ۷ فیصدی سے زیادہ نہیں۔
مصری فرقہ بازی سے پاک۔ شیعہ، سنی جھگڑوں سے بیزار۔ لباس مغربی
انداز کا مگر سر پر ترکی ٹوپی پہنتے ہیں۔ مصفار پہنتے ہیں۔ بوٹوں پر روزانہ
پالش کے عادی۔ اور اکثر کو اپنا روزنامچہ لکھنے کی بھی عادت ہے۔ یہ
لوگ آپس میں سوائے مصری زبان کے اور کسی زبان میں بات چیت
نہ کرینگے۔ ہماری طرح سے نہیں کہ کبھی پنجابی میں کبھی اردو میں اور کبھی
انگریزی میں۔ بلکہ ہم تو مادری زبان بولتے وقت بھی درجنوں انگریزی کے
لفظ استعمال کرتے جاتے ہیں۔ یہ لعنت صرف ہندوستان میں ہے
مصری باوجود انگریزی قبضہ و اقتدار کے ماتحت برسوں بسر کرنے کے
اپنی زبان میں ہی بات چیت کرتے ہیں۔

مصری لوگ چھری کانٹے سے کھاتے ہیں۔ کیونکہ اُن کے خیال میں
یہ بھی صفائی کا ایک جزو ہے۔ مصر میں ہر شخص ایک دو اخبار اور چند مجلے
ضرور خریدتا ہے۔ مانگ کر اخبار و رسالہ پڑھنے کی ان لوگوں کو عادت
نہیں۔ اس ملک میں فقیر کوئی نہیں۔ گداگری جرم ہے۔

سینما بکثرت ہیں - ہر جگہ ٹکٹ ایک ہی ہے یعنی ۱۲/ر - اور اس میں آئس کریم اور چاٹ بھی ملتی ہے -

قہوہ خانوں میں صرف یورپین - یہودی یا قبطی عورتیں آتی ہیں مصری کوئی نہیں آتی -

مصر کی سب سے پرانی یونیورسٹی جامع ازہر ہے - اس کی بنیاد ۳۵۸ھ میں رکھی گئی تھی - اور اب اس یونیورسٹی کی ایک ہزار سالہ جوبلی منائی گئی ہے - ہر اس مصری کو جو اس یونیورسٹی میں تعلیم کے لئے داخل ہونا چاہے اُسکا حافظ قرآن ہونا لازمی ہے - لیکن دوسرے ممالک کے طلباء کو اس سے مستثنےٰ قرار دیا گیا ہے - مگر عربی زبان میں لکھنے پڑھنے اور بولنے کی قابلیت کا ہونا لازمی ہے - یہ یونیورسٹی قدیم اسلامی علوم و فلسفہ کی دُنیا بھر میں سب سے بڑی یونیورسٹی ہے اور دُنیا کے ہر حصہ سے بڑے بڑے پروفیسر اور عالم اس میں تحصیل علوم کے لئے آتے ہیں - اور اسکا درجہ یورپ کی بڑی سے بڑی یونیورسٹیوں سے بھی زیادہ ہے - اس میں چودہ سو استاد اور پندرہ ہزار طالب علم تعلیم حاصل کرتے ہیں - اوقاف سے اسکو سالانہ آمدنی نصف کروڑ ملتی ہے خرچ قریباً ۵۲ لاکھ روپے سالانہ ہے - اس کی عمارات ۱۰ سال میں بنکر تیار ہوئی ہیں - جس پر کروڑوں روپے صرف ہوئے ہیں -

جامعہ مصریہ - یہ مصر کی دوسری یونیورسٹی ہے - جس میں جدید علوم کی تعلیم دی جاتی ہے - اس یونیورسٹی کے ماتحت ۹ کالج اور ۱۲ زبانوں کی تعلیم کا انتظام ہے - ان بارہ زبانوں میں اردو بھی داخل کی جاچکی ہے - مصری یونیورسٹی میں قانون - سائنس - طب - انجنیرنگ - زراعت

تجارت وغیرہ جملہ اصنافِ علم کے علیحدہ علیحدہ کالج قائم ہیں۔ ان میں درس و تدریس کا ایسا انتظام ہے جیسا یورپ کی کسی بہترین یونیورسٹی میں ہو سکتا ہے۔ مصری یونیورسٹی کی ترقی کی رفتار ملاحظہ ہو۔

سنہ ۱۹۳۵ء میں اس کا بجٹ صرف ۱۵ ہزار پونڈ سالانہ تھا۔ اور طلباء کی تعداد صرف ۱۰۷ تھی۔ سنہ ۱۹۳۶ء میں طلباء کی تعداد چھ ہزار اور سالانہ بجٹ ۸½ لاکھ پونڈ تھا۔ جس سے اس کی ترقی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

مصر کے موجودہ حکمراں کا نام۔ جلالت الملک ہز مجسٹی شاہ فاروق ہے۔ آپ پہلے آزاد مصری بادشاہ ہیں۔ آپ البانیہ کے ایک خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ۱۱ر فروری سنہ ۱۹۲۰ء کو پیدا ہوئے۔ سات سال کی عمر میں نماز شروع کی۔ انگلستان میں تکمیل تعلیم کی۔ وہاں بھی تلاوت قرآن مجید اور نماز باقاعدہ ادا کرتے رہے۔ شراب اور دیگر حرام چیزوں سے بچتے رہے۔ ۱۸ سال کی عمر میں آپ کو اُنکی والدہ انگلستان سے واپس لے آئیں۔ ۲۹ر جون سنہ ۱۹۳۷ء کو آپ تخت نشین ہوئے۔ ۲۰ر جنوری سنہ ۳۸ء کو آپکی شادی شہزادی فریدہ سے ہوئی۔ آپ کی دو لڑکیاں ہیں۔ آپ کو تیراکی۔ موٹر چلانے۔ فوٹو گرافی۔ سکے اور ٹکٹ جمع کرنے یا شکار کا شوق ہے۔ آپ پابندِ صوم و صلوٰۃ سلطان ہیں۔ آپ نے اتوار کی جگہ جمعہ کی چھٹی مقرر کی اور سرکاری تقریبوں پر شراب کے استعمال کی ممانعت کر دی۔

مصر دنیا کے جدا سرے پر ہے۔ ایشیا اور یورپ کے سنگم پر ہے بلکہ افریقہ ایشیا اور یورپ کے اتصال پر واقع ہے۔ دنیا بھر کے قافلے اور

سیّاح اسی راستے سے گذرتے ہیں۔ جن سے مصری استفادہ کرتے ہیں۔ اس سے ان کی تجارت کو بے حد فائدہ پہنچا اور ان کی ذہانت میں کافی لچک پیدا ہو گئی ہے۔

مصر کی آزادی کے ساتھ نہر سویز بھی ایک دن مصر کو دیدی جائیگی۔ نہر سویز ۹۰ میل لمبی ہے۔ جس میں سے سال بھر میں ۳½ کروڑ ٹن کے جہاز گذرتے ہیں۔ کسی بھی سلطنت کا کوئی جہاز نہر سویز کمپنی کے پائلٹ کی راہنمائی کے بغیر یہاں سے گذر نہیں سکتا۔ وہاں مصنوعی طریقہ سے ایسی روشنی کی جاتی ہے کہ دن معلوم ہونے لگتا ہے۔ اگر کسی ملک کا کوئی جہاز نہر سویز میں خشکی پر چڑھ جائے تو بارہ گھنٹے کے اندر اندر اگر وہ تیرا نہ لیا جائے تو اُسے ڈائنامیٹ سے اُڑا دیا جاتا ہے۔ نہر سویز سے جہاز صرف ۹ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گذرتے ہیں۔

معاہدے کے مطابق نہر سویز ۲۲ سال کے بعد مصر کی ملکیت ہو جائیگی جو مصر کے لیے لاکھوں پونڈ سالانہ منافع لائیگی۔

ٹریپولی

مصر کے آگے شمالی افریقیہ میں بحیرۂ روم کے ساحل کے ساتھ ساتھ اسلامی ملکوں کی زنجیر چلی جاتی ہے۔ مصر، ٹریپولی۔ ٹیونس، الجزائر اور مراکش۔ یہ سب ایک قطار میں ہیں۔ ان تمام ممالک کی زبان عربی اور تمدن عربی ہے۔ اونٹ اسکا خاص جانور ہے۔

اونٹ صحرا کا جہاز ہے۔ صحرا مثل ایک ایسے سمندر کے ہوتا ہے جو ریگ کے ذرّوں سے مرکب ہو۔ اس صحرا میں صرف اونٹ ہی ایک ایسا جانور ہے جو بخوبی کام دیتا ہے۔ عربی زبان میں اونٹ اور تلوار کیلئے ایک ہزار الفاظ ہیں۔ جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ عرب ممالک میں اونٹ اور تلوار کو کتنی اہمیت حاصل ہے۔ عربی میں اونٹ کو "دلھن کا جہیز"۔ "خوں بہا کی قیمت"، "تبادلہ کا سکہ"، "شیخ کی دولت"، "ہمراہی"، "صحرا کا جہاز" کہتے ہیں۔ اسکا دودھ پیتے۔ گوشت کھاتے۔ اسکی کھال اور بالوں سے کپڑے اور خیمے بناتے اور اُس کی مینگنیوں کو جلاتے ہیں۔ عرب اپنے بچوں کی جان کی جگہ اونٹ کی جان بچانے کی سعی کرتے ہیں۔

عربوں کی چند خصوصیات ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں ہمارا خون پاکیزہ ہے ہماری زبان بہترین ہے۔ ہماری تلوار کی کاٹ بے مثال ہے۔ ہمارا

خاندان شجاعت کے لئے مشہور ہے اور ہمارا گھوڑا تیز رفتار اور وفادار ہے۔

اونٹ کے بعد عربوں میں گھوڑا بہت مقبول ہے۔ عربی گھوڑے کی زیرکی اور وفاداری دُنیا بھر میں مسلّم ہے۔ اونٹ اور گھوڑے عراق حجاز و نجد سے لیکر مصر و مراکش تک سب جگہ ضرورت کی سب سے اہم ترین چیز ہیں

مصر سے اگلا ملک ٹریپولی ہے۔ شمالی افریقیہ میں یہ حصہ بہت ہی پس ماندہ ہے۔ کسی زمانہ میں یہ ترکی کا ایک صوبہ تھا۔ جنگِ بلقان کے بعد یورپ کی ملی بھگت کے ساتھ اٹلی نے اس ملک پر چڑھائی کر دی۔ اور ترکی فوجوں کو مصر میں سے انگریزوں نے گزرنے نہ دیا۔ اس وجہ سے ترک یہاں کوئی کمک نہ پہنچا سکے۔ پھر بھی دو تین سال جنگ کا سلسلہ جاری رہا۔ بالآخر اٹلی نے اُسے اپنا ایک صوبہ بنا لیا۔

اٹلی نے ٹریپولی پر ۱۹۱۱ء میں قبضہ جمایا۔

ٹریپولی کو طرابلس الغرب بھی کہتے ہیں۔ اور سیاسی و ادبی لٹریچر میں اس ملک کا یہی نام ہے۔ ۱۹۱۱ء میں اس ملک کے اندرونی حصے میں سلیمان البیرونی ایک عرب سردار حقیقی حاکم تھا۔ اٹلی نے صرف ساحل تک ہی قبضہ جمایا تھا۔

مسولینی نے ۱۹۱۱ء میں بخوبی قبضہ پا لینے کے بعد مارشل گریزانی کو ٹریپولی کا گورنر مقرر کیا۔ مارشل گریزانی کو عرب "جلاد" کے نام سے پکارتے ہیں۔

مارشل گریزانی نے دس سال کے اندر اندر اندرونی علاقہ کے تمام قبیلوں کو تہہ تیغ کر دیا۔ اس نے دہشت ناک مظالم کیئے۔ یہاں تک

کہ صحرا کے اندر جہاں کہیں پانی پینے کے کنوئیں تھے انہیں سیمنٹ سے بھروا دیا۔ طرابلس الغرب کی ۸ لاکھ بھیڑوں میں سے ایک لاکھ رہ گئیں ۷۵ ہزار اونٹوں میں ۲½ ہزار زندہ بچے۔ اور آبادی میں سے اڑھائی لاکھ آدمی موت کے گھاٹ اُتار دیئے گئے۔

ٹریپولی جس کو لیبیا یا طرابلس الغرب کہتے ہیں۔ اسکی آبادی صرف دس لاکھ ہے۔

مارشل گریزانی کے ظلم وستم کے دور کے بعد مارشل بلبو نے اسکی جگہ لی۔ مارشل بلبو نئی پالیسی کے ساتھ آیا تھا۔ اس نے عفو ورحم کو اپنا دستور العمل بنایا۔

اس نے کاشتکاری کو ترقی دی۔ بندرگاہوں کو آباد کیا۔ اس نے ایک ہزار میل لمبی نئی سڑکیں تعمیر کیں۔ اور مصر اور ٹیونس دونوں دائیں بائیں کے ممالک تک یہ سڑک فوجی اور تجارتی اغراض کے لیئے بڑی مفید ثابت ہوئی ہے۔

۱۹۳۸ء میں ۱۸۰۰ اٹلی کے خاندان وہاں بطور آبادکار آگئے اور ساحل کے قریب انہیں زراعت کے لیئے زمینیں دی گئیں۔ انہیں مکان کھیت۔ اور بیج دیئے گئے۔ ان کے لیئے سکول اور سینما بنائے گئے۔ ان ۱۸۰۰ خاندانوں نے تین لاکھ ایکڑ زمین آباد کی۔ اٹلی کا مقصد یہ تھا کہ آہستہ آہستہ شمالی افریقہ کی اس تمام علاقے میں اٹلی کے باشندوں کے لیئے ایک شاندار کالونی بنا دے۔ اور اٹلی کی بڑھتی ہوئی آبادی سے دس بیس لاکھ آدمی وہاں جا کر آباد ہو جائیں۔ مگر خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ مارشل بلبو نے نرمی اور رحمدلی سے عربوں کے دلوں میں کچھ جگہ بنائی

ہی تھی کہ اٹلی نے یورپ کی ایک اسلامی ریاست البانیہ پر حملہ کر دیا۔ اس سے عرب پھر برافروختہ ہو گئے۔ کسی نامعلوم طریقہ سے مارشل بلبو کو مروا دیا گیا۔ اور مارشل گریزانی نے پھر اس کی جگہ لے لی۔

دوسری جنگ عظیم میں ٹریپولی جنگ کا مرکز بنا رہا۔ یہیں سے اٹلی کی فوجیں مصر پر بڑھتی رہیں۔ اور بالآخر شکست کھا کر تباہ و برباد ہو گئیں۔ اب یہ علاقہ اتحادیوں کے قبضہ میں ہے۔ اور اسکی قسمت کا فیصلہ نہیں ہوا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اتحادیوں نے مقامی عربی سرداروں اور شیوخ سے وعدہ کیا تھا کہ اُن کا ملک آزاد کر دیا جائیگا۔ اور حکومت ان کے سپرد کر دی جائیگی۔ طرابلس الغرب کا پرانا رہنما اور لیڈر سید ادریس السنوسی پھر واپس آگیا ہے۔ عربوں نے اس کا پرتپاک خیر مقدم کیا ہے۔

دیکھئے طرابلس الغرب یا ٹریپولی کی قسمت کا کیا فیصلہ ہوتا ہے کسی عرب سردار کی زیر قیادت کسی یورپین ملک کو حکمران بنایا جاتا ہے یا بین الاقوامی حکومت قائم کی جاتی ہے۔ مصر بھی اس حصہ کا حقدار ہے۔ مگر یورپین سیاست آج تک مفت میں کوئی علاقہ ہاتھ سے چھوڑنے پر تیار نہیں ہے۔ آج کل اور ان دنوں جب کہ انگریزی فوجیں مصر خالی کر رہی ہیں۔ انہیں بحیرہ روم میں مضبوط مورچوں کی تلاش ہے۔ فلسطین اور ٹریپولی دونوں اس مقصد کے لیئے موزوں ہیں۔

اس وقت ساحل پر اتحادی فوجوں کا اور اندرونِ ملک میں سنوسی قبیلہ کے سرداروں کی حکومت ہے۔

ٹیونس

ٹریپولی یا طرابلس الغرب کے آگے ٹیونس کا علاقہ ہے۔ یہ فرانس کے

ماتحت ہے۔ اس ملک کی آبادی ۲۶ لاکھ ہے۔ جس میں ڈیڑھ لاکھ یورپ[illegible]
پچاس ہزار یہودی اور ۲۳ لاکھ ۲۵ ہزار مسلم ہیں۔ ٹیونس کا رقبہ ایک لاکھ [illegible]
مربع میل ہے۔

دارالسلطنت کا نام ٹیونس ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں قیروان
مہدیہ۔ بنزات اور سوسہ مشہور ہیں۔

یہاں کا حکمران بے کہلاتا ہے۔ یہ قدیم ترکی خاندان سے ہے اور
مثل ہندوستانی نوابوں کے جو برطانوی ریذیڈنٹ کے ماتحت ہونے میں
حکمرانی کے فرائض انجام دیتا ہے۔ جس کی امداد کے لیئے ایک مجلس
وزراء مقرر ہے۔ اہم وزارتیں مثل حربیہ و بحریہ و وزیر خارجہ وغیرہ
فرانسیسیوں کے پاس ہیں۔ گیارہ وزارتوں میں سے صرف ۴
عربوں کے پاس ہیں۔

شمالی افریقہ میں سب سے زیادہ زیتون کا تیل ٹیونس سے ملتا ہے
زیتون کے لاکھوں درخت یہاں پلے جاتے ہیں۔

ٹیونس میں زمانہ قدیم کی ایک مسجد پائی جاتی ہے جو ۷۳۶ء میں
تعمیر ہوئی تھی۔ اسکا نام جامع الزیتونہ ہے۔

الجیریا

شمالی افریقہ میں تیسری حکومت ہے۔ اس کی آبادی ۵۶۵ لاکھ ہے
جس میں ۵۵ لاکھ کے قریب مسلمان عرب ہیں۔

شمالی افریقہ کی اسلامی ریاستوں کے متعلق عربی زبان میں ایک
ضرب المثل مشہور ہے۔

"ٹیونس عورت ہے۔ الجریا مرد اور مراکو شیر ببر ہے"
ٹیونس پر فرانسیسی تسلط زیادہ مضبوط ہے وہاں کے لوگوں کو عرب عورت کہتے ہیں۔ الجریا پر تسلط قدرے کمزور ہے۔ وہاں کے لوگ مرد سمجھے جاتے ہیں۔ مراکو کے لوگ زیادہ آزاد اور باختیار ہیں۔ انہیں شیر ببر سمجھا جاتا ہے۔

الجریا کا دوسرا نام بربر ہے بربر ایک قوم ہے جو عربی مسلمان ہیں۔ الجریا اور مراکش میں بربر زبان اور عربی زبان دونوں بولی جاتی ہیں۔ عربی گویا مہذب زبان اور بربر جنگلی زبان ہے۔

الجریا میں نمک بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ ایک ندی ایسی بہتی ہے جس میں نمک بکثرت پایا جاتا ہے۔

اس ملک کی بھیڑیں بہت مشہور ہیں۔ جن سے اونی پارچات تیار ہوتے ہیں۔ نارنگی۔ لیموں بھی اس جگہ کے بہت مشہور ہیں۔ زیتون کا تیل بھی بکثرت ملتا ہے۔

ٹیونس سے مراکش تک ریلوے کا سلسلہ جاتا ہے۔ یہ ایک ہزار دو سو میل لمبا ہے۔

الجریا دارالخلافہ کا نام ہے۔ ۲ لاکھ ۰۰ ہزار کا شہر ہے۔ اران اور کانسٹائن دو اور بڑے شہر ہیں۔ جن کی آبادی ایک ایک لاکھ ہے۔ بزارٹ مشہور بندرگاہ ہے۔

مراکش

مسلمانوں نے اس علاقے کو موسیٰ بن نصیر کی زیر سرکردگی فتح

کہا تھا۔ اس وقت اس تمام علاقے کو بربر کہتے تھے۔ یہیں سے طارق نے سنہ ۷۱۱ء میں سپین میں فوجیں اُتاریں تھیں اور ۱۹ جولائی سنہ ۷۱۱ء سپین پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا تھا۔

عربوں اور یورپینوں کی اس جنگ میں مراکش ہی اسلامی فوجوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔

سنہ ۶۶۶ء میں عقبہ بن نافع صحرائے افریقہ میں بڑھتا ہوا نخلستان کا ورنگ جا پہنچا تھا۔ اس طرح سے اسلام شمالی افریقہ کے ساحلی علاقوں کے علاوہ دور دور تک اندرونِ ملک میں پھیل گیا تھا۔

سرزمینِ مراکش جسکو مسلمان مغربِ اقصےٰ یا المغرب کہتے تھے بہت مشہور اور عزیز ہے۔

آج کل مراکش کے تین حصے ہیں۔

فرانسیسی مراکش۔ سپینی مراکش اور تنجیر کا بین الاقوامی خطہ۔

فرانسیسی مراکش ڈیڑھ لاکھ مربع میل میں ہے۔ جس کی آبادی ۶۲ لاکھ ہے۔ جس میں سے ۶۰ لاکھ عربی مسلمان ہیں۔

سپینی مراکش تیرہ ہزار مربع میل ہے۔ جس کی آبادی ۸ لاکھ ۶۰ ہزار ہے۔ اس میں ۸ لاکھ عرب مسلمان ہیں۔

دارالخلافہ کا نام رباط ہے۔ باقی مشہور شہر مراکش، فاس فیض اور مرکیش ہیں۔ کاسابلانکا تین لاکھ کی آبادی کا بہت بڑا شہر ہے۔ طنجہ میں سلطان مراکو رہتے ہیں۔ جو امیر المومنین کہلاتے ہیں۔

تنجیر ایک بین الاقوامی بندرگاہ ہے۔ جس پر امریکن فرانسیسی۔ انگریز جرمنی، روسی، اور سپینی حکام مل کر حکومت کرتے ہیں۔ یہ یورپین ممالک میں

سب سے بڑا شیطان شہر مشہور ہے۔ بدمعاشوں۔ اور بین الاقوامی شیطانی کا مرکز سمجھا جاتا ہے۔ سلطان برائے نام حکومت کرتے ہیں۔ تمام نظام حکومت فرانسیسی ہے۔ اور ہر محکمہ پر فرانسیسی افسر مقرر ہیں۔ ملازمتوں میں ۹۵ فیصدی فرانسیسی پائے جاتے ہیں۔

جنگِ عظیم کے درمیان جب فرانس کو شکست فاش ہوئی اور جرمنوں نے فرانس پر قبضہ کرلیا تھا۔ تو اس وقت امید قائم کی جانے لگی تھی۔ کہ اب شمالی افریقہ کے دبے ہوئے عربوں کو بھی آزادی کا سانس لینا نصیب ہوگا۔ مراکش سے لیکر ٹیونس اور الجزیا تک تمام علاقے آزاد ہوجائینگے۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ بلکہ تمام بھاگے ہوئے فرانسیسی وزیر اور سپاہی شمالی افریقہ کے ان علاقوں میں آگئے۔ اور وہاں انہوں نے اپنی گرفت مضبوط کرلی۔

دُنیا جہان کا نظام بدل گیا ہے اور بدل رہا ہے۔ مگر نہیں بدلتا تو شمالی افریقہ میں فرانسیسی نظام نہیں بدلتا۔ وہاں بدستور ظلم و ستم کی حکومت ہے۔ مراکش کے آزادی پسند عرب جب کبھی اُٹھتے ہیں اور اور فرانسیسی جوا اُتارنے کی سعی کرتے ہیں۔ تو بڑی خونریزی ہوتی ہے اور ہزاروں عرب مارے جاتے ہیں۔ بین الاقوامی کانفرنسیں ہر قوم کے لیئے آنسو بہانے پر تیار ہوجاتی ہیں۔ مگر شمالی افریقہ کے عربوں کی مظلومیت پر کسی کو ترس نہیں آتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب تک فرانس کی حکومت دُنیا میں باقی ہے۔ وہ عربوں کو آزادی کا سانس نہیں لینے دیگی۔ اب عرب لیگ کے قیام کے بعد دیکھئے شمالی افریقہ کی عربی سیاست پر کیا اثر پڑتا ہے؟ اس وقت مصر تمام عربی ممالک کی رہنمائی کررہا ہے

مصر سے ریڈیائی عربی پروگرام شمالی افریقہ کے ہر شہر میں سنا جاتا ہے مصری اخبارات و رسائل - براڈ کاسٹ تقریریں - گراموفون کے ریکارڈ الغرض ہر طرح سے عربوں میں بیداری اور زندگی پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہیں - مگر جب تک شمالی افریقہ میں عرب کوئی متفقہ اور آخری اقدام نہ کرینگے - جو بے حد منظم ہو وہ کبھی کامیاب نہ ہو سکینگے -

مراکو اپنے چمڑے کے لیئے بہت مشہور ہے - ترکی ٹوپیاں بھی یہاں بکثرت بنتی ہیں -

مراکو میں دھاتیں بکثرت ہیں - جن میں لوہا - کوبالٹ - زنک - لیڈ اور فاسفیٹ زیادہ مقدار میں ملتی ہیں - اور مٹی کے تیل کے چشمے بھی ہیں - یہاں یوکلپٹس کے درخت بہت زیادہ ہیں -

انگور - زیتون - مکی اور گندم پیدا ہوتی ہے -

عراق

بابل و نینوا کے تمدن کا وارث اور اسلامی دور تہذیب و تمدن کا اولین علمبردار عراق پہلی جنگ عظیم کے بعد برطانوی حکمبرداری کے تلے آکر نیم آزاد ہوا۔ اور بالآخر اُسے کامل آزادی دیدی گئی۔ (۱۹۳۲ء)

اس ملک کا رقبہ ڈیڑھ لاکھ مربع میل ہے ملک لمبائی میں دو ہزار میل اور چوڑائی میں صرف ۵۰۰ میل ہے۔

آبادی ۴۸ لاکھ ہے جس میں ڈیڑھ لاکھ عیسائی اور یہودی ہیں باقی تمام مسلمان ہیں۔

عراق کے شمال میں ترکی، مغرب میں نجد و حجاز، مشرق میں ایران اور جنوب میں نجد و خلیج فارس ہیں۔

ملک میں فوجی نظام اچھا ہے۔ ہر بالغ کے لیئے فوجی تربیت لازمی ہے۔ ایک لاکھ فوج ہر وقت تیار رہتی ہے جسے حسب ضرورت بڑھایا جا سکتا ہے۔

عراق کا نقشہ بالکل مثلث کی صورت رکھتا ہے۔ زمین کوہستانی اور سرسبز و شاداب ہے۔ تاریخ عالم کے دو مشہور دریا دجلہ و فرات (جن کا ذکر قدیم تاریخوں میں بار بار آتا ہے) سرزمین عراق کو شاداب کرتے

ہیں۔ اسی لیئے بعض لوگ اسے "سرزمین دجلہ و فرات" بھی کہتے ہیں۔ دجلہ و فرات کے مقام انصال کو شط العرب کہتے ہیں۔ یہاں بڑا جہاز سمندر سے داخل ہو کر چل سکتا ہے۔

ان دریاؤں کے علاوہ متعدد نہریں بھی اس ملک کو شاداب بناتی ہیں۔ خابور۔ دیالہ۔ اور الزاب تین اور دریا بھی مشہور ہیں۔

عراق کی آب و ہوا گرمی میں سخت گرم اور سردی میں سخت سرد ہوتی ہے۔

عراق کی پیداوار میں وہ تمام چیزیں موجود ہیں۔ جو کشمیر و افغانی پہاڑیوں میں پائی جاتی ہیں۔ انگور۔ آڑو۔ آلوچہ۔ آلو بخارا۔ انجیر۔ کشمش سیب۔ ناسپاتی۔ اخروٹ۔ کھجور۔ فندق وغیرہ

اناجوں میں گیہوں۔ چنا۔ مکی۔ ماش۔ مونگ۔ جو اور مسور پیدا ہوتے ہیں۔ عراق میں ہر سال ۵۰ لاکھ ٹن پیٹرول نکلتا ہے۔

کپاس اور چاول کی کاشت پر بھی اب کافی محنت کی جا رہی ہے شہد کی مکھی اور ریشم کے کیڑوں کی پرورش کا سلسلہ بھی جاری ہے

عراق کی حکومت کا انداز وہی ہے جو انگلستان میں ہے۔ بادشاہ کو وزیر اعظم مقرر کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ اور پھر وزیر اعظم اپنی وزارت مرتب کرتا ہے۔ سات وزیروں کی ایک مجلس بنجاتی ہے۔ جو وزیر اعظم کے ساتھ مل کر کام کرتے ہیں۔ وزیر کے لیئے ضروری ہے کہ وہ منتخب ہو کر پارلیمنٹ کا رکن بنا ہو۔ طرز حکومت جمہوری یا پارلیمنٹری ہے۔

بادشاہ کا نام شاہ فیصل ثانی ہے۔ اس کی عمر ۱۴ سال ہے اور اس کا حقیقی ماموں اس کا سرپرست و نگراں ہے۔ شاہ فیصل

سلطان ابن سعود اور مسٹر چرچل کی ملاقات

PILGRIMS TO MECCA

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے (اقبالؒ)

ثانی کی تعلیم و تربیت میں بڑی کاوش کی جارہی ہے۔
مشہور شہر یہ ہیں۔
موصل، اربیل، کرکوک، سلیمانیہ، بغداد، دیالہ۔ الکوٹ۔ عمارہ، بصرہ، الالیم، حلہ، کربلا، دیوانیہ اور ناصریہ وغیرہ
بغداد دارالخلافہ ہے۔ یہ زمانہ قدیم کا بغداد نہیں بلکہ اسے بغداد الجدید کہنا چاہیئے۔ دریائے دجلہ کے دونوں طرف آباد ہے اب نہایت خوبصورت پل تعمیر کر دیئے گئے ہیں۔ شہر میں بسیں موٹریں چلتی ہیں۔ ریس کورس۔ تھیٹر۔ ہوٹل اور سینما جو تہذیب جدید نے نشانات ہیں۔ چاروں طرف پائے جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ قدیم رسم و رواج کی کئی باتیں موجود ہیں۔ گویا دونوں تہذیبیں پہلو بہ پہلو چل رہی ہیں۔ بغداد سے دو میل کے فاصلہ پر امام اعظم حضرت ابو حنیفہ کا مقبرہ ہے جہاں ہر جمعہ کی نماز خصوصیت سے پڑھی جاتی ہے۔ جس میں مستورات بھی بکثرت شامل ہوتی ہیں۔
کاظمین میں امام موسیٰ کاظم ابن جعفر صادق علیہ السلام کا روضہ اقدس ہے۔ جمعہ کے روز یہاں زنجیری ماتم ہوتا ہے۔
بغداد کے مشرقی حصے اعاظمیہ میں شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا مزار ہے۔ یہ بارگاہ بے حد متبرک اور شاندار ہے۔
امام غزالی۔ شیخ معروف کرخی۔ حضرت جنید بغدادی۔ یوشیع علیہ السلام وغیرہ سینکڑوں بزرگوں کے مزار موجود ہیں۔
عراق میں کربلا، نجف اشرف و کوفہ بھی موجود ہیں۔ جنکا ذکر ہر مسلمان کی زبان پر موجود ہے۔ شہید اعظم حضرت امام حسین اور حضرت عباس

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مزار بھی وہاں موجود ہے۔ جہاں سُنّی و شیعہ زائرین برابر جاتے رہتے ہیں۔

عراق میں ریلوے سسٹم قابل تعریف ہے بصرہ سے بغداد بغداد سے موصل اور موصل سے ترکی تک ریلوے ہیں یہ آرام سفر کر سکتے ہیں۔

بغداد کرکوک۔ موصل اور بصرہ میں ہوائی اڈے ہیں۔

بصرہ مشہور بندرگاہ ہے۔ جو جہاز رانی کے قابل ہے۔ اور وہاں سے ہر قسم کا مال تجارت آتا جاتا رہتا ہے۔ بصرہ کے موتی اور کھجوریں مشہور ہیں۔ دنیا کی ۸۰ فیصدی کھجوریں یہاں ہی سے جاتی ہیں۔

حکومت کا بجٹ کافی شاندار ہے اور اُسے ۲۰ لاکھ پونڈ سالانہ صرف پٹرول کی رائلٹی ملتی ہے۔

بغداد میں ایک عالیشان یونیورسٹی ہے جہاں ہر قسم کی تعلیم کا انتظام ہے۔ ہر سال بیرون ملک یورپین یونیورسٹیوں میں حصول تعلیم کے لیئے طلبا کی ایک خاص تعداد بھیجی جاتی ہے۔ اور ملک میں تعلیم کا جال پھیلایا جا رہا ہے۔ الغرض عربی ممالک میں مصر کے بعد عراق ہی ہے جو بڑی سرعت سے ترقی کر رہا ہے۔ نجد و حجاز کی حکومت بڑی مستحکم اور ترقی پذیر ہے۔ لیکن اسکا بجٹ کئی سالوں سے خسارہ کا بجٹ ہے۔

سلطان نجد و حجاز کو حج سے ایک کروڑ ۸۰ لاکھ ریال آمدنی ہوتی ہے۔ ریال ہندوستانی روپے کے برابر ہے۔ جس میں سے بیس لاکھ ریال چنگی سے۔ اس کے علاوہ معمولی سی آمدنی کانوں اور بعض دیگر ذرائع سے ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ ایک بڑی سلطنت کے

چلانے اور حجاز کی حفاظت کیلئے ناکافی ہے۔
جنگ کے دوران میں اشیائے خورونوش کی قیمتوں کے بڑھ جانے اور حاجیوں کے کم تعداد میں جانے کی وجہ سے دو لاکھ پونڈ قرضہ حکومت حجاز پر ہو چکا تھا۔
ان حالات میں سعودی حکومت نے ۶۰ سال کے لیئے ۱۹۳۳ء میں تیل کی مراعات امریکہ کو دی ہیں۔ اور سلطان کی رائلٹی ۴ شلنگ فی ٹن مقرر ہے۔ اس وقت چھ لاکھ ٹن سالانہ تیل نکل رہا ہے۔ امید ہے کہ کچھ عرصہ بعد ۶۰ لاکھ ٹن تیل نکلنے لگیگا۔ اس آمدنی کے اضافہ کے باوجود سلطنت کا بجٹ خسارہ کا ہے ۱۹۴۱ء کے بجٹ میں ۱۱ لاکھ پونڈ خسارہ تھا۔ ۱۹۴۲ء میں ۳۰ لاکھ پونڈ خسارہ تھا۔ کیونکہ جنگ کی وجہ سے حالت مزید بگڑ گئی تھی۔ ان دنوں برطانیہ نے خوراک، کپڑا اور دیگر سامان سے امداد دی۔ اس وقت عربی حکومت پچاس ہزار ٹن اناج ہندوستان اور مصر سے منگواتی ہے۔ سعودی حکومت نے زراعت کی پیداوار بڑھانے کی کوشش شروع کر دی ہے۔ جس سے توقع ہے کہ دس سال کے بعد وہ اپنی ضرورت کا اناج خود پیدا کر سکیگا۔
سعودی حکومت بالکل ایک ترقی یافتہ حکومت کی طرح کام کر رہی ہے۔ اسلیئے اخراجات کا بڑھ جانا یقینی تھا۔ ادھر جنگ کی وجہ سے آمدنی میں خاص طور پر کمی ہو گئی۔
چند سکول کھولے گئے ہیں۔ طبی امداد اور ڈاکٹروں کا انتظام کیا گیا ہے۔ چند طلبا یورپین یونیورسٹیوں میں تعلیم کے لئے بھجوائے گئے ہیں۔ مختلف ممالک میں کونسل خانے کھولے گئے ہیں۔ حکومت کا کام مختلف وزراء میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔

شام ولبنان

پہلی جنگ عظیم کے خاتمہ پر اتحادی حکومتوں نے ترکی حکومت کے جو حصے بخرے کیئے تھے اُن میں شام ولبنان کا علاقہ فرانسیسی حکومت کے حصے میں آیا تھا۔
حکومت فرانس نے اس ملک کو ۵ مختلف حصوں میں تقسیم کردیا تھا۔ تاکہ ملک کے ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں اور اسکی وحدت پارہ پارہ ہوجائے۔ ان میں شام۔ لبنان جبل الاروز، حکومت العلویین اور اسکندرونہ تھے۔ اسکندرونہ کو بالآخر ترکی حکومت کو واپس کردیا گیا۔ کیونکہ وہاں ترکی رعایا کی کثرت تھی۔ نیز یہ بندرگاہ ترکی کے لیئے نہایت قیمتی اور مفید تھا۔ اور وہ اُسے واپس لینے پر مصر تھا اس لیئے فرانسیسیوں نے اُنھیں واپس دیدیا۔
باقی چار حصوں میں مسلسل بغاوتیں اور جھگڑے جاری رہے۔ کئی انقلاب آنے کے بعد بالآخر فرانس نے اپنی سیادت اٹھالی اور یہ ملک ایک آزاد و خود مختار حکومت قرار دیا گیا۔
اس ملک کا رقبہ سوا لاکھ مربع میل اور آبادی بیس لاکھ کے قریب ہے۔
اس ملک میں عربی نسل کے رہنے والوں کی کثرت ہے۔ عیسائی اور یہودی بھی اچھی تعداد میں ہیں۔ حکومت کا پایۂ تخت دمشق ہے۔ دیگر مشہور شہر حلب، حمص، حما اور انطاکیہ ہیں۔
حکومت ایک رئیس جمہوریہ کے سپرد ہے۔ جو پانچ سال کیلیئے

صدر منتخب ہوتا ہے اور دوبارہ صدر منتخب ہونے کے لیئے اُسے ۵ سال بطور ایک شہری کے بسر کرنے پڑتے ہیں۔ یہاں تعلیم کا بہت زیادہ چرچا ہے۔ سینکڑوں مدارس ہیں۔ اور تجارت میں بھی کافی دلچسپی لی جاتی ہے۔

شرقِ اردن

ترکی حکومت کا تختہ الٹنے میں عربوں نے انگریزوں کی جو مدد کی تھی اس کے صلہ میں عراق، شام، فلسطین، شرق اردن وغیرہ کی ریاستیں یورپین ڈپلومیسی کی طفیل بن گئیں۔ ان میں سے حال ہی میں شام کو فرانسیسی جوئے سے آزاد کیا گیا ہے۔

شرقِ اردن فلسطین سے ملحقہ عربی ریاست ہے جو لبنان سے بحیرۂ سرخ تک پھیلی ہوئی ہے۔

شرقِ اردن کی آبادی صرف ساڑھے چار لاکھ ہے۔ جس سے آپ اس ریاست کی قوت اور آزادی کا مفہوم سمجھ سکتے ہیں۔ دارالخلافہ عمان ہے۔ لوگ خانہ بدوش اور قبیلوں میں منقسم ہیں۔ عام پیشہ کاشتکاری ہے۔

۱۹۱۶ء میں امیر فیصل نے ٹی۔ اے۔ لارنس کی معیت میں ترکوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر کے شرقِ اردن پر قبضہ کر لیا۔ اور یہ حصۂ ملک عربوں اور برطانوی فوجوں کی سرگرمیوں کا مرکز بنا رہا۔

۱۹۲۱ء میں انگریزوں نے امیر عبداللہ کی قیادت میں یہاں ایک عربی ریاست قائم کر دی کیونکہ لوگ شخصی حکومت کے دلدادہ تھے۔ اس حکومت کو قائم ہوئے ۲۵ سال ہو چکے ہیں۔ اور اس عرصہ میں عربی حکومت

اور برطانیہ کا گٹھ بندھن قابل تعریف رہا ہے۔ یہاں تک کہ دونوں کو ایک دوسرے پر بڑا اعتماد ہے۔ شرقِ اردن ہی ایک ایسا ملک ہے۔ جہاں برطانوی اور عربی آزادانہ زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ یورپ سے سیر و سیاحت کیلئے یورپین اس عربی خطہ میں آزادی سے آنے جانے لگے ہیں۔ جنگِ یورپ کے دوران میں امیر عبداللہ کی فوجیں غیر متزلزل طور پر برطانیہ کی حمایت میں جنگ آزما رہی ہیں۔ مصر میں خالمین کے مقام پر پورا ایک بریگیڈ شرقِ اردن کی فوج کا جنگ میں شامل رہا۔ جب بغداد میں جرمنوں کے حق میں ایک حکومت قائم ہو گئی تو شرقِ اردن کی فوجیں انگریزوں کی معیت میں بغداد جا پہنچیں۔ اور جرمنی کے حامیوں کا قلع قمع کر دیا۔

سنہ ۳۶ء میں جب فلسطین میں عربوں نے یہودی قبضہ کے خلاف اعلان جنگ کر رکھا تھا۔ تو شرقِ اردن کے عربوں کو فلسطین کے ہمسایہ عربوں سے پوری ہمدردی تھی۔ اس کے باوجود امیر عبداللہ والئی شرقِ اردن نے اپنے ملک کو اس بلڑ میں شریک نہیں ہونے دیا۔ اور اس قسم کی دیگر خدمات کے مدنظر جنکا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ ۲۵ مئی سنہ ۴۶ء کو ۱۰۱ توپوں کی سلامی سے امیر عبداللہ عبدالحسینی ہاشمی کو شرقِ اردن کی آزاد حکومت کا بادشاہ قرار دیا گیا ہے۔ مسجد کے میناروں سے موذن نے اسکا اعلان کیا گیا۔ اور تمام مساجد میں خوشیاں منائی گئیں۔ بادشاہ کا نام کنگ عبداللہ ہوگا۔ جنہیں ان کے محل میں ایک "سونے کا قرآن" پیش کیا گیا۔ عرب لیجن (فوج) نے پریڈ کی اور رات کو دعوتِ طعام ہوئی۔ اتوار کے دن بھی شرقِ اردن کے طول و عرض میں آزادی کی خوشیاں منائی گئیں۔

انگریزی نامہ نگار نے "سونے کا قرآن" بھی خوب لکھا ہے واقعی

جس قوم کو سونے کے سکوں سے پیار ہو۔ اسے قرآن بھی سونے کا ملنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ تو کسی کام آبھی جائیگا اور عربی حروف کا قرآن تو صرف خدا کے احکام ہیں۔ جن پر عمل کرنا پڑیگا۔

یمن

عرب کی ایک آزاد سلطنت ہے۔ جو حجاز کے جنوب اور عدن کے شمال میں واقع ہے۔ ایک طرف بحرہ احمر سے ٹکراتی ہے۔

سنہ ۱۹۰۴ء سے اس کے تخت پر امام یحییٰ ابن محمد ابن حامد الدین بیٹھے ہیں۔ یمن کی آبادی ۳۰ لاکھ اور علاقہ ۵۰ ہزار مربع میل ہے۔

یمن سعودی عرب سے بہت چھوٹا ہے۔ لیکن مال و دولت اور آمدنی کے لحاظ سے بہتر ہے۔ یمن میں دنیا کا بہترین قہوہ پیدا ہوتا ہے جو بڑی قیمت پاتا اور متمول گھرانوں میں ذوق و شوق سے پیا جاتا ہے۔

سیف الاسلام امام یحییٰ بادشاہ بھی ہیں اور اسلام کے ایک فرقہ زیدی کے امام بھی ہیں۔ امام یحییٰ کا شجرۂ نسب حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک پہنچتا ہے۔ یمن پر مغربی اثر و تمدن کے ہلکے سے اثرات بھی نہیں پائے جاتے اور سعودی عرب کی طرح یہ ملک بھی کٹر اسلامی رسم و رواج کا نمونہ ہے۔

امام یحییٰ سلطنت کے امور خود سنبھالے ہوئے ہیں، امام یحییٰ کے دو فرزند بھی اب ان کا ہاتھ بٹانے لگے ہیں۔ ولی عہد کا نام سیف الاسلام احمد ہے۔ دوسرے لڑکے کا نام سیف الاسلام حسین ہے۔ آخر الذکر

کئی بار یورپ کا سفر کر چکا ہے - اور مغربی تمدن کی خوبیوں سے آگاہ ہے۔
وزارتِ خارجہ کے عہدے پر ایک ترک افسر مقرر ہے -
فوج کی تعداد بیس ہزار کے لگ بھگ ہے جو منظم اور تربیت یافتہ ہے۔ ضرورت پر اس میں ایک لاکھ تک اضافہ کیا جا سکتا ہے - امام یمن کا بڑا صاحبزادہ امیر احمد ولی عہد مقرر ہو چکا ہے -
مشہور شہر یہ ہیں - صنعا، حدیدہ، الزبدیہ، مخا وغیرہ

عرب کی نیم خود مختار ریاستیں

عرب ایک خالص اسلامی علاقہ ہے۔ جس میں صرف عرب قوم آباد ہے - یہ صحیح ہے کہ اب اسکے مختلف ٹکڑے ہو گئے ہیں اور جگہ بہ جگہ عربی ریاستیں قایم ہو گئی ہیں۔ جن میں سے بیشتر ترکوں سے آزاد ہونے کے بعد نمودار ہوئی ہیں - پہلی جنگِ عظیم تک سارے عرب پر ترکی حکومت کا پرچم لہرا رہا تھا - لیکن عربوں نے غداری کی اور انگریزوں سے مل کر ترکوں کی پشت پر حملہ کیا - جنگِ عظیم میں ترکی کو جرمنی کے ساتھ شکست ہوئی تو ترکوں نے عرب سے اپنی سیادت اٹھالی -
ترکی سیادت اُٹھنے کے بعد نجد و حجاز - عراق، شام اور شرقِ اردن آزاد حکومتیں بن گئیں - لیکن ان کے علاوہ بھی کئی حکومتیں ایسی ہیں جو نیم آزاد ہیں - اور ان پر برطانوی سیادت قایم ہے
انگریز ابتدا سے ہی کہتے آئے ہیں کہ وہ جزیرۃ العرب کے اندرونی معاملات

میں کبھی دخل نہ دینگے - لیکن یہ دخل اندازی اب برابر جاری ہے - طلب منفعت بڑی بلا ہے - اور صاحب غرض چھوٹے چھوٹے عرب سرداروں نے اپنے گلے میں غلامی کا طوق پہن رکھا ہے -

عرب یونین کا سب سے پہلا فرض جزیرۃ العرب کو برطانوی اثر و رسوخ سے آزاد کرانا ، ہونا چاہیئے -

فلسطین اور عدن کو برطانوی جوئے سے آزاد کرانے میں تو شاید دیر لگے - لیکن لحج - حضرموت - مسقط - کویت اور بحرین کو آزاد کرانا زیادہ مشکل نہیں - اس معاملہ میں مصر و حجاز کی حکومتوں کو پوری توجہ دینے کی ضرورت ہے اور یہ کام معمولی سی کوشش سے سر انجام پا سکتا ہے -

لحج - ریاست یمن اور عدن کے درمیان واقع ہے - یہاں شافعی مسلمانوں کی کثرت ہے - اس ریاست کی آبادی صرف ایک لاکھ ہے - فوج دو ہزار سے زیادہ نہیں - حکمراں کا نام سلطان عبدالکریم ہے - لحج کے پایۂ تخت کا نام حوطہ ہے -

پہلی جنگ عظیم میں ۱۹۱۵ء کا واقعہ ہے کہ سعید پاشا ترکی سپہ سالار متعینہ یمن نے اس علاقہ پر حملہ کر دیا - جو انگریزوں کے زیر اثر تھا - عربوں کی ۸ ہزار فوج نے ترکی دستوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا مگر شکست کھائی اور ترکوں نے حوطہ پر بھی قبضہ کر لیا - اور سلطان فرار ہو کر انگریزی علاقہ میں پناہ گزین ہوا - جب جنگ ختم ہو گئی اور ترکوں نے عرب سے اپنی سیادت اٹھالی تو ترکی فوج وہاں سے رخصت ہو گئی اور انگریزوں نے پھر اپنے مددگار عربوں کو وہاں کا حکمراں بنا دیا -

حضرموت - یہ بھی یمن کے مشرق میں ایک چھوٹی سی ریاست ہے -

کسی زمانہ میں یہ بھی یمن سے ملحق تھی۔ اس کی آبادی دو لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔ اس چھوٹی سی ریاست کے پھر دو ٹکڑے ہیں۔ ایک ساحلی دوسرا داخلی۔ ایک کے دارالخلافہ کا نام مکلا اور دوسرے کا نام سیبون ہے۔

حضرموت میں حمیر قوم کے قدیم ترین آثار قدیمہ کے نشانات کافی ملتے ہیں۔ جس سے ایک قدیم تمدن پر روشنی پڑتی ہے۔

حکمراں کا نام عمر بن عوض ہے۔ حکومت کے پاس دو ہزار فوج ہے جسے حسب ضرورت بڑھایا جا سکتا ہے۔ عمر بن عوض ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست حیدر آباد دکن کے حربیہ کالج کے تعلیم یافتہ اور حیدر آباد کی عربی دستہ فوج میں جمعدار بھی ہیں۔ مگر ۱۹۳۳ء میں آپ کو حضرموت کی گدی پر بٹھایا گیا۔

۱۸۸۸ء میں سلطان عوض موجودہ حکمران کے والد نے عدن کے حکمراں (انگریزوں) سے ایک معاہدہ کیا اور ان کی سیادت قبول کر لی۔ سالانہ آمدنی چھ سات لاکھ روپے سے زیادہ نہیں۔

مسقط۔ یہ بھی ایک عربی ریاست ہے۔ جو انگریزوں کے زیر اثر ہے۔ ۱۹۱۳ء میں اس ریاست نے انگریزوں کی سیادت قبول کر لی۔ یہ سیادت اس لیئے قبول کی جاتی ہے کہ چھوٹی سی ریاست انگریزوں کی سیادت میں آنے پر علیحدہ زندہ رہے اور بڑی عرب ریاستیں اسے اپنے قبضہ میں نہ لے آئیں۔ اور ساتھ ہی انگریزوں سے ایک سالانہ رقم بطور امداد ملتی رہے۔ ۱۹۱۳ء میں جب سلطان مسقط نے انگریزوں کا حلقۂ غلامی اپنے گلے میں ڈالا تو ریاست کے باشندوں نے حکمراں کے خلاف بغاوت کر دی تھی۔

مسقط کی آبادی ۵ ۱ لاکھ ہے۔ ملک زراعتی ہے۔ یہاں کی کھجوریں دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ کئی قسم کی دھاتیں بھی کانوں سے نکلتی ہیں۔ یہاں کئی غیر ملکی حکومتوں کے کونسل خانے بھی ہیں۔ مسقط میں بغاوت کے نتیجہ پر عمان ایک علیحدہ ریاست بن گئی تھی۔ اور ابھی تک علیحدہ ہی ہے۔ یہاں شرعی حکومت نافذ ہے۔

کویت۔ یہ جزیرۃ العرب کا انتہائی حصہ ہے۔ جو خلیج فارس کے بالمقابل واقع ہے۔ یہ بھی انگریزوں کے زیر اثر ہے۔ کویت نجد و عراق کے درمیان حدِ فاصل کا کام دیتا ہے۔ کویت اپنی موتیوں کی تجارت کے لیئے مشہور ہے۔ آبادی ڈیڑھ لاکھ کے قریب ہے جس میں چند ہزار ایرانی اور کئی ہزار زنجبار کے باشندے ہیں۔ ۱۹۱۳ئ میں عربوں کے باہمی جھگڑے میں انگریزوں نے دخل دے کر اسے اپنی سیادت میں لے لیا۔

بحرین۔ چند جزیروں کا مجموعہ ہے۔ جو خلیج فارس میں ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔ منامہ، ممترق، رفاع، الحد، البدیع۔ ان جزیروں کی آبادی دو لاکھ ہے۔ آبادی عربوں کی ہے۔

منامہ بحرین کا دارالحکومت ہے۔ اس کی آبادی نصف لاکھ کے قریب ہے۔

یہ جزیرے بھی انگریزوں کے قبضہ میں ہیں۔ اور وہاں انگریزوں کا پورا پورا عمل دخل ہے۔

عرب لیگ کا سب سے مقدم فرض ہے کہ وہ جزیرۃ العرب کے جنوب میں جتنی بھی عرب ریاستیں ہیں۔ ان کی آزادی کی کوشش کرے۔ ان ریاستوں

پر عراق - حجاز اور یمن کی سیادت ہونی چاہیئے - اور ان کے حکمرانوں کو انگریزی سیادت سے نجات دلانی چاہیئے - ورنہ غیر ملکی اثر و رسوخ کے وہاں پختہ ہوتے جانے کے نتائج بعد میں بہت خراب نکلینگے -

مشرقی افریقہ میں اسلام

مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے مومن کا مقام ہر کہیں ہے

مسٹر ولیم ہیچنز اپنی تحقیقات کے دوران میں لکھتے ہیں کہ اسلام کے تاثرات مشرقی افریقہ سے زیادہ اور بہت کم ممالک نے قبول کئے ہونگے۔ آنحضرت کی وفات کے کچھ عرصہ بعد ہی اسلامی تمدن اور اسلامی فتوحات کا سلسلہ مشرقی افریقہ میں شروع ہوگیا تھا۔

طلوع اسلام سے قبل ہی عرب اور ایرانی تاجر اپنی بڑی بڑی بحری کشتیوں میں زنج (زنجبار) کے مقام پر جاکر تجارت کرتے تھے۔ ان دنوں افریقہ کا سونا، ہاتھی دانت، خوشبودار گوندیں، کچھوے کی ڈھالیں، عنبر اور حبشی غلام تجارت کی خاص اشیاء تھیں۔

اسلام میں ہجرت کے زمانہ ہی سے مشرقی افریقہ سے مسلمانوں کا تعلق قائم ہوگیا تھا اسکے بعد مسلمان تاجر عمان۔ عدن اور ایران سے کثیر تعداد میں زنجبار جانے آنے لگے انہوں نے سمالی لینڈ، حبشہ اور مشرقی افریقہ کے متعدد بندرگاہوں میں اپنی مستقل تجارتی کوٹھیاں قائم کرلیں۔ جو کچھ عرصہ بعد باقاعدہ قبضہ کی صورت اختیار کر گئیں۔ انکی سرگرمیوں کی زیادہ مرکز علاقاجات لامو، پیٹ، ممباسہ، مالنڈا اور کلوا سیتھ۔ سوفالہ اپنے سونے کی کانوں کیوجہ سے جاذب نظر تھا مسلمانوں نے مشرقی افریقہ کے باشندوں کیساتھ خلط ملط میں اتنا غلو کیا تھا کہ وہاں ایک نئی پود یا نسل ظہور پذیر ہوگئی جو عربوں ایرانیوں

اور افریقی عورتوں کی شادیوں کا نتیجہ تھی۔ اس نسل کو سواحلی کہتے ہیں۔ اور آج انکی تعداد پچاس لاکھ سے کم نہ ہوگی۔ سواحلی تعلیم یافتہ، مہذب، خوش شکل اور بڑے زیرک ہیں۔ انکے اپنے اخبار اور اپنی زبان ہے۔ یہ زبان دنیا کی ۱۲ بڑی زبانوں میں سے ایک سمجھی جاتی ہے۔

عربوں نے مشرقی افریقہ میں اپنی نوآبادی قائم کرکے انہیں باقاعدہ کالونی کی شکل دی۔ اور وہاں ایک ایسی حکومت قائم کی جو بالکل جمہوری طرز کی تھی۔ یعنی ہر قبیلہ اپنے نمائندے انتخاب کرتا تھا۔ اور یہ تمام نمائندے ایک پارلیمینٹ میں جمع ہوکر تمام امور کا کثرت رائے سے فیصلہ کرتے تھے۔ اس فیصلہ کی آخری منظوری عرب والی (حاکم) دیتا تھا۔ جو بحیثیت گورنر کام کرتا تھا۔ انگریزوں نے اس طرزِ حکومت کی بے حد تعریف کی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنا نظام نامہ کی بنیاد بھی اسی طرز پر رکھی تھی۔

اسلام سومالی لینڈ، کینیا کالونی، ٹانگانیکا، ابی سینا، یوگنڈا، نیاسالینڈ اور اندرون افریقہ تک پھیل گیا۔ اسلام کو تقویت پہنچنے کے کئی اسباب تھے۔ ان میں سے دو بہت اہم ہیں۔ حجاج کے مظالم سے تنگ آکر جناب سلیمان اور سعید ابن عبید بھاگ کر افریقہ جا پہنچے۔ اور وہاں کے عربوں کی عنانِ حکومت سنبھالی۔ اسی طرح سے گیارہویں صدی عیسوی کے شروع میں ایران کا ایک بادشاہ حسن شیرازی نامی معہ اپنے چھ بیٹوں کے بھاگ کر افریقہ جا پہنچا۔ اس نے بھی ایک حصہ میں اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالی اور اسکے چھ بیٹے مختلف سمتوں میں جاکر اسلامی حکومتوں کے قیام کا باعث بنے۔

عمان سے سلیمان نامی ایک سردار نے مشرقی افریقہ کے بعض حصوں میں اسلامی حکومت قائم کی۔ مشرقی افریقہ کی اسلامی حکومتوں پر دو تین بار المناک مصائب نازل ہو چکے ہیں۔ ان میں سے ایک تو پرتگالی عمل دخل تھا۔

سب سے اول پرتگیزوں نے اپنی جدید قوت کیساتھ مشرقی افریقہ پر قبضہ جمانے کیلئے

ہلہ بول دیا۔ اسلامی حکومتوں اتنی منظم نہ تھیں اسلیئے وہ بری طرح پامال ہو گئیں۔ پرتگیزوں نے اپنا رعب و اقتدار قائم کرنیکے لیئے ایسے ہولناک مظالم کیئے جن پر تاریخ بھی لرزاں ہے دوسری مصیبت جرمن حملوں کے درمیان نازل ہوئی۔ جرمنوں نے بھی جو مظالم کیئے وہ پرتگیزوں سے بھی زیادہ تھے۔ مسلمانوں نے دو تین سو سال تک یہ مظالم برداشت کیئے۔ جن سے اُنکو بہت ضعف پہنچا۔ لیکن بالآخر پرتگالی اور جرمن وہاں سے نکال دیئے گئے۔ جنکے بعد انگریزوں نے مشرقی افریقہ کو اپنا آماجگاہ بنایا۔

مشرقی افریقہ کے بیشتر حصہ پر انگلستان کی فوجیں قابض ہیں۔ سوڈان کینیا کالونی وغیرہ تمام برطانیہ کے قبضہ میں ہیں۔ سومالی لینڈ کا ایک علاقہ اور حبشہ اٹلی کے قبضہ میں تھے جو اب اتحادیوں کے قبضہ میں آگئے ہیں۔ حبشہ آزاد کر دیا گیا ہے اور مصر سوڈان کا طالب ہے لیکن اُمید نہیں کہ انگلستان سوڈان اتنی جلد مصر کے حوالے کردے اسکے لیئے مصر کی کامل آزادی کے بعد کوئی دوسرا موقعہ آئیگا۔

برطانوی قبضہ کے دوران میں مسلمانوں کو اُن مظالم سے دوچار نہیں ہونا پڑا جو پرتگیزوں اور جرمنوں کے عہد میں دیکھنے میں آئے تھے۔ امن و امان کی زندگی کیساتھ تعلیم و تمدن میں ترقی کی بہت سی راہیں کھل گئی ہیں اور مسلمانوں نے اب مشرقی افریقہ میں ایک ایسی حیثیت حاصل کرلی ہے۔ جو کبھی نہ کبھی دن کافی طاقت حاصل کریگی۔

مشرقی افریقہ وغیرہ میں جو مسلمان سردار حکمران ہیں ان میں سلطان زنجبار بہت مشہور ہیں۔ افریقہ کے دور افتادہ حصوں میں اسلام کی سادہ تعلیم اپنا اثر پھیلا رہی ہے۔ قرآن کی تعلیم ہر مسلمان کیلیئے لازمی ہے۔ قاہرہ سے لیکر وسط افریقہ تک یا تو عربی بولی جاتی ہے یا سواحلی۔ یہ سواحلی بھی عربی ہی کی بیٹی ہے جو اپنی جگہ بہت اہمیت حاصل کر چکی ہے۔

زنجبار۔ مشرقی افریقہ میں اس وقت بھی ایک اسلامی ریاست ہے سلطان

زنجبار کا نام ہز ہائی نس سید سر خلیفہ ماروب بن طوعلیعی ۔ جی ۔ بی ۔ ای ۔ کے ۔ سی ایم ۔ جی ہے ۔ آپ عمان میں پیدا ہوئے تھے ۔ سلطان یورپین ممالک کا سفر کر چکے ہیں ۔ اور لندن میں آپکا شایانِ شان استقبال کیا گیا تھا ۔ پہلی جنگِ عظیم میں سلطان نے ۲۰ ہزار پونڈ ریڈ کراس کیلئے جمع کئے تھے ۔ اور ۲۵ لاکھ پونڈ سلطنت برطانیہ کو جنگی امداد میں دیئے تھے ۔ جس سے آپ زنجبار ریاست کی مالی خوشحالی کا اندازہ کر سکتے ہیں ۔ سلطان زنجبار سادہ باخلاق ، صوم و صلوٰۃ کے پابند اور متشرع انسان ہیں ۔ اپنا زیادہ وقت امورِ سلطنت میں صرف فرماتے ہیں ۔

زنجبار ہی وہ علاقہ ہے جو دنیا بھر میں لونگ کی تجارت کیلئے مخصوص ہے زنجبار کو "لونگ کی دنیا" کہتے ہیں ۔ اس کے علاوہ ناریل ۔ ہاتھی دانت اور دوسری بہت سی اشیاء وہاں بکثرت پائی جاتی ہیں ۔

زنجبار کی تجارت ہندوستان اور صوبہ بمبئی سے بکثرت ہے سورت اور بمبئی کے بندرگاہوں سے ۔ ایران ۔ عمان اور بصرہ سے بھی زنجبار کی تجارت ہے ۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستانی تاجر مشرقی افریقہ کے مسلمانوں سے میل جول بڑھائیں اور اُن سے تجارتی تعلقات پیدا کرنے کی کوشش کریں ۔ بیرونی دنیا میں یہ ملک پاکستان سے قریب تر ہے ۔ پاکستانی تاجروں کا ایک گروہ زنجبار اور مشرقی افریقہ سے تجارتی تعلقات پیدا کرنے کے لیئے وہاں کا سفر کرے تاکہ دونوں جگہ کے مسلمانوں کو فائدہ پہنچے ۔

کمال اتاترک
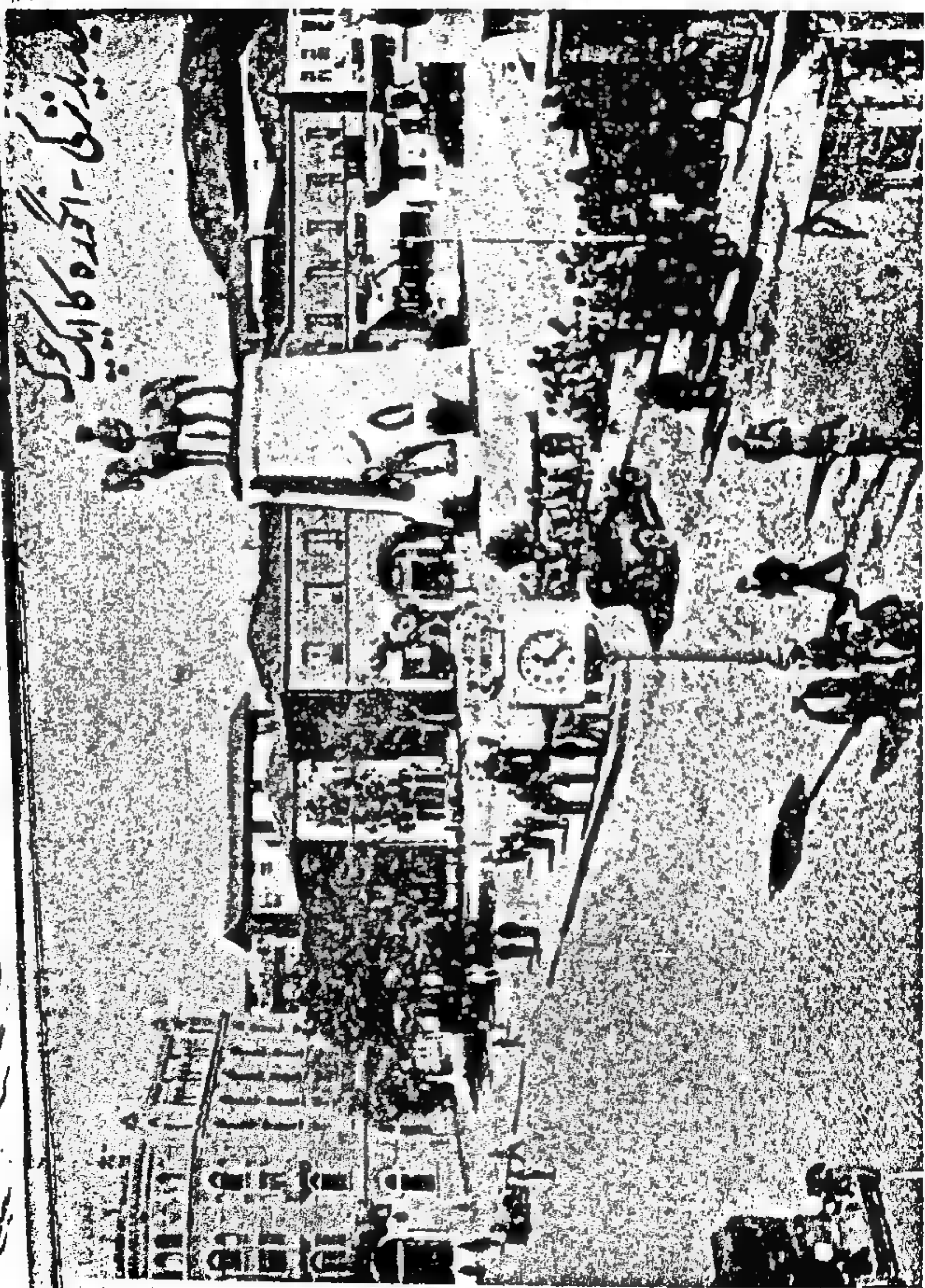
تُرک

ترک۔ ترکستان کے باشندے اور آریہ نسل سے ہیں۔ انہوں نے ہندوستان۔ افغانستان۔ ایران اور ترکی کو اپنی ابتدائی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ لیکن بالآخر ایشیائے کوچک میں ارطغرل نامی ایک سردار نے ترکی حکومت کی بنیاد ڈالی۔

ترک جفاکش۔ دلیر اور بڑے جنگجو ہیں۔ جنگ و جدل کو بچوں کا کھیل سمجھتے ہیں۔ مشکلات اور مصائب میں کبھی نہیں گھبراتے۔ اُن کی مدافعانہ قوت دنیا بھر میں سب سے زیادہ تسلیم کی جاتی ہے۔ ان کی مہمان نوازی اور خوش معاملگی بھی لازوال شہرت حاصل کر چکی ہے۔

جس طرح سے عربوں کے عروج کی داستان آج بھی دشمنوں سے خراجِ تحسین حاصل کرتی ہے۔ اسی طرح سے ترکوں کے عروج کی تاریخ بھی لاثانی اور بے مثال ہے۔ اسلام میں عربوں، مغلوں اور ترکوں کا علیحدہ علیحدہ عروج۔ اسلامی عروج و استقلال کے تین لازوال شاہکار ہیں۔ اور ان میں سے کسی ایک کے مقابلہ میں بھی کوئی داستانِ اقبال پیش نہیں کی جا سکتی۔

ارطغرل نے جس سلطنت کی بنیاد انگورہ کی پہاڑیوں میں ڈالی تھی۔ اُسے صحیح معنوں میں طاقت اور وسعت دینے والا سلطان محمد تھا جس نے ۱۴۵۳

میں قسطنطنیہ کو فتح کیا۔ اُس زمانہ میں قسطنطنیہ ناقابلِ تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ اسکی حفاظت پر سلطنت بازنطینی اور تمام عیسائی حکومتیں جمع ہو چکی تھیں۔ اور یہیں سلطان محمدؒ نے ایک ایسا جنگی اقدام کیا تھا جس کی نظیر تاریخ عالم میں اور کہیں نہیں ملتی۔ یعنی سلطان نے باسفورس سے ترکی بیڑا خشکی پر لا کر اسے لکڑی کے تختوں پر سے گھسیٹ کر قسطنطنیہ کے سامنے سمندر میں لا ڈالا تھا۔ خشکی پر ۳۰ میل تک جہاز چلانے کا یہ نادر اور انوکھا جنگی کارنامہ سلطان محمدؒ کا ہے دُنیا کے مورخ اسکو

خشکی پر جہاز چلانے والا سلطان

کہتے ہیں۔ جو تاریخ عالم میں صرف ایک ہی مثال ہے۔

سلطان محمدؒ فاتح قسطنطنیہ نے ہی موجودہ سلطنتِ عثمانیہ کی بنیاد رکھی تھی۔

مورخ بیان کرتے ہیں کہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث منسوب ہے۔ جس میں آپؐ نے فرمایا تھا کہ قسطنطنیہ میرے ہاتھ پر فتح ہوگا۔

اس حدیث یا اعلان کی تشریح اُس زمانہ میں نہ ہو سکی۔ لیکن جب سلطان محمدؒ نے قسطنطنیہ فتح کیا تو معلوم ہوا کہ فاتح کا نام بھی محمدؒ ہے اور وہ امتِ محمدیؐ کا ایک سرگرم رکن ہے۔

اس طرح سے یہ حدیث صحیح ثابت ہوئی۔ اور حیرت یہ ہے کہ ساڑھے چار سو سال بعد جب یورپ کی اتحادی افواج نے قسطنطنیہ پر قبضہ کر کے سلطان کو نظر بند کر لیا۔ تو پھر اسکو دوبارہ فتح کرنے والا بھی مصطفےٰ کمال تھا۔ کمال تو محض آپ کے کمالات کی وجہ سے ہے۔ اصل نام مصطفےٰ تھا۔ جو حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا صفاتی نام ہے اس طرح سے قسطنطنیہ کی دوسری فتح

بھی آپ کے نام پر ہی ہوتی ہے۔

انگلستان کا مشہور مورخ ایکٹن لکھتا ہے کہ دُنیا کی جدید تاریخ ترکی فتوحات سے شروع ہوئی۔ اسکندر۔ اور عربوں کے عروج کے بعد یہ تیسرا دور ہے جو ترکوں سے شروع ہوا۔ ترکوں نے یونان، بلقان، جنوبی روس اور ہنگری تک قبضہ کر لیا تھا اور اسٹریا کے دار الخلافہ وائنا کا محاصرہ کر لیا۔ دوسری طرف ایران۔ عرب۔ مصر اور شمالی افریقہ پر قابض ہو گئے تھے۔ ترکوں کے عروج کی داستان کسی دوسری نامور قوم سے کسی صورت کم نہیں۔ بلکہ زیادہ ہی ہے۔ اس قوم کے کارنامے ایسے شجاعانہ مواقع سے لبریز ہیں جو دوسری تاریخوں میں کم پائے جاتے ہیں۔ اس قوم کے خون میں ہی حکمرانی کا مادہ ہے جہاں بھی کوئی ایک ترک ہو وہ مشکل سے مشکل کام سنبھال لیتا اور اسے کامیابی کی منزل تک لیجاتا ہے۔ دلیری اور شرافت اس قوم کے خمیر میں ہے۔

ہمارے زمانہ میں بھی ترکی کے کئی کارنامے بے مثال بہادری کے مظہر ہیں۔ گذشتہ جنگ یورپ میں ترک درۂ دانیال اور گیلی پولی پر جس جانفشانی اور سرفروشی سے لڑے ہیں۔ وہ معرکے بھی تاریخ عالم کی بڑی بڑی لڑائیوں میں کہانیوں اور داستانوں کی طرح بیان کئے جائینگے۔ متحدہ اتحادی بیڑا معہ لاتعداد فوجوں کے ترکوں پر پل پڑا تھا۔ اِن فوجوں میں اسٹریلین۔ نیوزی لینڈ سکھ۔ گورکھے۔ فرانسیسی اور انگریز تھے۔ اتحادیوں نے بہترین لڑاکے جوان اس غرض کے لیئے انتخاب کیئے تھے۔ اس کے باوجود مصطفےٰ کمال نے تین سال تک وہ شاندار مدافعت کی کہ آج اسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے سپاہی اپنے وطن میں ترکوں کی تصاویر اپنے کمرے میں لٹکاتے اور ان کی بہادری کے گیت گاتے ہیں۔ اور ان کے کارناموں پر عش عش کرتے ہیں۔

دوسرا معرکہ یونانی افواج کا انگورہ سے چالیس میل پر ہوا جس میں تین لاکھ یونانی
فوج جو بہترین اتحادی سامان سے لیس تھی۔ ۷۰ ہزار ترکی فوج سے نبرد آزما تھی۔ یہ
لڑائی ۱۴ دن رات ہوتی رہی اور بالآخر ترکی مدافعت سے تنگ آکر یونانی فوج
پسپا ہو گئی اور ترکوں نے وہ فتح حاصل کی جس پر موجودہ جمہوریت کی بنیاد رکھی گئی ہے
مورخ اس جنگ کو انسانوں کی نہیں جنوں کی جنگ بتلاتے ہیں، جس میں اتنی قلیل
فوج نے اتنی بڑی فوج پر کامیابی حاصل کی ہو۔

غازی مصطفےٰ کمال پاشا نے یونانیوں کو اپنے ملک سے باہر نکالنے اور
قسطنطنیہ کو اتحادیوں کے پنجہ سے رہائی دلوانے کے بعد ترکی میں ایک جدید
حکومت کی بنیاد ڈالی۔ جسے جمہوریہ ترکی کہتے ہیں۔ ترکی میں بادشاہت کا خاتمہ
ہوا۔ اور کئی ایسے سخت قانون بنائے گئے جس سے ترکوں کے ذہن و جسم
سے سستی۔ کاہلی۔ عیاشانہ زندگی، جہالت وغیرہ مختلف نقائص کو دور کرنے کی
کوشش مد نظر تھی مثلاً ڈھیلے ڈھالے لباس، لمبی لمبی شلواریں پہننے فرش پر بیٹھنے
والوں کو پتلون اور ہیٹ پہننے پر مجبور کیا گیا۔ گو یہ ہیٹ کپڑے کے اور اس
وضع کے ہیں کہ نماز میں رکاوٹ نہیں بنتے اور دھوپ سے بچاؤ رہتا ہے
ایسا ہی پتلونیں بھی ایسی ہیں جو رکوع و سجود میں رکاوٹ نہیں ڈالتیں۔ ترکی زبان
کو رومن حروف میں لکھا جانے لگا۔ تاکہ ٹائپ اور دیگر فوائد سے بہرہ اندوز
ہو سکیں۔ ایک سے زائد بیوی سے نکاح پر پابندی لگا دی گئی۔ اور ترکی علماء
نے اس مسئلہ میں اجتہاد سے کام لیتے ہوئے اسے ترکوں کے لئے مہلک
قرار دیا کیونکہ امراء اور رؤساء کا طبقہ دو چار شادیاں کر لینے سے ان گھریلو
دھندوں میں ایسا پھنس جاتا تھا کہ کاروبار اور قوم و وطن کی خدمت سے
جی چرانے لگتا تھا۔ نیز گھروں کے اندر ایسی خرابیاں اور معاشی نقائص رونما ہوتے

جس سے امن وسکون کو ضعف پہونچتا۔
بیویوں کے درمیان انصاف عنقا تھا۔ جس کے بغیر ایک سے زائد نکاح کرنے کی اجازت ہی نہیں۔ بہرحال یہ شرعی مسئلہ ہے اور اس پر علماء ہی غور فرماسکتے اور اجتہاد سے کام لے سکتے ہیں۔ ہمیں یہاں صرف واقعات کو پیش کرنا ہے۔ رائے زنی کرنا نہیں۔

ترکی میں دینی محکمہ علیحدہ کردیا گیا۔ اور دینی تعلیم کا سرکاری طور پر جداگانہ بندوبست ہوا۔ لیکن عام مدارس میں دینی تعلیم شامل نہیں کی گئی۔ دینی مدارس کی سرپرستی حکومت کرتی ہے۔ علماء کو سندیں دی جاتی ہیں۔ اور صرف سند یافتہ تعلیم یافتہ علماء ہی ترکی میں رہ سکتے ہیں۔ ہر شخص اپنے طور پر امامت یا علماء کا کام نہیں سنبھال سکتا۔ علماء کو جُبّہ اور دستار پہننے کی اجازت ہے۔ حکومتِ ترکی نے قرآن مجید کا ترکی زبان میں ترجمہ کرایا ہے اور اسے دیدہ زیب انداز میں چھاپا ہے اور یہ قرآن مجید لاکھوں کی تعداد میں طبع ہوکر برائے نام ہدیہ پر ترکوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ بظاہر تو ترکی حکومت دینی امور سے علیحدہ ہے لیکن ترکی حکومت کے حکم ہی سے دینی محکمہ بھی قائم ہے۔ اوقاف کا بھی باقاعدہ انتظام ہے۔ یہ سب کچھ ترکی حکومت کے ایما سے ہوتا ہے۔ اس لیے یہ کہنا کہ ترکی حکومت اسلامی حکومت نہیں صرف لفظی اُلٹ پھیر ہے۔

غازی مصطفےٰ کمال پاشا نے جمہوریت کی بنیاد رکھتے ہی مخالف عنصر کو جسے وہ "منافقین" کہنا چاہیئے۔ اور جن سے اُنہیں خطرہ تھا کہ وہ ملک میں فتنہ و فساد برپا کراتے رہینگے۔ جس سے مسلمان آپس میں سر پھٹول میں مصروف رہینگے۔ اُن کی قوتیں ایک دوسرے کی بیخ کنی میں صرف ہونگی۔ اس لیئے

حکومت ترکی نے اُن کی فہرستیں تیار کرکے تین چار سو آدمیوں کو گرفتار
کر لیا۔ اُنہیں نہ تو قید کیا نہ نظر بند بلکہ اُنہیں بتلایا کہ حکومت اُن کو دس
سال کیلئے ترکی سے باہر نکال رہی ہے۔ دس سال کے بعد وہ شوق سے
واپس آئیں اور اگر وہ دیکھیں کہ حکومت نے کچھ کام نہیں کیا تو وہ ایجی ٹیشن کریں
لیکن اس وقت چونکہ نیا انتظام ہے۔ اس لیئے حکومت اُن کی سرگرمیاں
گوارا نہیں کر سکتی۔

خدا کی قدرت ہے کہ دس سال میں ترکی نے اتنی زبردست ترقی کی
جب "منافقین" ترکی میں واپس آئے تو وہاں کی کایا پلٹ دیکھ کر حیران و ششدر
رہ گئے اور بیشتر نے حکومت سے تعاون کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

پہلی جنگِ یورپ میں جرمن اور ترکی دونوں شریک ہوئے تھے۔
کی جیسی تباہی ہوئی تھی اُس سے زیادہ ترکی کو نقصان پہنچا تھا۔ اسکے باوجود
ترکوں نے اس سرعت سے ترقی کی اور اتنی زبردست قوت پیدا کر لی
یورپ انگشت بدندان رہ گیا۔ علامہ اقبالؒ نے اپنے ایک شعر میں اس
طرف اشارہ کیا ہے ؎

ثباتِ زندگی ایمانِ محکم سے ہے دُنیا میں
کہ المانی سے بھی پائندہ تر نکلا ہے تورانی
(جرمن) (ترک)
(اقبالؒ)

صدر جمہوریہ ترکی

غازی عصمت انونو

نیو یارک کا ایک اخبار "دی سن ویک" لکھتا ہے کہ
صدر جمہوریہ ترکی یعنی سابق عصمت پاشا ۶۸ سال کی عمر کا ہے۔ قد کا
چھوٹا، آواز نرم اور خوش گفتار ہے۔
عصمت پاشا اکثر مواقع پر بہرہ ثابت ہوتا ہے اور وہ گفتگو کرنے والے
سے نہایت ادب سے کہہ دیتا ہے۔ کہ "افسوس ہے کہ اس نے کچھ نہیں
سُنا۔ ذرا اُسے پھر دُہرا دیا جائے" سوائے اس وقت کے جبکہ اس سے
موسم کے متعلق گفتگو کی جائے۔
بیان کیا جاتا ہے کہ جنگ ترکی اور یونان کے خاتمہ پر جب عصمت پاشا
نے لاسین میں لارڈ کرزن سے گفتگو کی تو لارڈ کرزن عصمت پاشا کی اس عادت
سے تنگ آکر اتنا اونچا بولنے لگے تھے کہ چیخنے پر شبہ ہوتا تھا۔
لارڈ کرزن مدد کے لئے چلاتا ہوا، سکرٹریٹ میں بھاگا بھاگا گیا جلدی
ڈاکٹر کو بلاؤ، اُسے وجع مفاصل کی تکلیف ہو گئی ہے!!
نہیں! اُسے کوئی تکلیف نہیں، ڈاکٹروں کا جواب ہوتا تھا، وہ صرف

"عصمت پاشا" نامی بیماری میں مبتلا ہے!! کیونکہ عصمت پاشا کی سیاسی چالوں سے وہ پریشان تھا۔

عصمت پاشا انقرہ کے ایک خوبصورت محل میں رہتا ہے، جہاں تمام کام بجلی کی مدد سے ہوتے ہیں، اور ہر کام میں جدت اور ترقی نمایاں ہے۔ وہ اپنے مہمانوں کو قہوہ کی پیالیاں پیش نہیں کرتا بلکہ لیمن ٹی (لیموں کی چائے) پلاتا ہے

عصمت پاشا کی جیسی سیدھی سادی شکل ہے، ویسے ہی زیادہ رنگین اور اس کے کارنامے ہیں، وہ ترکی کے ایشیائی ساحل کے بندرگاہ سمرنا میں پیدا ہوا تھا۔

وہ اپنی جوانی کے ایام میں مشہور ایرانی پہلوان "رستم" کے کارناموں سے متاثر تھا۔ مگر اس کا باپ جو ایک مجسٹریٹ تھا وہ چاہتا تھا کہ وہ عدالتی افسر بنایا جائے، لیکن بیٹے نے فوج کو پسند کیا اور ترکی سے تعلیم حاصل کرنیکے بعد اس نے جرمنی کے فوجی کالج میں تعلیم حاصل کی۔

جن نوجوانوں نے سلطان عبدالحمید کے خلاف ۱۹۰۸ء میں بغاوت کی تھی عصمت انونو ان میں ایک تھا۔ نوجوانوں کے برسر اقتدار آنے پر اُسے یمن میں بھیجا گیا، جہاں صحرا کی گرمی میں بھی اُسکا دماغ خوشگوار ہی رہا۔

جنگِ بلقان میں وہ ایک آرٹلری آفیسر کی حیثیت سے شامل ہوا اور سپاہی اُسے "ننھا جرنیل" کے نام سے پکارتے تھے۔ گو اُسکا قد چھوٹا، اُسکی آواز نرم اور اسکی نظر ترحم آمیز تھی، لیکن جلد ہی دشمن نے دیکھ لیا کہ اُسکی رسی کا پھندا گلا گھونٹنے میں سخت ہے۔

جنگ ختم ہو گئی اور ترکی حکومت نے اُسے بلگیریا کے ساتھ شرائط صلح طے کرنے کے لیے انتخاب کیا۔

جنگِ عظیم نے اُسے مصطفےٰ کمال پاشا کے حضور میں لا پیش کیا، جس کی اطاعت وفرمانبرداری اُسکا مشن تھا اور جسکی موت کے بعد وہ اس کی جگہ بیٹھا ہوا نظر آرہا ہے۔

مصطفےٰ کمال پاشا کے کیمپ میں جو جانباز سپاہی جمع تھے ان میں عصمت پاشا بھی تھا۔ مصطفےٰ کمال متحدہ اتحادی بیڑے کو شکست خوردہ ترکی کے ذریعہ سے تباہ کرنا چاہتا تھا اور اسنے وہ کارہائے نمایاں کر کے دکھائے جس کی تاریخ میں ہمیشہ یاد باقی رہے گی "درۂ دانیال کی جنگ مصطفےٰ کا اعجاز تھا۔

جب اتحادیوں سے ترکوں نے علیحدہ صلح کر لی اور اتحادی افواج نے قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیا تو تمام ترکی کے حصے بخرے کر لئے گئے تھے، برطانوی فرانسیسی، یونانی اور اطالوی حلقہ ہائے اثر بنا لئے گئے تھے، بلکہ امریکہ کو بھی ایک حصہ دیا جانا تجویز کیا جا رہا تھا۔

اتحادی سپاہی قسطنطنیہ کی گلیوں میں گھوم رہے تھے، غازی عصمت پاشا کسی جگہ چھپا ہوا تھا۔ کیونکہ اُسکا وجود دشمنانِ ملک و ملت میں شمار کر لیا گیا تھا۔

یکایک خبر ملی کہ غازی مصطفےٰ کمال پاشا اتحادی بیڑے کی زد سے پرے ایک نئی فوج بنا رہا ہے۔

ایک اندھی بھکارن کے بھیس میں جس نے چیتھڑے پہن رکھے تھے عصمت پاشا قسطنطنیہ سے نکل گیا۔ جب وہ کمال پاشا کے لشکر میں پہونچا تو اسکی آنکھیں روشن ہو گئیں اور اُس نے پھر جنرل کی وردی پہن لی۔

دونوں بہادروں نے "ناممکن" کو ممکن بنانے کی جدوجہد شروع کی اُس وقت جرمنی جیسی طاقتور اور متمدن حکومت نے اتحادی شرائط کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا تھا، ترکی جو دُنیا کی پسماندہ ترین قوم اور کمزور ترین طاقت سمجھی جاتی تھی۔ اتحادیوں کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی۔

جلدی ہی دنیا کمال پاشا کی فتوحات اور کامیابیوں کی خبریں سننے لگی۔ انونو کے مقام پر غازی عصمت پاشا نے یونانیوں کو ایک تباہ کن شکست دی اور اسی وجہ سے اُسے عصمت انونو کہا جاتا ہے۔

جبکہ جرمنی اور آسٹریا نے میدانِ جنگ میں شکست مان لی تھی تو یہ ترکی ہی تھا جس نے مزید تین سال تک جنگ کر کے فتح حاصل کر لی تھی۔

لاسین کانفرنس میں بعض ڈیلی گیٹوں نے عصمت سے ہاتھ ملانے سے انکار کر دیا تھا، یہ بھی ایک وقت تھا۔ بہرحال عصمت نے اتحادیوں سے ترکی کے حق میں بہترین شرائط حاصل کیں۔ ترکی کو ہٹنا نہیں کیا گیا تھا، ترکی کے اندر جس قدر امتیازی حقوق غیر قوموں نے حاصل کر رکھے تھے، وہ سب ترکوں نے یک قلم منسوخ کر دیئے، دو سو سال کے بعد انہیں صحیح معنوں میں آزادی ملی تھی۔ لاسین کانفرنس سے کامیاب آنے پر عصمت پاشا کو وزیر اعظم مقرر کیا گیا۔ جس پر وہ پورے ۱۵ سال برابر کام کرتے رہے۔

اس کے بعد ترکی کی تجدید کا کام شروع ہوا جس میں عصمت پاشا نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ دشمنوں نے ایک دفعہ اسے زہر دیدیا تھا جبکہ وہ ایک ریلوے ٹرین میں سفر کر رہا تھا۔ مگر ایک ڈاکٹر کا قریب ہی موجود رہنا اس کی زندگی کا باعث ثابت ہوا۔

ترکی کے ہمسایہ ممالک کے ساتھ تعلقات میں عصمت پاشا نے بڑی جدوجہد کی ہے۔ قرنوں اور صدیوں کی منافرت کو مٹا کر حکومتوں اور قوموں کو ایک دوسرے کا رفیق بنانا کیا معمولی بات ہے؟ جب عصمت پاشا ایتھنز دارالخلافہ یونان میں تشریف لے گئے تو ۷۰ ہزار یونانیوں نے آپکا ایسا استقبال کیا کہ یہ منظر یونان نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

عصمت پاشا جن عہدناموں پر دستخط کرتا ہے وہ محض "پرزہ کاغذ" کی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ ان پر پوری طرح عمل بھی کیا جاتا ہے۔

غازی عصمت انونو نے ہمیشہ معاہدات کی پابندی کی ہے۔ ترکی نے حالات وسیاسات عالم کے زیر اثر انگلستان اور فرانس سے ایک معاہدہ کر لیا تھا جس میں تینوں کو کسی ایک دشمن کے ساتھ مل کر دشمن کی مدافعت کرنی پڑتی تھی۔

جب جنگ یورپ شروع ہوئی تو ترکوں کو اتحادیوں کی طرف سے لڑنا پڑتا تھا۔ وہ اسکے لئے تیار تھے۔ مگر معاہدہ کی خلاف ورزی پر آمادہ نہ تھے۔ لیکن انگلستان اور فرانس نے یہ دیکھتے ہوئے کہ اگر ترکی ان کی طرف سے شامل ہو کر جنگ میں ہار گیا۔ تو اُس صورت میں دشمن (جرمنی) درّہ دانیال مصر اور عراق پر فوراً قبضہ کر کے ہندوستان کا راستہ بند کر دیگا۔ نیز ایران کے راستے سے نہ صرف روس کی امداد کا راستہ بند ہو جائیگا۔ بلکہ ہندوستان کی طرف بھی بڑھے گا۔ ان حالات کے تحت انگلستان نے ترکی کو آمادہ کیا کہ وہ جرمنی سے ایک ایسا معاہدہ کرے جس میں وہ غیر جانبدار رہنے کا وعدہ کرے۔ اتحادی سیاست کامیاب رہی اور جرمنی اتنی بات ہی سے خوش ہو گیا کہ ترک اتحادیوں کی طرف سے جنگ میں شامل نہ ہوں گے۔ اسی لیئے ہٹلر نے ایک خاص قاصد اور خط کے ذریعہ ترکی کو یقین دلایا۔ کہ اگر وہ غیر جانبدار رہے تو جرمنی کبھی اُس پر حملہ نہ کریگا۔

عصمت انونو نے اس حالت میں دونوں معاہدات کی پابندی کی اور ساتھ ہی ترکی افواج کو کیل کانٹے سے لیس کر کے مدافعت کے لیئے تیار رکھا۔ ترکی فوج کی تعداد زمانۂ امن میں تین لاکھ کے قریب ہوتی ہے۔ مگر ترکوں نے آج تک ▪ لاکھ فوج ہر طرح سے تیار رکھی ہے۔ اور اس کا

بارِ کثیر برداشت کیا ہے۔ ترکی کا یہ ایثار اتحادی امداد میں بے حد کامیاب رہا اور جرمنی نے بساطِ سیاست پر اسی جگہ اتحادیوں سے شکست کھائی۔ ورنہ ترکی کے جنگ میں شامل ہو جانے اور شکست پا جانے کے بعد جرمنی کا تمام دُنیا پر قبضہ ہو جاتا۔

حالاتِ حاضرہ میں صدر جمہوریہ ترکی نے امریکہ سے ایک معاہدہ کیا ہے جسکی رو سے ڈیڑھ دو ارب روپیہ ترکی کی فوجی قوت کو مضبوط بنانیکے لیئے امریکہ حکومت ترکی کو دیگا۔ اور اسکے ساتھ چند ماہرینِ فن بھی مستعار دیئے جائینگے۔ جنگی امداد سے جدید آلات کا استعمال فوجوں کو سکھایا جائیگا۔ اس روپیہ سے رسل و رسائل۔ بحری گودیوں اور ریلوں کو ترقی دی جائیگی تاکہ ترکی فوجوں کی نقل و حرکت میں آسانی ہو۔ یہ سب کچھ روس کی بڑھتی ہوئی حریصانہ چالوں کی روک تھام کے لیئے ہے۔

امریکہ اور انگلستان کی امداد و تعاون سے ترکی کی سرحدیں اور دَرّہ دانیال روس سے محفوظ رہیگا۔ اور انگلستان و امریکہ روس سے جنگ ہو جانے کی صورت میں ترکی کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنا سکیں گے۔

امریکن اور انگلستانی مدبروں نے ایک طاقتور اتحادی پیدا کر لیا ہے جبکہ روسی سیاست نے اپنے ہمسایہ میں ایک طاقتور دشمن پیدا کرنے میں شدید ٹھوکر کھائی ہے۔

ترکی اور ہندوستان

ہندوستان اور ترکی میں ایک تو اسلامی رشتہ ہے کہ دونوں بفضلِ خدا مسلمان ہیں۔ اور اب پاکستان کی حکومت قائم ہو جانے سے دونوں میں بہت گہرے روابط اور تعلقات قائم ہو جائینگے۔

دوسرا تعلق یہ ہے کہ ہندوستان میں ترکوں نے بھی حکومت کی ہے اور اُن کے بہادرانہ و شجاعانہ کارنامے تاریخ ہند کے اوراق پر ثبت ہیں۔

زمانہ قدیم میں یعنی ۹۴۴ھ میں دھلی کے بادشاہ نے پرتگالیوں کے حملوں سے تنگ آکر جو ساحل ہندوستان پر لوٹ و غارت گری مچاتے۔ ہندوستانی تاجروں کا مال لوٹ لیتے اور ہندوستانی بندرگاہوں کو تباہ کرتے تھے۔ ترکی حکومت سے امداد طلب کی تھی۔

یہ زمانہ وہ تھا جب ترکی تخت پر سلطان سلیمانِ اعظم بیٹھے تھے۔ ترکی بیڑا بڑا طاقتور تھا اور ہندوستانی بیڑے کا وجود اور عدم وجود برابر تھا۔ چنانچہ ہندوستانی سفیر نے جب بادشاہ دھلی کی طرف سے گذارش کی تو سلطان سلیمانِ اعظم نے فوری امداد کا وعدہ کیا۔ چنانچہ سلطان ترکی کے حکم سے والئی مصر سات جنگی جہاز جن پر بیس ہزار سپاہی اور بہت سی توپیں تھیں لیکر عازم ہند ہوا۔ یہ بیڑا بحیرۂ احمر سے نکل کر اول عدن پر قابض ہوا پھر ساحل گجرات (کاٹھیاواڑ) پر پہنچ

کر پرتگالی قزاقوں کے قلعے منہدم کر ڈالے یہاں تک کہ آخر میں پرتگیزوں کے مرکز دیپ کا محاصرہ کر لیا۔ پرتگیزوں کے قول و قرار اور نذر دینے پر ترکی بیڑا اپنا کام پورا کر کے واپس چلا گیا۔

یہ تو زمانہ قدیم کی بات ہے۔ اب پاکستان کے مستقبل کو شاندار بنانے کے لیئے ہمیں ترکی کے تعاون و رہنمائی کی ضرورت ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ترکی حکومت امریکہ یا برطانیہ کی طرح علم و طاقت سے مالا مال نہیں۔ لیکن مشرقی حکومتوں میں اس وقت وہی سب سے طاقتور اور ترقی کی طرف گامزن ہے۔ پاکستان سے ماہرین کا ایک وفد ترکی جانا چاہیئے۔ تاکہ مطالعہ کیا جاسکے۔ کہ ترکی نے اتنی قلیل مدت میں کس طرح سے ترقی کی منزلیں طے کی ہیں۔ کن کن پروگراموں پر اور کیسے عمل کیا۔ مالی مشکلات پر کیسے عبور حاصل کیا گیا۔ الغرض ترکی کے ہر شعبہ کا مطالعہ کرنا ہمارے لیئے یقیناً مفید ہوگا۔ اسکے علاوہ ہمیں ترکی سے تجارتی تعلقات بھی قائم کرنا ہیں۔ جس سے دونوں حکومتوں کو فائدہ رہیگا۔ ترکی سلطنت میں جو جو خوبیاں نظر آئیں انہیں اپنانا یقیناً پاکستانی حکومت کیلئے مفید ثابت ہوگا۔

ترکی کا محلِّ وقوع

ترکی جسے ایشیائے کوچک کہتے ہیں۔ بحیرۂ روم کے مشرقی سرے پر واقع ہے۔ اور اس لحاظ سے اسے بڑی اہمیت ہے کہ اسکی سرحدیں روس، بلغاریہ، یونان، ایران، عراق اور شام سے ملتی ہیں۔ آخری سمت بحیرۂ روم کے بہت بڑے ساحل کا مالک ہے۔ سرزمینِ یورپ پر ابھی تک ترکی کے پاس ایک مختصر سا علاقہ ہے۔ مگر اسے بے حد اہمیت حاصل ہے۔ اس علاقہ میں قسطنطنیہ جیسا شہر اور ایڈریا نوپل کا قلعہ ہے اسکے علاوہ درۂ دانیال بھی ہے جسکے فوجی قلعے اور بحری و بڑی اہمیت روس اور ترکی کے لیئے بمنزلۂ شاہرگ کے ہے۔

یورپ میں بلقان ہی سیاسی پیچیدگیوں کا مرکز اور دونوں عظیم جنگوں کا بنیادی ڈائنامیٹ ثابت ہوا ہے۔ سیاسیات بلقان میں ترکی کو بے حد اہمیت حاصل ہے کیونکہ ترکی نہ صرف بلقان میں سب سے بڑی طاقت ہے بلکہ اپنے جائے وقوع کی وجہ سے اُسے روس۔ امریکہ اور انگلستان میں قوت کا توازن قائم رکھنے کے لیئے بطور درمیانی قوت کے کام دینا پڑتا ہے اس کے علاوہ ترکی کی جنگی قوت بھی اس وقت دنیا میں پانچویں بڑی قوت شمار کی جاتی ہے۔

درۂ دانیال بحیرۂ اسود کو بحیرۂ روم سے ملاتا ہے۔ اسکے ایک سرے کا نام باسفورس اور دوسرے کا دانیال ہے۔ اس کے دونوں طرف ترکی سلطنت پھیلی ہوئی ہے اور اس آبنائے کے دونوں طرف بڑی اہمیت کے فوجی قلعے موجود ہیں۔ روس کو اگر بحیرۂ روم میں آنا ہو تو اسی راستہ سے گذرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح سے جو اجنبی قوتیں روسی علاقہ کو جانا چاہیں وہ بھی اسی راستہ سے گذرتی ہیں۔ بلغاریہ اور رومانیا بھی اسی راستہ سے اپنی تجارت درآمد و برآمد کیلئے مجبور ہیں۔

ترکی کے بیشتر حصوں میں سخت سردی پڑتی ہے۔ البتہ بحیرۂ روم کے ساحلی علاقوں کی آب و ہوا گرم تر ہے۔ بارش دس ۱۰ سے بیس ۲۰ انچ سالانہ کی اوسط سے ہوتی ہے۔

ترکی کی آبادی سنہ ۱۹۲۰ء میں ایک کروڑ ۳۶ لاکھ۔ سنہ ۱۹۳۵ء میں ایک کروڑ ۶۱ لاکھ۔ سنہ ۱۹۳۹ء میں ایک کروڑ ۷۸ لاکھ اور سنہ ۱۹۴۸ء میں دو کروڑ ہو گئی ہے۔ ترکی میں یہ بیشی یورپ کے مقابلہ میں حیرت انگیز ہے۔

ترکی کا رقبہ تین لاکھ مربع میل ہے۔

ترکی کا ساحل کافی کٹا پھٹا ہے اور اس میں اچھی بندرگاہیں موجود ہیں۔ جن میں سے ازمیر، سمرنا، اسکندرونہ، سامسن، سینوپ وغیرہ بہت مشہور ہیں۔

ترکی کا پرانا دارالخلافہ قسطنطنیہ ہے۔ جسکا نام اب استنبول رکھدیا گیا ہے۔ یہ شہر سات پہاڑیوں اور وادیوں پر قائم ہے۔ اس کی آبادی ۹ لاکھ ہے۔ لیکن اب اسے ازسرِ نو تعمیر کیا جارہا ہے۔ جس پر دو ارب روپے خرچ آئینگے۔

ترکی۔ استنبول (قسطنطنیہ) جو دنیا کا خوبصورت ترین شہر ہے
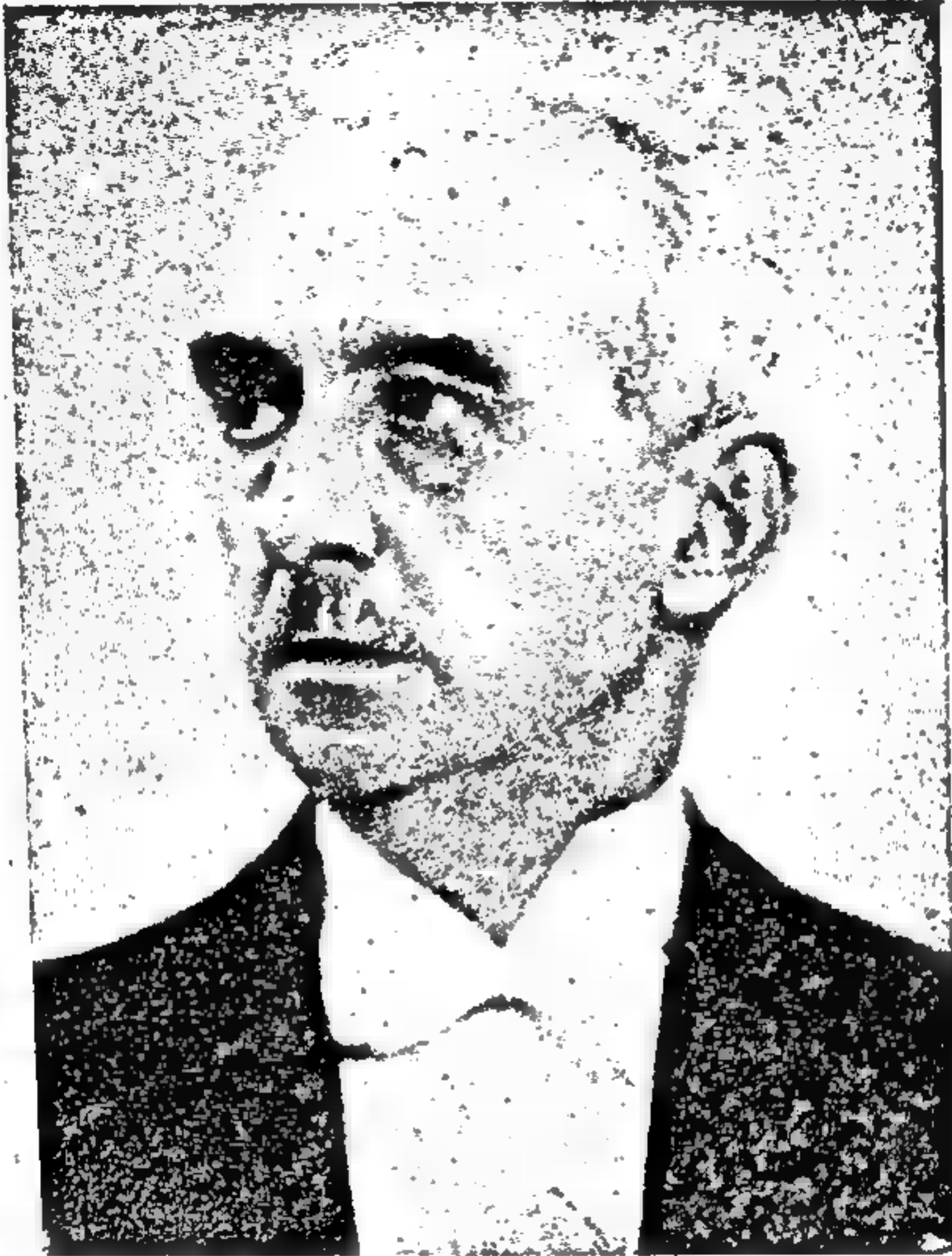
غازی عصمت انونو۔صدر جمہوریہ ترکی

محلے کے محلے گرا کر بڑے بڑے پارک اور ہوٹل وغیرہ تعمیر ہو رہے ہیں اور یہ تعمیرات کا تمام سلسلہ ۱۹۵۳ء سے قبل مکمل ہو جائیگا۔ کیونکہ اس سال ترک قسطنطنیہ پر پانچسو سالہ قبضہ کی یادگار منائینگے۔ ترکی کا یہ شہر دنیا بھر میں سب سے خوبصورت ہے۔

انگورہ ترکی کا دوسرا شہر ہے جو ایشیائے کوچک کے وسط میں آباد ہے۔ ترکوں نے اب اسکودار السلطنت قرار دیا ہے۔ اسکی آبادی صرف ڈیڑھ لاکھ ہے اور یہ تمام کا تمام نو تعمیر ہے۔ اس کے علاوہ سمرنا بہت بڑا شہر ہے جو بحیرہ روم کے کنارے تجارت کی بڑی منڈی ہے۔ اس کی آبادی دو لاکھ ہے۔ ادانہ۔ بروصہ۔ قونیہ وغیرہ ایک ایک لاکھ کی آبادی کے کئی شہر ہیں۔

استنبول کو ترقی دینے اور ۱۹۵۳ء تک اُسے اول درجہ کا شہر بنا دینے کی سکیم کا ہم ذکر چکے ہیں۔ اب معلوم ہوا ہے کہ استنبول میں زمین دوز ریلوے لائنوں کی تیاری بھی مدِ نظر ہے اور اس سلسلہ میں ماہرین کا ایک وفد لندن گیا ہوا ہے۔ جو اُسی انداز میں زمین دوز ریلوے لائنیں استنبول میں تیار کرنا چاہتا ہے۔

ترکی میں تعلیم

آج سے تیس ۳۰ چالیس ۴۰ سال قبل جب ترکی کمزور اور اغیار کے اثر و رسوخ تلے دبا ہوا تھا۔ اُس میں تعلیم کا کوئی قابلِ ذکر انتظام نہ تھا۔ غیر ملکی حکومتوں نے تعلیمی سلسلہ کے ذریعہ اپنے پاؤں خوب پھیلا رکھے تھے۔

اقلیتیں کافی تعداد میں تھیں اور اُن کی امداد پر غیر ملکی حکومتیں پوری طرح مائل تھیں۔ انہوں نے مدارس بھی کافی تعداد میں کھول رکھے تھے۔ چنانچہ ۱۹۱۳ء میں صرف ارمنی قوم کے ۸۵۳ سکول تھے۔ جن میں ۸۰ ہزار سے زائد طلبار تعلیم حاصل کرتے تھے۔

۱۹۱۹ء میں فرانسیسی سکولوں کی تعداد ۵۰۰ تھی جن میں ساٹھ ہزار طلبار پڑھتے تھے۔

برطانوی مشنری سسٹم کے ماتحت ۱۸۸ سکول تھے۔ جن میں بارہ ۱۲ ہزار سے زائد طلبار تعلیم حاصل کرتے تھے۔

امریکن مشنریوں کے ماتحت ۶۷۵ سکول تھے۔ جن میں ۳۴ ہزار طلبار تعلیم حاصل کرتے تھے۔

یونانیوں کے ۱۸۳۵ سکول تھے۔ جن میں ایک لاکھ ۸۴ ہزار طلباء تعلیم پاتے تھے۔ اور ترکی سرکاری مدارس میں صرف ۸۰ ہزار طلبا تھے۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ترکی میں تعلیم کی کیا حالت تھی۔ اور غیر ملکی حکومتوں نے تعلیم کی اشاعت کے بہانے سے کتنے پاؤں پھیلا رکھے تھے۔

ترکی میں جمہوریت کے قیام کے بعد تعلیم پر کما حقہٗ توجہ دی گئی ہے۔ ایک قانون کے ذریعہ ہر ترکی باشندے کو لکھنا پڑھنا سکھانا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ دینی تعلیم اور مذہبی تعلیم کو علیحدہ کر دیا گیا۔ مذہبی تعلیم کے لیئے ایک بہت بڑا ادارہ استنبول میں قائم کیا گیا ہے۔ یہ شعبۂ دینیات کہلاتا ہے۔ اور یہاں طلباء کو صرف مذہبی تعلیم دی جاتی ہے۔ لیکن سرکاری مدارس میں صرف عام تعلیم ہے البتہ غیر ملکی مدارس میں مذہبی تعلیم دیئے جانے کی اجازت ہے۔

ترکی مدارس میں تعلیم مخلوط ہے۔ لیکن مدارس جن میں عورتوں کی ضرورت نہیں وہاں انہیں داخل نہیں کیا جاتا۔

تعلیم کا جملہ انتظام حکومت کی طرف سے ہے اور وہ بالکل مفت دی جاتی ہے۔

پرائمری میں لڑکا سات سال کی عمر سے داخل کیا جاتا ہے۔ نصاب تعلیم ۷ سال کا ہے۔ ہائی سکولوں کا نصاب تین سال ہے۔

مخلوط قسم کے تجارتی سکولوں کا نصاب ۲ سال کا ہے۔ صنعتی سکولوں میں لوہار و بڑھئی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ لڑکیوں کو مینا پرونا، بُننا پھول بنانا وغیرہ تیمارداری اور دیگر ضروری کام سکھلائے جاتے ہیں۔ کالج کی تعلیم میں دو علیحدہ علیحدہ حصوں میں قائم ہے۔ ادبی حصے علیحدہ ہیں اور سائنٹیفک علیحدہ۔

سنہ ۱۹۳۶ء میں یونیورسٹی تعلیم میں ۴ ہزار لڑکے اور ایک ہزار عورتیں تعلیم حاصل کر رہی تھیں۔ اب سنہ ۱۹۴۸ء میں یہ تعداد دوگنا سے بھی بڑھ چکی ہوگی۔ استنبول اور انقرہ میں حکومت کے خرچ پر ۱۶۰۰ طلباء اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

انجینیرنگ کالج میں ۵۰۰ طالب علم پڑھتے ہیں۔ جن کے لیئے ۵۰ پروفیسر مقرر ہیں۔ ۔ ۔ ۔ تجارتی تعلیم میں ۵۰۰ ۷ طالب علم تھے۔ جنہیں ۳۲ پروفیسر تعلیم دیتے ہیں۔ اسکے علاوہ زراعتی کالج، صنعتی کالج، پولیٹیکل سائنس کا کالج۔ میڈیکل کالج، ملٹری کالج وغیرہ قائم ہیں۔

حکومت عثمانی قرضے کی ادائیگی۔ مدافعت ملی (فوجی) اور پبلک ورکس کے کاموں کے بعد سب سے زیادہ رقم تعلیم پر صرف کرتی ہے۔

مسٹر ویبسٹر لکھتے ہیں کہ ۱۹۳۳ء میں ترکی کے ۵۷ صوبوں میں سے ۳۱ صوبوں میں ۸۷ دارالمطابع قائم تھے۔ ترکی میں ۱۰۲ کتب خانے لائبریریاں ہیں۔ پڑھنے والوں میں ۴۵ فی صدی طالب علم، ۲۲ فی صدی اساتذہ، ۱۲ فیصدی سول و فوجی افسر۔ ۵ فی صدی خواتین اور باقی عام لوگ تھے۔ کتب خانوں کے فنڈز پر مندرجہ ذیل اعداد و شمار سے روشنی پڑتی ہے۔ ایک لاکھ ۱۳ ہزار پونڈ ان کے لیئے حکومت ہر سال دیتی ہے۔ اور پبلک چندوں سے بھی لاکھوں پونڈ جمع ہوتے ہیں۔

ترکی کی آمدنی کا زیادہ حصہ زمین (جائداد)، آمدنی ٹیکس، کسٹم (چونگی) چوپاؤں کا ٹیکس، تمباکو، شراب، شکر، ماچس، نمک وغیرہ سے حاصل ہوتا ہے۔ ترکی مالیات روز افزوں ہیں۔ مثلاً

۱۹۲۴ء میں بجٹ دو کروڑ ۶۲ لاکھ ترکی پونڈ تھا۔ ۱۹۳۹ء میں ۲۵ کروڑ ترکی پونڈ تھا۔ اور خرچ بھی ۲۵ کروڑ ترکی پونڈ کے لگ بھگ تھا۔ یہ صحیح ہے کہ آمدنی بڑھتے جانے کے ساتھ ساتھ خرچ بھی بڑھتا گیا۔ لیکن خسارہ کا کوئی بجٹ نہیں آیا۔ ٹیکس بجائے بڑھانے کے گھٹائے جارہے ہیں۔ اس کے باوجود آمدنی میں بیشی ہوتی جارہی ہے۔ اب ۱۹۴۶ء میں یہ رقم بڑھ کر ۴۰ کروڑ ترکی پونڈ تک جا پہونچی ہے۔

زمانۂ امن میں ترکی اپنی تمام آمدنی کا ۳۶ فی صد فوج پر خرچ کرتا تھا لیکن جب سے جنگِ عظیم اور اس کے مابعد اثرات نے اس کی سیاسی پوزیشن کو جنگی خطرے میں مبتلا کر رکھا ہے۔ وہ اپنی تمام آمدنی کا نصف بجٹ فوج پر خرچ کرتا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ ترکی کا سرکاری مذہب کوئی نہیں۔ لیکن ہے تو وہ خالص اسلامی سلطنت۔ چنانچہ ترکی بجٹ میں خالص مذہبی امور کے لیئے چھ لاکھ

۲۵ ہزار پونڈ کی رقم رکھی جاتی تھی۔ جواب دس لاکھ پونڈ تک بڑھا دیگئی ہے۔
ترکی بنکوں میں خالص سونا زرِ محفوظ کی شکل میں جو رکھا ہے وہ ۴ کروڑ ترکی پونڈ کے لگ بھگ ہے۔
ترکی بنکوں میں پچاس کروڑ ترکی پونڈ سرمایہ چلت حساب میں موجود ہے۔
جدید ترکی نے ملک کے اندر بنکنگ کو ترقی دینے کی بے حد کوشش کی ہے اور بہت سے بنک بڑی سرعت سے قائم کر دیئے ہیں۔
ترکی میں سب سے پہلا نیم سرکاری بنک امپیریل عثمانی بنک کے نام سے ۱۸۶۳ء میں قائم ہوا تھا۔ اسے بعد میں ترکی کا مرکزی بنک قرار دے دیا گیا۔ یہ ہندوستان کے ریزرو بنک کے مشابہ ہے۔ اس بنک کو بلا شرکت غیرے نوٹ جاری کرنیکا حق ہے۔ اس بنک کا سرمایہ ڈیڑھ کروڑ ترکی پونڈ ہے۔ اور ایک کروڑ ۲۰ لاکھ ترکی پونڈ اس کا سرمایہ محفوظ ہے۔
ترکی کا دوسرا بڑا بنک زراعتی بنک ہے۔ یہ بنک ۱۸۸۸ء سے قائم ہے۔ اس کا سرمایہ ۲ کروڑ ۳ لاکھ ترکی پونڈ تھا۔ یہ بنک گندم کا نرخ مقرر کرتا ہے۔ یہ گندم کو خریدتا اور اسکی تجارت بھی کرتا ہے۔ ترکی کاشت اور زراعت کو اس بنک سے دن دونی اور رات چوگنی ترقی ہوئی۔ موجودہ دور میں اس بنک کا سرمایہ بڑھا دیا گیا ہے۔ اسے آبیاری، آبپاشی، بازیابی اور بنجر زمینوں کو مزروعہ بنانے وغیرہ کا کام سپرد ہوا ہے۔ جس پر ۴ کروڑ ترکی پونڈ خرچ ہو چکا ہے۔ اور مزید سرمایہ اس پر لگ رہا ہے۔
ترکی کا تیسرا بڑا بنک املاک بنک ہے۔ یہ ۱۹۲۶ء سے قائم ہے اس کا سرمایہ دو کروڑ ترکی پونڈ ہے۔ سرمایہ محفوظ میں ۵ لاکھ ترکی پونڈ ہیں۔

اس بنک کی تین بڑی شاخیں ملک میں قائم ہیں۔ اسکا کام غیر منقولہ جائداد پر قرض دینا ہے۔

ترکی کا چوتھا بنک میونسپل بنک ہے۔ یہ میونسپلٹیوں کے کاروبار کو ترقی دینے کے لیے ۱۹۳۹ء میں قائم ہوا تھا۔ اسکا سرمایہ ڈیڑھ کروڑ ترکی پونڈ ہے۔

ترکی کا صنعتی بنک اِش بنک ہے یہ تجارتی اور صنعتی کاروبار میں حصہ لیتا ہے۔ اسکا سرمایہ بھی ڈیڑھ کروڑ ترکی پونڈ ہے۔ اس کی پچاس شاخیں مختلف شہروں میں قائم ہیں۔ یہ بنک کوئلے کی کانوں۔ شیشے اور بوتل کے کارخانوں، اُون کے کارخانے، سوتی کپڑے کا کارخانہ، ہمرنا میں کشمش کا کاروبار ترکی تمباکو کی اجارہ داری، انقرہ میں سیمنٹ کے کارخانے وغیرہ پر حاوی ہے اور تجارتی و صنعتی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا ہے۔

۱۹۳۵ء میں ترکی میں پانچواں بڑا بنک آتی بنک کے نام سے قائم کیا گیا ہے یہ معدنی پیداوار کے متعلق اپنی سرگرمیوں کو محیط کئے ہوئے ہے۔ اس بنک نے اپنے سرمایہ سے چار بڑے برقی اسٹیشن قائم کئے ہیں۔ نیز اس بنک کی زیر نگرانی و انتظام ارنگلی کے کوئلے کی کان، گلوین کی کردم کی کان، ارنگنی کی تانبے کی کان، کیسی برلو میں گندھک کی کان، کوتاہی میں مگناہٹ کی کان، ورغل میں تانبے کی کان، دیورک میں لوہے کی کان، بل گوروگ میں سیسے چاندی اور سونے کی کان، کیبان میں سیسے کی کان کا کام ہوتا اور معدنیات نکالی جاتی ہیں۔

۱۹۳۷ء میں چھٹا بڑا بنک ڈینیز بنک کے نام سے قائم کیا گیا ہے۔ یہ بنک بحری محکمہ کو ترقی دینے کے لیئے قائم ہوا ہے۔ اس پر دو کروڑ ترکی پونڈ سرمایہ لگایا گیا ہے۔ یہ بنک بحری تجارتی مفاد کی حفاظت کرتا۔ بندرگاہ

جہازوں اور اُس چیز کا جس کا تعلق سمندر سے ہو سر انجام دیتا ہے۔ جہازوں کو خریدنا، بنوانا یا تیار کرانا بھی اسی کے ذمہ ہے۔

۱۹۳۳ء میں انقرہ میں سمیر بنک کے نام سے ایک اور بڑا بنک قایم ہوا ہے جو کئی چھوٹے چھوٹے بنکوں کے اتحاد سے استوار کیا گیا ہے۔ یہ بنک بھی صنعتی کاروبار کی ترقی میں نمایاں حصہ لیتا ہے۔ پہلی پانچ سالہ صنعتی سکیم میں ۱۵ مختلف کارخانے قائم کرانا اس بنک کے ذمہ تھا۔ جو اُس نے نہایت خوش اسلوبی سے پورا کر دکھایا۔ مثلاً اونی کپڑے کے تین کارخانے سوتی کپڑے کے ۵ کارخانے، عطر کا کارخانہ، کاغذ کے دو کارخانے، اون صاف کرنے، مصنوعی سلک، کاسٹک سوڈا اور کلورائیڈ، لوہے اور فولاد سیمنٹ، کپڑے اور جوتے کے کارخانے اس کے انتظام میں تیار ہو گئے اس کے بعد جدید پنج سالہ سکیم کے ماتحت یہ مزید کارخانوں کے قیام پر توجہ دے رہا ہے۔ اس کا سرمایہ اب ۲۰ کروڑ ترکی پونڈ تک بڑھایا جا چکا ہے۔

۱۹۳۸ء میں امار بنک استنبول میں قایم ہوا۔ اس کا سرمایہ دس لاکھ ترکی پونڈ اور سرمایہ محفوظ میں ایک لاکھ ۲۰ ہزار ترکی پونڈ ہیں۔ اس بنک کا کام عمارتوں کو از سر نو جدید طرز پر تعمیر کرنا اور ترکی امپروومنٹ ٹرسٹ کے کاموں کو وسعت دینا ہے۔

ان بنکوں کے علاوہ متعدد بڑے بڑے بنک ہیں۔ نیز نیشنل بنک ہیں جن کا سرمایہ ۳۰ کروڑ ترکی پونڈ ہے۔

۳۱ر دسمبر ۱۹۳۹ء کو ترکی میں ۲۸ کروڑ ترکی پونڈ کے نوٹ گردش میں تھے۔ سونے کے سکوں کی تعداد دو کروڑ ۶۰ لاکھ پونڈ تھی۔ ۳۰ کروڑ پونڈ سیونگ بنک میں اور دس کروڑ پونڈ حکومت کی اپیل پر قومی قرضہ وصول

ہوا تھا۔ یہ اعداد و شمار ۱۹۴۰ء تک ہیں۔ اس کے بعد ان سالوں میں مزید ترقیات ہوئی ہیں۔

کسی ملک کی ترقی کے لیئے بنکوں کا قیام بے حد ضروری ہے۔ اور اس سلسلہ میں ترکی کی تقلید ہندوستان کے لیئے بہترین راہ نمائی کر سکتی ہے۔ یہاں بھی ہر کام کے لیئے علیحدہ بنک ہونے چاہئیں جو اپنے اپنے دائرۂ عمل میں کام کریں۔ بغیر اس کے اس ملک کے ذرائع کو خاطر خواہ ترقی نہیں دی جا سکتی۔

ترکی میں مذہبی تحریک کا احیاء

انہی دنوں جب ہم یہ مسودہ مرتب کر رہے ہیں۔ ترکی سے یہ خبر مکتوب اخبار کے ذریعہ نشر ہوئی ہے کہ ترکی میں مذہبی تحریک پھر زور پکڑ رہی ہے۔ اور حکومت ترکی نے اب سرکاری طور پر مذہبی درس و تدریس کا سلسلہ جاری کر دیا ہے اور مدارس میں اسکی یک جائی تعلیم کی اجازت دیدی ہے اس سے پیشتر دینی مدارس یکسر علیحدہ تھے۔

ترکی کی زراعتی ترقی

پنجاب کی طرح سے ترکی بھی ایک زراعتی ملک ہے۔ سنہ ۱۹۳۵ء کی مردم شماری کی رو سے [illegible] فی صدی آبادی کاشتکار تھی۔ مگر مسٹر جارڈن برطانوی تجارتی سفیر اسے ۸۵ فی صدی بتلاتے ہیں۔

زمین بہت زرخیز ہے۔ لیکن زمانۂ جمود میں ترکوں نے زراعتی ترقی کی طرف کچھ بھی توجہ نہ کی۔ نہ تو انہوں نے عمدہ بیج کی ضرورت سمجھی نہ جدید آلات زراعت سے امداد لی۔ وہ اپنی پیداوار ۸۰ فی صدی خود ہی اپنے استعمال میں لے آتے تھے۔

ترکی میں انقلاب آنے کے بعد غازی مصطفےٰ کمال نے سمرنا کی اقتصادی کانگریس میں ایک تقریر کرتے ہوئے ہل کو تلوار پر فوقیت دی، آپ نے فرمایا کہ ہل اور شمشیر کی لڑائی میں فتح ہمیشہ ہل کی ہوتی ہے۔

آپ نے صرف تقریروں سے ہی کام نہیں لیا۔ بلکہ جس طرح سے آپ نے فوج کی تنظیم میں حصہ لیا تھا اتنی ہی دلچسپی ملک کی زراعتی ترقی میں بھی لی۔ آبپاشی اور زراعت کی ترقی کے لیے جدید قوانین نافذ کیے۔ نہریں کھدوائیں آلات مہیا کیے۔ بنک کھولے۔ الغرض ہر طرح سے زراعت کی ترقی کے سامان فراہم کیے۔

ترکی میں جنگلات کی حفاظت کا قانون نافذ ہے۔ اور کئی بار سال میں نئے درخت لگانے کی مہم کا آغاز کیا جاتا ہے۔ اور ہر امیر کبیر افسر۔ اور غریب دو چار نئے درخت لگاتا اور انکی ترقی میں دلچسپی لیتا ہے۔ جنگلات کو آگ غارتگری اور کیڑوں مکوڑوں سے حفاظت کی جاتی ہے۔

جدید ترکی حکومت نے زراعت کو ترقی دینے کے لیئے زراعتی سکول اور کالج کھولے۔ اور آلات زراعت و زراعتی مشینوں کے لیئے کارخانے قائم کیئے۔ دیہات سدھار کی کمٹیاں قائم کیں۔ کاشتکاروں کو اچھے بیج مہیا کیئے۔ زمینداروں کے قرضے چکانے اور کم کرنے کے لیئے امدادی کمٹیاں قائم کیں۔ ترکی زراعتی بنک کے ماتحت اس قسم کی ۶۰۰ کمٹیاں ہیں۔ نئی نہریں اور بند بنوائے۔ ان تمام کاموں پر کئی کروڑ پونڈ خرچ ہو چکے ہیں۔ اور برابر ہر سال ہو رہے ہیں۔

ترکی میں گندم۔ روئی۔ بادام۔ انجیر۔ کشمش۔ تماکو۔ زیتون۔ قہوہ افیون۔ چائے وغیرہ کی کاشت ہوتی ہے۔ ترکی تماکو اپنی خوبیوں کی وجہ سے دنیا بھر میں مشہور اور گراں ترین ہے۔ اس کی تجارت ترکی میں صفِ اول میں شمار کی جاتی ہے۔

ترکی زراعت کو ترقی دینے کے لیئے ہر سال کئی نمائشیں اور کانفرنسیں ہوتی ہیں۔ جن میں کاشتکار جمع ہوتے اور ماہرینِ فن اپنے بیش قیمت مشورے پیش کرتے ہیں۔

ترکی زراعتی بنک نے کاشتکاروں کی بڑی مدد کی ہے وہ ایک مقررہ قیمت پر گندم خرید لیتا ہے۔ جس سے کاشتکاروں کو بڑا فائدہ ہوتا ہے۔ اور بہت بڑے فکر سے وہ آزاد ہو جاتے ہیں۔

اسس بنک نے ۱۹۳۹ئہ میں ۵ لاکھ ۔ ۴ ہزار ٹن ترکی گندم ۲۲ ملین ترکی پونڈ میں خریدا تھا۔ یہ بنک منڈیوں کے توازن و نرخوں کو اندازے پر رکھتا ہے ۔ حکومت نے ایک قانون کی رو سے گندم کا ذخیرہ کرنے کے لیئے بڑے بڑے خرمن تیار کرائے ہیں ۔ جن پر ۲۶ لاکھ پونڈ صرف آچکے ہیں ۔ یہ ۴ اشہروں میں بن چکے ہیں ۔ لیکن حکومت چاہتی ہے کہ دس کروڑ ٹن گندم ذخیرہ کرنے کے لیئے خرمن بنوانے چاہئیں ۔

ترکی میں جو اناج پیدا ہوتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں ۔ گندم ۔ جو ۔ (؟) جئی ۔ ملی ۔ اور کنگنی زیادہ مشہور ہیں ۔

زراعت کی ترقی کے ساتھ ساتھ مویشیوں کا پالنا انکی حفاظت کرنا اور انہیں ترقی دینا بھی اسس محکمہ کا ایک جزو سمجھا جاتا ہے ۔ ۱۹۳۸ئہ میں مویشیوں کی تعداد حسب ذیل تھی ۔

ایک کروڑ ۷۷ لاکھ بھیڑیں ۔
۴ لاکھ انقرہ کی بکریاں ۔
۷۸ لاکھ عام بکریاں ۔
۷۱ لاکھ گائے اور بیل ۔
۷ لاکھ بھینیں ۔
۴۱ لاکھ گدھے ۔
۱۰ لاکھ گھوڑے ۔
۷ لاکھ خچر ۔
۱½ لاکھ اونٹ ۔

ان مویشیوں سے ۷۲ ہزار ٹن سالانہ اون حاصل ہوتی ہے ۔ سات

ہزار ٹن اونے قسم کا اون بکریوں سے ملتا ہے۔

گوشت کو سکھانے اور محفوظ رکھنے کے دو کارخانے قائم کیئے جا چکے ہیں۔ سینوپ کی بندرگاہ پر مچھلیوں کے اچار اور انہیں خشک کرکے ڈبوں میں بھرنے کا کارخانہ قایم ہو چکا ہے۔

ترکی میں شکر سازی کا کام ابھی مزید توجہ کا محتاج ہے۔ تین بڑے کارخانے یہ کام کر رہے ہیں۔ اس کے باوجود باہر سے ساٹھ ہزار ٹن چینی منگوانی پڑتی ہے۔ اگر سندھ میں شکر سازی کے کارخانے قایم ہو جائیں تو ترکی کو دھاتوں کے بدلے میں شکر مہیا کی جا سکتی ہے۔

ترکوں کو یورپ کے فلاکت زدہ ممالک سے واپس لانیکی کوشش

حکومت ترکی کا ایک وفد اسٹریا۔ جرمنی۔ اٹلی۔ فرانس۔ بلقان اور روس کا دورہ کریگا۔ اور وہاں جس قدر ترک جنگ یورپ کے ستم رسیدہ ملینگے۔ انہیں ترکی میں لاکر آباد کرنے اور انکی ہر قسم کی امداد کی پوری پوری سعی کریگا۔ ترکی کی یہ کوشش ہزاروں برباد شدہ خاندانوں کو از سر نو آباد کر سکے گی۔

ترکی کا صنعتی احیاء

ایک زمانہ تھا کہ دُنیا کے بیشتر کام ہاتھ سے ہوتے تھے۔ اس کے بعد ترقی کا دور آیا اور ہر کام مشین سے ہونے لگا۔ مشین سے کام کرنے میں وقت اور محنت کم خرچ ہوتی ہے اور کام زیادہ مقدار میں ہوتا ہے چھوٹی چھوٹی دستی مشینوں کے بعد بڑے بڑے کارخانوں کا دور آیا۔ اور اب تو ہر ترقی یافتہ ملک کا انحصار صرف بڑے کارخانوں اور اُن کی مشینری پر ہے۔

ترکی کو بھی ان تمام ادوار سے گذرنا پڑا۔ انقلاب سے قبل معمولی مشینوں کا دور شروع ہو چکا تھا۔ اور کہیں کہیں اکا دکا کارخانہ بھی نظر آنے لگا تھا۔ لیکن انقلاب کے بعد جب ترکی کو مصطفےٰ کمال جیسا سرگرم کارکن ملا تو اُس نے زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی کرنے کی ٹھان لی۔ چنانچہ ترکی کے صنعتی احیاء میں سرگرم کوشش شروع کی گئی۔ جس کا کچھ ذکر بنکنگ اور زراعتی سلسلہ میں ہو چکا ہے۔ کچھ اس عنوان کے تحت یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔

صنعتی ترقی کے لیئے دو چیزیں لازم و ملزوم ہیں۔ اوّل لوہا۔ دوسرے کوئلہ۔ اتفاق سے ترکی میں یہ دونوں چیزیں موجود ہیں۔ اور موجودہ دور میں دونوں کو بڑی سرعت سے ترقی دی گئی ہے۔

چنانچہ صنعتی امور کو ترقی دینے کے لیئے ایک علیحدہ بنک پانی بنک کے نام سے قایم کیا گیا تھا جسکا سرمایہ کروڑوں روپے تھا۔ اس بنک نے سب سے اول یہ کام کیا کہ زن گلاک کی کوئلے کی کانوں کو ترقی دینے کے لیئے ۱۵ لاکھ پونڈ کے سرمایہ سے ایک بہت بڑا بجلی گھر تعمیر کرایا۔

اب زن گلاک کی کانوں سے کوئلہ بہ آسانی اور بہ افراط مہیا کیا جا رہا ہے۔ کارنلو ایک اور کوئلہ کی کان ہے۔ یہ بھی سمندر سے قریب ہے اسلیئے بحری جہازوں کو کوئلہ لینے میں آسانی رہتی ہے۔ روسی سرحد کے قریب ارض روم میں بھی کوئلہ کی ایک بڑی کان ہے۔ جدید انتظامات کے تحت قریباً ۵ لاکھ ٹن زائد کوئلہ نکالنے کا انتظام ہو گیا ہے۔

قرابک میں لوہے کی کانیں ہیں۔ اسلیئے فولاد بنانے کی مشین یہاں لگائی گئی ہیں۔ اور ایک بڑا کارخانہ قایم کیا گیا ہے۔ یہاں ترکی کا سامان جنگ تیار ہوتا ہے۔

ارغانہ میں تانبے کی بڑی کان ہے۔ اور بھی چند چھوٹی کانیں ہیں لیکن سب تانبا ارغانہ میں جمع کر کے صاف کیا جاتا ہے۔ پھر بندرگاہ سموم کی راہ سے بحرۂ اسود کے ذریعہ باہر بھیج دیا جاتا ہے۔

چاندی کی کانیں ۴ مقامات پر ہیں۔ جن سے دس ہزار ٹن کے قریب دھات ملتی ہے۔

بولگر میں جست۔ رانگ۔ ٹین۔ نکلتا ہے۔ غربت اور دیار بکر میں تانبے کی کانیں پائی جاتی ہیں۔ جہاں سے کم و بیش دو ہزار ٹن مال نکلتا ہے۔ گندھک کی کان کیسی پر لو اور دراگوس میں ہیں۔

سنگ سلیمان۔ عقیق۔ یشب یہ پتھر طرابزون میں پائے جاتے ہیں۔

عنبر بحیرۂ اسود کے کنارے ملتا ہے۔ دودھیا پتھر اور دوسرے قیمتی پتھروں کی کانیں قرامانجک اور بروصہ میں ہیں۔ سنگِ مرمر ترکی میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ کسٹاموتی اور سرت میں پیٹرول اتنا ملتا ہے۔ جس سے ترکی کو حالت امن میں پیٹرول کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

ترکی میں ایک اور دھات کردم ہے یہ دنیا بھر میں قیمتی چیز ہے اور اس کی زیادہ مقدار ترکی ہی میں پائی جاتی ہے۔ قریباً دو لاکھ ٹن سالانہ نکلتی ہے۔

ان کے علاوہ جست، سیسہ، بورکس۔ کرنڈ۔ پارہ۔ سرمہ وغیرہ کافی مقدار میں پائے جاتے ہیں۔

ترکی نے معدنیات پر ایک کروڑ ترکی پونڈ کا قرضہ انگلستان سے حاصل کیا تھا۔ اور وہ اس کے عوض اُسے زائد دھاتیں مہیا کر رہا ہے۔

ترکی سے کردم کی دھات جرمنی۔ سویڈن۔ اٹلی۔ فرانس۔ امریکہ ناروے۔ اسٹریلیا۔ برطانیہ کو بھیجی جاتی ہے۔

کوئلہ فرانس۔ اٹلی۔ رومانیہ۔ یونان۔ شام۔ برازیل کو جاتا ہے۔ تانبا امریکہ کو۔ سیسہ بلجیم اور فرانس کو۔ سنادرج یعنی کرنڈ۔ برطانیہ۔ جرمنی۔ امریکہ فرانس اور ہالینڈ کو۔ سرمہ۔ جاپان۔ برطانیہ اٹلی اور جرمنی کو۔ جست فرانس۔ بلجیم اور ہالینڈ کو۔

ترکی میں سیمنٹ کے کافی کارخانے ہیں۔ اور اُن سے تین لاکھ ٹن سالانہ سیمنٹ تیار ہوتی ہے۔ اسکے باوجود ۴۰ ہزار ٹن سیمنٹ باہر سے منگوائی جاتی تھی۔ لیکن اب یہ ضرورت باقی نہیں رہی۔ اور مزید کارخانے تیار ہو گئے ہیں۔

۱۹۳۹ء سنہ ترکی سے ۸ ہزار ٹن خشک مچھلیاں ڈبوں میں بند کر کے باہر بھیجی گئی تھیں۔ سنہ ۱۹۴۰ء میں یہ مقدار دس ہزار ٹن تک پہنچ گئی اور اب تک اس میں یقیناً مزید اضافہ ہوا ہوگا۔ یہ تمام کام جدید ترین مشینری کے ذریعہ ماہرین فن کی زیر نگرانی ہوتا ہے۔

ترکی میں صنعت قالین سازی کو پھر از سر نو منظم کیا گیا ہے اور اب کافی مقدار میں ترکی قالین ملک سے باہر بھیجے جا رہے ہیں۔

سنہ ۱۹۳۴ء تک ترکی میں کل کارخانوں کی تعداد ۱۴۰۰ تھی۔ جن پر ساڑھے چھ کروڑ ترکی پونڈ سرمایہ لگا ہوا ہے۔ جن میں چھ لاکھ مزدور کام کرتے ہیں۔ صنعتی کارخانوں میں ۸ گھنٹے کی جگہ ۱۱ گھنٹے روزانہ کام ہو رہا ہے تاکہ مال کی مقدار جلد از جلد بڑھائی جا سکے۔

قیصریہ میں ایک جنگی ہوائی فیکٹری ہے جہاں ترکی ہوائی جہاز تیار کیے جاتے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ دو سو ہوائی جہاز اسی فیکٹری کے تیار کردہ ہیں۔ اس کارخانہ میں ۱۲ ہزار مزدور کام کرتے ہیں۔ اور ہر چیز ترکی ہی میں تیار ہوتی ہے۔

جنگِ عظیم کے بعد ترکی بالکل بے دست و پا تھا۔ اس کی تجارتی حالت بے حد زبوں تھی۔ فاتح اقوام نے اس کی تجارت پر کئی قسم کی پابندیاں لگا دی تھیں۔ اور کئی قسم کے تجارتی معاہدوں میں اُسے جکڑ رکھا تھا۔ ان معاہدوں کی مدت ختم ہونے پر جدید ترکی نے ترقی کی طرف قدم بڑھانا شروع کیا۔ چنانچہ انقرہ میں خارجہ تجارت کے لیئے ایک علیحدہ دفتر قائم کر دیا گیا۔ ملک میں اس دفتر کی کئی شاخیں ہیں اور جن جن ملکوں سے ترکی کی تجارت ہے وہاں بھی اس کے نمائندے موجود ہیں۔

۱۹۳۸ء میں ترکی کی خارجہ تجارت ۴۰۴۰۵ ملین ترکی پونڈ تھی۔ یعنی قریباً ۴ ارب ترکی پونڈ۔ یہ ۱۹۳۷ء سے ۱۷ فی صدی زیادہ تھی۔

جنگ سے قبل ترکی کی سب سے زیادہ تجارت جرمنی سے ہوتی تھی۔ ۱۱ ملین ترکی پونڈ کا مال جرمنی بھیجا گیا۔ اور جرمنی نے ۲۲ ملین ترکی پونڈ کا مال ترکی میں بھیجا۔ گویا جرمنی نے ترکی برآمد کا ۴۲ فی صدی مال خرید لیا۔ ترکی اپنے ملک سے فی الحال انگورہ کی بکری کا اون۔ سوت۔ سمرنا کی کشمش۔ انجیر۔ بادام۔ گندم جو۔ کنگنی۔ میدہ۔ تمباکو۔ زیتون کا تیل۔ کھالیں۔ انڈا۔ مچھلی وغیرہ بھجواتا ہے جرمنی کے بعد روس سب سے بڑا خریدار تھا۔ لیکن جب سے دوسری

جنگِ عظیم چھڑی ہے اور اس کے خاتمہ کے بعد برطانیہ ترکی سے سب سے زیادہ مال خرید رہا ہے۔ یہاں تک کہ ترکی گندم اور ترکی جو بھی ترکی سے خرید کر انگلستان نے ہندوستان میں فروخت کیے ہیں۔ حالانکہ جنگ سے قبل تمام گندم جرمنی خریدتا تھا۔ اور برطانیہ صرف میدہ اور جو خریدا کرتا تھا۔

موجودہ خلفشار میں جبکہ جرمنی مال نہیں خرید سکتا اور روس نے ترکی کا بائیکاٹ کر رکھا ہے۔ اگر انگلستان اور امریکہ ترکی کی تجارتی امداد میں آگے نہ بڑھتے تو ترکی کی مشکلات میں مزید اضافہ ہو جاتا۔ اور ممکن ہے کہ اُسے روس کے سامنے جھکنا پڑتا۔

سڑکیں اور ریلیں

ترکی میں جمہوریت کے قیام کے وقت ۴ ہزار میل لمبی سڑکیں تھیں مگر وہ تمام کی تمام ناقص خستہ اور مرمت طلب تھیں۔

ترکی نے سب سے اول ہر قسم کی سڑکوں کی مرمت ضروری سمجھی۔ اور اس پر کافی روپیہ خرچ ہوا۔ اسکے بعد نئی سڑکیں اور ریلوے لائنیں بنانے پر توجہ دی گئی۔ استنبول سے بلغاریہ کی سرحد تک ایک شاندار سڑک تیار کی گئی۔ جس کی لمبائی ۲۵۶ کیلومیٹر ہے۔ یہ سڑک موٹر ٹریفک کے لئے بہت موزوں ہے۔ دوسری بڑی سڑک ایران کو ترکی بندرگاہ طرابزون سے ملاتی ہے اور ایران کا بہت سامان اس راستہ سے باہر جاتا ہے۔ یہ سڑک ۶۴۵ کیلومیٹر لمبی ہے۔

صرف ایک سال میں ترکی حکومت نے ۳۰ لاکھ ترکی پونڈ اور صوبجاتی حکومتوں نے ۴ لاکھ ترکی پونڈ سڑکوں کی تعمیر پر صرف کئے۔ اور یہ سلسلہ ہر سال برابر جاری رہتا ہے۔

ترکی میں پختہ سڑکوں کی لمبائی ۹۶۴۱ کیلومیٹر ہے۔ ایک اور نئی سڑک استنبول سے انقرہ تک تیار ہوئی ہے۔ یہ بہت فراخ اور شاندار ہے جس پر لاکھوں پونڈ صرف ہوئے ہیں۔

ترکی میں ۱۹۳۵ء میں صرف بیس ہزار موٹریں اور لاریاں تھیں گو ۱۹۴۵ء تک یہ تعداد تیس ہزار سے متجاوز ہو چکی ہے۔ لیکن دوسرے مہذب ممالک کے مقابلہ میں یہ تعداد کم ہے۔

سڑکوں کی تعمیر کے ساتھ پلوں کی تعمیر بھی ویسی ہی ضروری ہے چنانچہ حکومت نے ۱۹۳۴ء سے ۱۹۳۹ء تک ۱۰۶ پل تعمیر کیے۔ جن پر ۵ کروڑ ترکی پونڈ خرچ ہوئے۔

ترکی میں ریلوے کی تعمیر یورپ کی سیاسی چالوں سے وابستہ رہی ہے۔ زمانۂ قدیم میں ہر ملک ترکی میں اپنے اثر و رسوخ کو بڑھانے پر تلا رہتا تھا۔ اور ہر حکومت اسے سونے کی چڑیا سمجھتی تھی۔ فرانس۔ انگلستان۔ روس جرمنی سب ترکی میں مراعات۔ ٹھیکے۔ اور ریلوں کی تعمیر کے اجارے حاصل کرنے کے متمنی تھے۔ اگر کوئی ایک طاقت کسی قسم کا کوئی اجارہ حاصل کر لیتی تو دوسری طاقتیں جب تک کچھ نہ کچھ مقابلہ میں حاصل نہ کر لیتیں۔ انہیں چین نہ آتا تھا۔ بارہا ترکی کئی قسم کے ٹھیکوں کو منسوخ کر دیتا اور ریلیں بنانے سے ہی انکار کر دیتا تاکہ اس پر دوسری حکومتیں دباؤ نہ ڈالیں۔

جمہوریت کے قیام پر ترکی میں صرف ۲۰۳۷ میل ریلوے لائنیں تھیں۔ یہ ریلوے لائنیں پرانی اور فرسودہ تھیں۔ ان کے انجن اور ساز و سامان بھی سالخوردہ تھے۔

ترکی جمہوریہ نے سب سے اول یہ فیصلہ کیا کہ آئندہ کوئی ریلوے لائن کسی بدیشی کمپنی کو بنانے کا حق نہ دیا جائیگا۔ چنانچہ ترکوں نے ۱۹۲۵ء تک ایک ہزار پانچسو میل لمبی ریلوے لائن اپنے سرمایہ سے تیار کر لی اور بدیشی حکومتوں سے بہت سی ریلوے لائنیں خرید لی ہیں۔ صرف ۴۳۴ کیلو میٹر

ریلوے سے لائن بدلیشی رہ گئی تھی ممکن ہے کہ ان ۸ سالوں میں یہ بھی خرید لی گئی ہو۔
سنہ ۱۹۴۰ء میں ترکی میں ریلوں کی کل لمبائی ۱۵۰۸ میل تھی۔ جو سنہ ۱۹۴۸ء میں ۸ ہزار میل سے متجاوز کر چکی ہو گی۔

حال ہی میں امریکہ نے ترکی کو ½ ۱ ارب ڈالر قرضہ دینا تجویز کیا ہے یہ رقم ترکی کی افواج کو جدید آلات سے آراستہ کرنے کے علاوہ ان افواج کو زیادہ سے زیادہ کارآمد بنانے کے لیئے ریلوں سڑکوں اور بندرگاہوں کی درستی پر خرچ ہوگی۔ کیونکہ افواج کی نقل وحرکت اچھی سڑکوں اور کارآمد ریلوں کے سوا ممکن نہیں ہے۔

سنہ ۱۹۴۰ء میں ترکوں نے انگلستان سے ۔۴ کروڑ ترکی پونڈ کا ریلوے کا سامان جن میں انجن اور ڈبے وآلات وغیرہ تھے خریدا تھا۔ جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ترکی خود بھی اس ضروری شعبہ کو ترقی دینے میں غافل نہیں رہا۔ ترکی کی ریلوں کی آمدنی میں بھی کثیر اضافہ ہوا ہے۔ کیونکہ مسافروں کی آمدورفت میں ۳۰۰ گنا اضافہ ہو چکا ہے۔

ترکی بحری بیڑا

ایک وقت تھا کہ یورپ میں ترکی بیڑا اول درجہ کا سمجھا جاتا تھا۔ اس زمانہ میں ترکوں نے بحیرہ روم پر قبضہ جما لیا تھا۔ یونان۔ بلقان۔ مصر۔ سویز اور ٹریپولی سب ترکی کے قبضہ میں تھے۔ اُن دنوں یورپ پر جمود و سکون طاری تھا۔ جینیوا اور دوسری یورپین بندرگاہوں پر خاک اڑتی تھی۔ کیونکہ تمام تر تجارت اُن دنوں ترکوں کے ہاتھ میں تھی۔ ترک زمانہ کے ساتھ ساتھ چلتے تھے۔ اس لیئے وہ کامیاب تھے۔ بعد میں ترکوں میں اندرونی خلفشار عیش و عشرت کی زندگی، سائنس اور ایجادات سے غفلت۔ علوم و فنون سے نفرت۔ دشمنوں کے ایکا اور بڑھتی ہوئی قوت نے اُنکا آہستہ آہستہ خاتمہ کر دیا۔ اور حالت یہاں تک آن پہنچی کہ وہ ترک جو کسی زمانے میں صنعت جہاز سازی کے موجد سمجھے جاتے تھے اور جن کے بحری بیڑوں سے یورپ لرزنے لگتا تھا۔ اب معمولی جہاز بھی یورپ کے کارخانوں سے خریدنے پر مجبور ہوئے جو قوم زمانہ کی رفتار کا ساتھ نہیں دیتی اور تحصیل علوم میں غفلت اختیار کر لیتی ہے۔ اُسکا یہی حشر ہوتا ہے

جمہوریہ ترکی سے قبل ترکی بیڑا یورپ میں سب سے ضعیف تر تھا۔ بلکہ ممکن ہے کہ وہ دُنیا بھر میں سب سے کمزور ہو۔ صرف گوبن ایک جرمنی

جنگی جہاز اُن کے پاس تھا۔ جو جرمنی نے جنگ اول میں انہیں دیا تھا۔ یا اس کے ساتھ چند پرانی وضع کے جنگی جہاز اور کچھ معمولی جہاز تھے۔

غازی مصطفےٰ کمال نے قیام جمہوریت کے بعد اس اہم فوجی شعبہ پر بھی توجہ دی۔ ایک بنک صرف بحری منصوبوں کو بر سر کار لانے کیلئے کھولا گیا۔ جسکا نام ڈینز بنک تھا۔ یہ پانچ کروڑ ترکی پونڈ کے سرمایہ سے قائم کیا گیا۔

ترکی کا ساحل ۴۰۰۰ میل لمبا ہے۔ ظاہر ہے کہ اتنے لمبے ساحل کے لیئے ہر قسم کے اول درجہ کے بیڑے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ترکی میں جو معمولی کارخانے مرمت وغیرہ کے لیئے تھے یا جہاں معمولی ساحلی کشتیاں اور ہلکے جہاز بنائے جاتے تھے وہ سب کے سب اپنے اہتمام میں لے لیئے اور غیر ملکی قبضہ و اثر سے انہیں آزاد کر کے ان کارخانوں کو وسعت دینا شروع کی۔ یہ پہلا قدم تھا جو ترکی نے اس سلسلہ میں اٹھایا۔

جمہوریہ ترکی نے ۲ لاکھ پونڈ جہاز سازی کے کارخانوں کی اصلاح اور تکمیل پر صرف کیئے۔ اور متعدد جنگی جہاز برطانیہ وغیرہ سے خریدے ۱۹۴۰ء میں برطانیہ کو ۱۱ جنگی جہازوں کی تکمیل کا آرڈر ملا۔ جنکا وزن تین سے ۵ ہزار ٹن فی تھا۔ یہ جہازات تیار ہو کر ترکی بیڑے میں شامل ہو چکے ہیں۔ اس کے بعد دوسرے پروگرام میں ۱۱ کروڑ پونڈ کے صرف سے نو جنگی جہاز اور ۱۲ آبدوز کشتیاں بنوائی گئی ہیں۔ یہ بھی تیار ہو کر ترکی بیڑے میں شامل ہو چکے ہیں۔ اسکے علاوہ امریکہ سے بھی تباہ کن جہازوں کی خرید کے متعلق بات چیت ہو رہی ہے۔

ہر حکومت اپنی جنگی سرگرمیوں اور ساز و سامان کو پوشیدہ رکھتی ہے۔

تاہم بھی بعض چیزیں اخبارات میں شائع ہو جاتی ہیں - ترکی بیڑے کے متعلق صحیح اعداد و شمار تو پیش نہیں کیے جا سکتے - لیکن خیال ہے اُس کی قوت مندرجہ ذیل کے لگ بھگ ہونی چاہیئے -

بڑا جنگی کروزر (گوبن) ایک (۲۲ ہزار ٹن کا)

جنگی جہاز	۴	فی ۲ سے ۵ ہزار ٹن
ہلکے کروزر	۴	فی ۳ سے ۵ ہزار ٹن
تباہ کن جہاز	۱۶	
آبدوزیں	۲۰	

اسکے علاوہ طلایہ کے جہاز - سرنگیں بچھانے والے - سرنگیں صاف کرنے والے - گن بوٹ - کوئلہ اور تیل لے جانے والے - سیر و سیاحت کے جہاز اور بار برداری کے جہاز ہیں -

ترکوں نے قیام جمہوریت کے بعد اپنے بحری بیڑے کو سہ گنا کر لیا ہے - اور اس میں ہر گھڑی اضافہ ہو رہا ہے -

ترکی میں بحری افسروں کی تربیت کے لیئے ایک اول درجہ کا بحری کالج ہے - جس میں افسر اور ملاح تیار کیئے جاتے ہیں - موجودہ ترکی بیڑے میں ۱۲۰۰ افسر اور ۶۰۰۰۰ ساٹھ ہزار سپاہی ہیں -

ترکی میں غیر ملکی جہازوں کی آمد و رفت اس کثرت سے ہوتی ہے کہ ان کے اعداد و شمار سے یہ حقیقت واضح ہو سکتی ہے - ۱۹۳۸ء میں درہ دانیال سے ۹۷۹۸ جہاز گذرے جنکا وزن ۲ کروڑ ۳۸ لاکھ ٹن تھا - باسفورس سے ۱۵۰۴۱ جہاز گذرے - ان میں برطانیہ ۲۰۶ - جرمنی ۳۰۷ - امریکہ ۳۰ بلغاریہ ۲۶ - فرانس ۱۲ - یونان ۱۳۸ - ہالینڈ ۱۳ - اٹلی ۲۷۲ - ناروے ۱۹ -

پولینڈ ۱۳ - رومانیہ ۱۱ - روس کے ۱۰۵ جہاز تھے۔

ترکی بحری بیڑا گرد و نواح کی تمام طاقتوں میں قوی ہے۔ اطالوی بیڑا جنگ عظیم میں تباہ و برباد ہو چکا ہے۔ زیکوسلاویکا۔ البانیہ۔ بلغاریہ اور رومانیہ کے بحری بیڑے ناقابلِ ذکر ہیں۔ شام اور مصر کے پاس بیڑے ابھی ابتدائی حالت میں ہیں۔ یونان کا بحری بیڑا قابلِ ذکر ہے۔ مگر وہ ترکی کے مقابلہ میں بہت کمزور ہے۔ اس لیئے اس طرف ترکی بیڑے کا مقابلہ صرف روسی بحری بیڑے سے ہے۔

روس کا بیڑا بہت بڑا ہے۔ لیکن وہ تین جگہ منقسم ہے۔ اور کبھی یکجا نہیں ہو سکتا۔ ایک بیڑا مشرق میں جاپان کے بالمقابل پورٹ ارتھر پر ہے۔ دوسرا بیڑا بحیرۂ بالٹک میں ہے۔ جہاں روسی زیادہ سے زیادہ جہاز ہیں۔ تیسرا بحیرۂ اسود میں ہے یہ ترکی کے بالمقابل ہے۔ بحیرۂ اسود کا روسی بیڑا ایک راز کی طرح پوشیدہ ہے۔ لیکن ماہرینِ فن کا اندازہ ہے۔ کہ ترکی بیڑے میں جب دو چار بڑے جنگی جہازوں کا اضافہ ہو گیا۔ تو ترکی بیڑا روسی بیڑے سے طاقتور ہو جائیگا۔ آبدوزوں اور تباہ کن جہازوں کی حالت میں ترکی بیڑے کو فوقیت حاصل ہے۔ مگر روسی بیڑے میں چند بڑے جہاز بھی ہیں۔ گو ان میں پرانے جہاز زیادہ ہیں۔ اس لیئے ترکی جلد از جلد چند بڑے جہازوں کے اضافہ سے اپنے بیڑے کو روسی بیڑے سے بڑھا لے جا سکتا ہے۔

ترکی ہوائی قوت

مسٹر حامد علی ایم۔ اے نیرنگ خیال کے ایک نمبر میں لکھتے ہیں۔

"فوجی نظم و نسق کی تاریخ کا ایک اصول ہے کہ تہذیب و تمدن کی ترقی کے ترقی کے ساتھ ساتھ آلاتِ جنگ و جدال بھی بدل جاتے ہیں۔ ایک ہتھیار جو کسی زمانے میں مدافعت اور حملہ کرنے کے لیئے نہایت موزوں اور کارآمد تھا۔ وہ دوسرے زمانہ میں بیکار ہو کر رہ جاتا ہے۔ دورِ اول میں بنی نوعِ انسان پتھر اور لوہے کے معمولی سیدھے سادے ہتھیار جنگ و جدال میں پا پیادہ استعمال کرتے تھے۔ زمانہ نے ترقی کی تو رتھوں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر تلوار نیزہ اور تیر و کمان سے لڑنے لگے۔ سکندرِ اعظم کے حملوں نے ایشیا پر یہ واضح کر دیا کہ ہاتھیوں کا زمانہ ختم ہوا۔ اور جنگ میں کامیابی کا انحصار چست و چالاک اور سدھائے ہوئے گھوڑوں اور سپاہیوں پر ہے۔ گولے بارود کی معلومات کے بعد عہدِ قدیم کی قلعہ بندیاں حرفِ مہمل ہو کر رہ گئیں۔ پھر سائینس نے اور ترقی کی بندوقوں اور توپوں سے ٹینکوں۔ ٹینک شکن توپوں اور ہوائی جنگی طیاروں کا زمانہ آگیا۔ اور اب تو ایٹم بم کا دور ہے۔ جس سے چشم زدن میں شہر کے شہر تباہ ہو جاتے ہیں۔

۱۹ ویں صدی میں فوجوں کیلئے بحری بیڑے کی ضرورت دیگر ضروریات

جنگی پر مقدم قرار دی گئی تھی۔ نپولین کی شکست کا راز بحری بیڑے کی کمزوری پر محمول کیا جاتا ہے۔ آج بڑی بڑی فوجوں کو سلامتی کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجانا انہیں پہنچا کر سامانِ جنگ مہیا کرتے رہنا اور بڑے مرکز سے اُن کا تعلق ٹوٹنے نہ دینا صرف قوت ور بحری بیڑے کے ساتھ عمل میں لایا جاسکتا ہے۔ آبدوز کشتیاں اور ہوائی حملے اس بیڑے کو برباد کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بری فوجیں انہیں ساحل سے پرے روکتی ہیں۔ پھر اس پر بھی بحری بیڑے کی کامیابی اُس کی قوت پر منحصر ہے۔

لیکن آج سب سے بڑا مؤثر ہتھیار ہوائی بیڑا ہے۔ یہ نہ صرف شہروں اور فوجی مرکزوں کو برباد کرتا ہے۔ بلکہ بیڑے اور اپنی فوج کی بھی حفاظت کرتا ہے۔ ہوائی بیڑا ایک مہلک ترین ایجاد ہے۔

ترکی جمہوریت کے ابتدائی دور میں ہی ہوائی بیڑا اہمیت حاصل کر رہا تھا اور ترک جو گذشتہ چار صدی سے جمود وسکون کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ سائنس اور ایجادات کی طرف پوری طرح متوجہ نہ تھے۔ اب اس سلسلہ میں مزید ناواقفیت اپنے لیئے خودکشی کے مترادف سمجھتے تھے۔ چنانچہ ترکی جمہوریت نے ہوائی بیڑے کی طرف ابتدا ہی سے پوری توجہ دی۔

سب سے اول ترکوں نے ہوائی تعلیم و تربیت کے لیئے فوجی کالج کھولے اور اس میں ترک نوجوانوں کو ہوائی جنگی تعلیم سے بہرہ ور کیا۔ ترکوں نے دو ہزار سے زائد طلبا انگلستان میں ہوائی فوجی تربیت حاصل کرنے کے لیئے بھیجے۔ یہ نوجوان گذشتہ تین چار سال میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے کے بعد واپس آگئے ہیں۔ ترکی میں سکیشر۔ ازمیر۔ اور انقرہ میں کامیاب کالج ہیں۔ ترکی میں ہوابازی کی مشق و تربیت کو ترقی دینے کے لیئے کئی انجمنیں

اور کلبیں بیش از بیش حصہ لے رہی ہیں۔ جن میں ٹرکش برڈ (ترکی پرندے) بہت نمایاں ہے۔

ترکی کالجوں میں ہوا بازی کی تعلیم بالکل انگلستان کے فوجی اداروں کی طرح ہوتی ہے وہاں ہوائی جہاز کے کل پرزوں کی دیکھ بھال۔ مرمت وغیرہ سب اسی طریقہ سے بتلائی جاتی ہے۔ ترکی طلبار کو مشق کرنے اور کام سنبھالنے کے تمام ذرائع وسعت کے ساتھ حاصل ہیں۔ اسلیئے ترکی ہواباز کسی طرح بھی فوجی تربیت میں کسی سے کم نہیں ہے۔

۱۹۳۸ء میں ترکی میں چار ہزار ہواباز تھے۔ لیکن اب ان کی تعداد بیس ہزار سے زیادہ ہے۔ جن میں سے بیشتر انگلستان کے تعلیم یافتہ ہیں۔ اعلیٰ جنگی جہازوں کی تعداد ۔۔ ہم سے بڑھا کر ڈیڑھ ہزار تک جا پہنچی ہے۔ کیونکہ حال ہی میں ترکی نے ۵۰۰ ہوائی جہاز جن میں بمبار اور لڑاکے جہاز ہیں۔ انگلستان سے خرید کئے ہیں۔ یہ جہاز ہر لحاظ سے بہترین ہیں۔ امریکہ فوجی امداد میں بھی جو سامانِ جنگ خریدا جا رہا ہے۔ اس میں کافی ہوائی جہاز آرہے ہیں۔ ترکی حکومت کی وسعت اور آبادی کے لحاظ سے ڈیڑھ ہزار اول درجہ کے ہوائی جہاز جنہیں دس ہزار بہترین تربیت یافتہ سپاہی کام میں لاتے ہیں۔ ایک اول درجہ کی ہوائی قوت کے برابر ہے۔

گذشتہ جنگِ یورپ میں ترکوں نے کامل غیر جانبداری پر عمل کیا ہے لیکن بعض اوقات حالات ایسے ہو جاتے رہے ہیں کہ ترک اتحادیوں کی طرف سے جنگ میں شامل ہونے پر مجبور نظر آتے۔ اسلیئے جنگی تیاریوں میں بہت سے کام اتحادی انجینیروں کی زیرِ نگرانی مکمل ہو چکے ہیں۔ ان میں بڑے بڑے ہوائی مستقر بھی ہیں۔ یہ ہوائی اسٹیشن اتنے مکمل اور اتنے وسیع اور تعداد میں اتنے زیادہ

ہیں کہ ترکی ہوائی بیڑے کی امداد پر اگر دس ہزار طیارے انگلستان یا امریکہ کے بھی آجائیں تو اُن کے لیئے جگہ موجود ہے۔ اور آج ہوائی جنگوں کے لیئے جدید قسم کے مکمل ہوائی اسٹیشنوں کا وجود بے حد اہم ہے اور ترکی یہ ضرورت بدرجہ اتم پوری کر چکا ہے۔ ترکی میں قریباً ۷ ہوائی اسٹیشن ہیں ترکی میں ہوائی بیڑے کی جنگی مشقیں برابر ہوتی رہتی ہیں۔ اس کے ساتھ مختلف علاقوں کو ہوائی سروسز کے ذریعہ ملا دیا گیا ہے۔ اور ترکی فضا میں کسی بھی غیر ملکی قوت کو اپنی فضائی سروس قائم کرنے کی اجازت نہیں۔

ترکی ہوائی سروسز کے ذریعہ خطوط۔ ڈاک۔ پارسل کی تقسیم کی جاتی ہے۔ اور جو مسافر سفر کرنا چاہیں اُن کے لیئے جگہ مہیا کی جاتی ہے۔

[ترکی میں ۲۰ ہزار میل لمبا ٹیلیگراف سسٹم ہے۔ اور ۱۲۰۰ تار گھر ہیں جن میں یہ کام ہوتا ہے]

ترکی ہوائی قوت میں خواتین نے بھی حصہ لیا ہے۔ اور بہت سی خواتین نے ہوائی جہاز چلانے کی تربیت حاصل کی ہے اور وہ اس میں کافی دلچسپی لے رہی ہیں۔

ترکی ہوائی قوت کو بنانے اور ترقی دینے کے لیئے ترکوں کے ہر شہر نے کئی کئی طیارے چندے سے خرید کر نذر کیئے تھے اسکے بعد ترکوں نے ہوائی فنڈ کے لیئے ٹکٹ جاری کیئے جو خرید کر لوگ خطوط پر زائد لگا دیتے تھے اس طرح سے کروڑوں پونڈ چندہ اس میں وصول ہوا۔ مگر یہ ابتدائی زمانہ کی باتیں ہیں۔ اب تو ترکی ہوائی قوت ایک شاہنشاہی قوت ہے۔

صبیحہ خانم جو غازی مصطفےٰ کمال نے ایک بچی گود لی تھی۔ وہ ہوابازی میں بڑی مشتاق ہے۔ اس نے خواتین کے ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے

کہا۔

"خواتین کو سب سے اول اپنے وطن پر جانیں قربان کرنی ہوں گی۔ مردوں سے جو کوتاہیاں ہوں گی۔ ان کی تلافی بھی خواتین ہی کو کرنی پڑے گی۔ ہمارا نعرہ امن ہے۔ ہم جنگ کو کسی حال میں بھی مفید نہیں سمجھتے۔ مگر موجودہ زمانے میں یہ نعرہ بیکار ہے۔ جو چیز کام آنے والی ہے۔ وہ طیارہ ہے۔ پیٹرول ہے روٹی سے زیادہ طیارے کی اور پانی سے زیادہ پیٹرول کی ضرورت ہے ہم روٹی اور پانی کے بغیر تو جی سکتے ہیں۔ مگر فضائی قوت کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ مگر یاد رہے کہ ہمارے طیارے اور پیٹرول کی ضرورت ہٹلر کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم کسی کو کچلنا نہیں چاہتے۔ بلکہ ہمارا مقصد تو ملک و ملت کی آزادی کو برقرار رکھنا ہے۔ ابھی خواتین نے فضائی طاقت میں کوئی نمایاں حصہ نہیں لیا۔ ڈیڑھ دو ہزار خواتین کا فضائی قوت میں حصہ لینا کوئی قابلِ فخر کارنامہ نہیں ہے۔ اس لیئے میں نے عزم کیا ہے کہ بیس ہزار خواتین کی ایک فوج تیار کرونگی۔ جو ترکی فضا میں گشت کرے گی۔ اور اغیار کو اس میں گھسنے نہ دیگی۔ میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم ہوا باز بنکر انسانوں کا شکار کرو۔ شکار کرنا ہمارا کام نہیں۔ ہمارا کام یہ ہے کہ جو طاقت ہمارا شکار کرنے آئے اُسے بیکار کر دو۔ آج دنیا میں فضائی طاقت کی فرمانروائی ہے۔ میں تم سے یہ نہیں کہتی کہ تم ہمیشہ ہوا میں اُڑتی رہو۔ میرا مقصد صرف یہ ہے کہ اتنی قابلیت اور مشق رکھو کہ اگر تمہارا دشمن ہوا کی سواری پر تم پر حملہ کرنے آئے تو تم اُس کے دانت کھٹے کر دو۔ تمہارا فرض ہے کہ بیس ہزار بہنوں کو اس مقصد کے لیئے میدان میں لاؤ۔ مردوں پر فخر کرنا اُس وقت ہی زیبا ہو سکتا ہے جبکہ خواتین بھی قابلِ فخر کارنامے انجام دیں۔"

یہ ہیں ترک خواتین کے جذبات - اس سے آپ ترکوں کے صحیح خیالات کا اندازہ کر سکتے ہیں -

ترکی میں جہاز سازی کے آٹھ کارخانے قائم ہیں - جنہیں اب برابر وسعت دی جا رہی ہے -

ترکی میں ہوابازی کی ترقی کے ساتھ طیارہ شکن توپوں کی تیاری اور انکا مناسب مقامات پر نصب کرنا بھی ساتھ ساتھ شامل ہے -

ترکی کارخانوں میں ڈیڑھ لاکھ ہوائی چھتریاں تیار پڑی رہتی ہیں - اور چھاتہ بردار فوج کی تنظیم و تربیت میں کافی دلچسپی لی جاتی ہے - وزیر محکمہ پروانہ نے تعلیم مکمل کر لینے والے سپاہیوں کو سندیں دیتے وقت کہا -

"یہ سندیں نہیں - خودداری کے تاج ہیں - جنہیں ہر فرد کو اپنے سر پر رکھنا چاہیئے -"

ترکی حکومت میں پٹرول کے اتنے چشمے ہیں - جن سے حالت امن میں ترکی کی ضروریات پوری ہو جاتی ہیں - لیکن حالتِ جنگ میں جبکہ پٹرول کئی گنا خرچ ہوتا ہے - موجودہ ترکی پٹرول کفایت نہیں کر سکتا - اور ترکوں کو باہر سے پیٹرول لینا پڑتا ہے -

لیکن اس سلسلہ میں یہ خبر اطمینان سے سُنی جائیگی کہ ترکی چشموں کو زیادہ کارآمد بنانے اور نئے چشمے کھودنے کے لیئے ترکی کی منرل ریسرچ انسٹیٹیوٹ نے امریکن کمپنی سے معاہدہ کیا ہے - تمام ضروری سامان اور کاریگر ترکی حکومت کی منرل ریسیرچ انسٹیٹیوٹ مہیا کریگی - اور تیل نکالنے والے ماہرین امریکن کمپنی مہیا کرے گی - ۲۰۰ ماہرین امریکہ سے آ رہے ہیں - اور زنگولدک کی کوئلہ کی کانوں کے پاس تیل کی تلاش کا سلسلہ جاری ہے اور وہاں بھی تیل

سے چشمے نکالنے کا کام شروع ہونے والا ہے - جدید انتظام کے ماتحت پیٹرول بھی ترکی کے لیئے ایک پُر منفعت کاروبار کی صورت اختیار کر لے گا -

ترکوں کی خارجہ پالیسی

ترکوں کی خارجہ پالیسی مضبوط اور انکی ضروریات کے عین مطابق ہے - وہ کسی حکومت کے خلاف عناد و مخالفت نہیں رکھتے - وہ کسی کے ملک پر قبضہ جمانے یا اسکا کوئی حصہ ہتھیانے کیلیئے کسی دوسری حکومت کے ساتھ ساز باز نہیں کرتے - بلکہ ان کی خارجہ پالیسی کا مقصد وحید بھی ترکی حدود کی محافظت ہے - اس مقصد کیلیئے ہمسایہ ممالک ہیں اول بلقان ہیں انکے روابط دوستانہ ہیں - لیکن یونان سے زیادہ رفاقت ہے اگر بلقانی ریاستیں کبھی یونان یا ترکی سے جنگ کریں تو دونوں کا پہلو بہ پہلو لڑنا یقینی ہے - دوم اسلامی ممالک کے بلاک کے ساتھ اُنکے تعلقات بھی بہت ہی دوستانہ ہیں - شام - شرق اردن - عراق - مصر اور ایران کیساتھ مراسم کی تجدید ہو چکی ہے - روس کے کسی حصہ پر ترک قبضہ نہیں چاہتے - لیکن اپنے ملک کے کسی حصہ کو بھی روسی اغراض و مقاصد پر بھینٹ نہیں چڑھا سکتے -

یورپین حکومتوں میں ترکوں کے سب سے زیادہ تعلقات انگریزوں اور امریکہ سے ہیں - امریکن اور انگریزی حکومتیں ترکوں کو ہر طرح سے امداد و اعانت دے رہی ہیں - دولت اور مال نیز تجربہ و علم سے بہت فائدہ پہنچا رہی ہیں - اس لیئے یہ تینوں حکومتیں ضرورت کے وقت ایکدوسرے کی امداد کرینگی - اسکے باوجود ترکی کی داخلی و خارجی پالیسی آزاد و طاقتور ہے - وہ کسی کے کسی طرح بھی غلام نہیں !

ترکوں کی بری قوت

ترکوں کی بری قوت دنیا کی عظیم الشان بری قوتوں میں سے ایک ہے
ترکی کی تمام شہرت اور عزت کا باعث اسکی بری فوج ہے۔ بری
فوج کے افسروں کے لیے کئی ایک فوجی کالج ہیں۔ جنکا طریق تعلیم جرمنی
اور امریکہ سے کسی صورت میں کم نہیں ہے۔ ان کالجوں کے تعلیم یافتہ
افسر یورپ کے تعلیم یافتہ فوجی افسروں کے مقابل اپنی قابلیت کا اظہار
کر سکتے ہیں۔

بری فوج میں پیادہ۔ سوار۔ طوفانی حملہ کرنے والے۔ توپخانے۔
ٹینک ڈویژن۔ ٹینک شکن ڈویژن۔ کمسریٹ وغیرہ جملہ اقسام کی پلٹنیں
موجود ہیں۔ اس وقت ترکی فوج مغرب کی جنگی ایجادات سے مرصع اور
ملبس ہے۔ زمانۂ امن میں ترکی حکومت کی فوجی قوت اڑھائی لاکھ پر مشتمل
ہوتی ہے۔ لیکن جب سے جنگ یورپ شروع ہوئی تھی۔ اسکی قوت سات
لاکھ ہے۔ اور اس وقت تک ترکوں نے فوج کو منتشر نہیں کیا۔

ترکی میں فوجی خدمت لازمی ہے۔ ہر ترک کو دو سال تک فوجی تربیت
حاصل کرنی پڑتی ہے۔ اسکے بعد وہ جو چاہے کام کرے۔ مگر سال میں ایک
ہفتے لوگوں کو پھر حاضر ہو کر فوجی قواعد اور نشانہ بازی وغیرہ کی مشق کرائی

جاتی ہے۔ اور اُن کے پاس ۲۵ لاکھ تربیت یافتہ آدمی موجود ہیں۔ جن میں سے سات لاکھ تو وہ ہیں جنہوں نے ۸ سال سے کمر نہیں کھولی اور برابر دن رات جنگی مشق میں مصروف رہتے ہیں۔ یہ فوج بے حد مضبوط۔ تجربہ کار اور طاقتور ہے۔ ضرورت پڑنے پر ترک دس پندرہ لاکھ سپاہی میدانِ جنگ میں لا سکتے ہیں۔ اور بوقت ضرورت تو ہر ترک بچہ بوڑھا۔ زن و مرد ترکی کی مدافعت میں حصہ لیگا۔ اور کوئی بھی اس مقدس فریضہ میں پیچھے نہ رہیگا۔

ترکی فوج کو مزید طاقتور بنانے کے لیئے امریکن ماہرین جنگ ترکی پہنچ گئے ہیں اور وہ جدید ترین سائنٹفک آلاتِ حرب اور ماہرین کی امداد سے اس فوج کو ایسا کارآمد بنانا چاہتے ہیں کہ بحیرۂ روم میں روس کے آگے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے میں یہ فوج پوری طرح کارآمد ثابت ہو۔ اور بلقان میں قوت کا توازن قائم رکھ سکے۔ یہ سیاسی پیچیدگیاں ترکی فوج کی مزید طاقت کا باعث بنتی رہی ہیں۔ اور بنتی رہینگی۔

ترکی کیلیئے دس تجارتی جہاز

نیویارک کی تازہ ترین خبروں سے معلوم ہوا ہے کہ حکومت ترکی نے امریکہ سے مختلف وزن کے دس بڑے تجارتی جہاز خرید لیئے ہیں۔ امریکن حکومت ان جہازوں کو جلد از جلد ترکی پہنچانے کا انتظام کر رہی ہے۔ ان جہازوں سے ترکی کے تجارتی بیڑے کو کافی تقویت پہنچے گی۔

ترکی میں نسوانی ترقی

ترکی خواتین ابتدا ہی سے مردوں کے دوش بدوش ملک کی اہم فردیات میں حصہ لیتی رہی ہیں۔ ترکی جمہوریت نے اس سلسلہ میں خواتین کی تعلیم و تربیت کا خاص انتظام کیا ہے۔

ترکی میں مخلوط تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے۔ کیونکہ جب وسیع پیمانہ پر تعلیم کا اجرا کرنا ہو تو عورتوں کے لیئے علیحدہ سکولوں کی عمارتیں اور ان کے لیئے استانیاں مہیا کرنا دشوار تھا۔ چند مدارس یا چند استانیاں مہیا ہو سکتی ہیں۔ لیکن جب سب بچوں کو تعلیم دینا ہو تو پھر اسکا علیحدہ انتظام کرنے پر کروڑوں پونڈ خرچ ہوتے اور کئی سال مزید مدت بھی صرف ہوتی۔ ان حالات کے پیش نظر ترکوں نے اول پرائمری مدارس میں مخلوط تعلیم رائج کی۔ اس کے بعد مڈل کلاسز میں اور پھر اعلیٰ جماعتوں میں بھی۔ ترکی خواتین اور مردوں کی اخلاقی قوت ہندوستانی مزاج سے مختلف ہے۔ وہ لوگ اُن بُرائیوں سے بڑی حد تک بچے ہوئے ہیں۔ جو ہمارے کالجوں کے نوجوانوں میں پائی جاتی ہیں۔ وہاں آوارگی کے مناظر شاذونادر ہی نظر آتے ہیں۔ اور اگر کوئی ایسی بات نوٹس میں آجائے تو اس پر سختی سے گرفت کی جاتی ہے۔

ترکی میں پردے کی رسم اڑادی گئی ہے۔ درحقیقت پردہ اور نقاب میں

بڑا فرق ہے۔ ترکی خواتین نے پردہ نہیں اٹھایا نقاب اٹھایا ہے۔ ترکی لڑکیاں پوڈر۔ لپ سٹک۔ اور دیگر آرائیشی کاموں سے پرہیز رکھتی ہیں۔ وہ ننگے سر نہیں پھرتیں بلکہ سر کے بالوں کو رومال سے چھپائے رکھتی ہیں۔ گردن چھاتیاں اور بازو ننگے نہیں رکھتیں۔ البتہ چہرہ ننگا رکھتی ہیں۔ اس پر علماۓ دین نے اسکو جائیز قرار دیا ہے۔ کہ چہرہ کا چھپانا پردے کے لیئے ضروری نہیں۔ صرف زینت اور زینت کے مقامات چھپانے کا حکم ہے۔

ہم نے ایک مضمون مولانا حافظ محمد اسلم جیراج پوری جامعۂ ملیہ دہلوی کا پڑھا تھا۔ جس میں بتلایا گیا تھا کہ چہرہ ننگا رکھنا اسلام کے پردے کے عین مطابق ہے۔ خیر یہ تو ایسا مسئلہ ہے۔ جس پر علماۓ دین ہی بہتر روشنی ڈال سکتے ہیں۔ لیکن ہم تو یہاں حقائق اور واقعات پیش کر رہے ہیں۔ مخلوط اور جدید تعلیمی رجحانات کے ماتحت جمہوریہ ترکی نے دس سال میں جو ترقی کی اس کے اعداد و شمار یہ ہیں۔

	سنہ ۱۹۲۴ء میں	سنہ ۱۹۳۴ء میں
پرائمری تعلیم میں لڑکیاں	۶۲۹۵۴	۲-۵۹۲۲
ثانوی سکول	۲۰۷۲	۱۱۳۷۶
سرکاری ثانوی مدارس	۶۱۲	۲۳۲۱
یونیورسٹی تعلیم	۳۸۵	۹۳۳
صنعتی سکولز	۵۹۲	۹۹۰
استانیوں کے سکول	۷۸۲	۲۵۳۷

یہ تو ابتدائی دس سالہ ترقی ہے۔ اسکے بعد ۱۴ سالوں میں جو ترقی ہوئی ہے اُسکے اعداد و شمار اخبارات کے فائلوں سے ملتے ہیں۔ ابتدائی دس

سال میں تعلیم کی ترقی کی اوسط چار گنا ہے۔ تو اس وقت وہ کسی صورت میں دس گنا سے کم نہیں ہے۔

ترکوں نے تعلیم کی ترقی کے لیئے شادی شدہ ایسے جوڑوں کا انتخاب کیا ہے۔ جس میں شوہر تعلیم یافتہ ہے اور بیوی بھی اور پھر انہیں ایسے دیہات میں لگایا ہے۔ جہاں شوہر اور بیوی دونوں پڑھانے کا فریضہ ادا کریں۔ ایک ریڈنگ روم کی نگرانی کریں۔ بوڑھوں کو پڑھانے لکھانے کا کام شام کو کریں اور دیہات سدھار کے کاموں میں امداد دیں۔ ایک ایک آدمی سے اتنداد میں کئی کئی کام لیئے ہیں۔ تب جا کر یہ قوم ترقی کی منزلیں طے کر کے اگلی صف میں آگئی ہے۔ جرمنی کا ایک پروفیسر لکھتا ہے کہ "ترکوں نے ۲۰ سال میں اتنی ترقی کی ہے۔ جتنی یورپ کا کوئی متمدن ملک سو سال میں کرتا"۔

اس خراج کو سامنے رکھیئے اور اُن لوگوں کی شبانہ روز محنتوں کا خیال کیجئے۔ جنہوں نے ترکی کی بنیادیں استوار کی ہیں۔

لڑکیوں کی تعلیم میں کئی باتوں کا خیال رکھا جاتا ہے۔ اُنہیں گھر یلو تعلیم لازمی طور پر دی جاتی ہے۔ کھانا پکانا۔ سینا پرونا۔ بچوں کی پرورش کرنا۔ یہ سب لازمی ہے۔

نوشت و خواند اور ضروری سرسری مضامین کے ساتھ ورزش بھی ضروری قرار دی گئی ہے۔ تاکہ تعلیم کے بوجھ سے اُن کی صحت نہ گر جائے۔ اور کتابوں کے انبار بھی اُن پر نہیں لادے جاتے۔ ان کی تعلیم سیدھی سادھی اور آسان ہوتی ہے۔

ہماری ہندوستانی لڑکیاں تو دس جماعت پڑھنے یا بی۔ اے کرنے کے بعد ہر لحاظ سے ناکارہ رہ جاتی ہے۔ نہ انکی صحت رہتی ہے۔ نہ حسن

نہ وہ گھر کے کام کے قابل رہتی ہے نہ شوہر کے قابل۔ وہ صرف دفتری کلرک کی مشین بنتی ہے یا اُستانی۔ ان میں سے بیشتر تو اولاد بھی پیدا نہیں کرسکتیں اور جو اولاد پیدا بھی کرلیں تو اولاد پرورش نہیں کرسکتیں۔ ہمارے یہاں لڑکوں کی تعلیم کلرک پیدا کرتا تھا۔ اور بدقسمتی سے لڑکیوں کی تعلیم کا ماحصل بھی کلرک بنانے کے سوا اور کچھ نہیں۔

ترکی میں مخلوط تعلیم تو ضرور رائج ہے۔ مگر اس کا انتظام نہایت شاندار ہے۔ یونیورسٹی کلاسوں میں لڑکیاں ایک طرف اور لڑکے ایک طرف بیٹھتے ہیں اور پروفیسر جب تعلیم دیتا ہے تو دونوں اس سے مستفید ہوتے ہیں۔

ترکی میں نسوانی ترقی کے موضوع پر ایک ترک خاتون لکھتی ہیں ؀۹۲
"کمال اتاترک نے برسر اقتدار آتے ہی عورتوں کو قیود سے آزاد کر دیا۔ سول قانون نے کثرتِ ازدواج کو نہ صرف متروک بلکہ خلافِ قانون قرار دیا۔ طلاق اور خلع کا اختیار عدالتوں کے ہاتھ میں دے دیا۔ عورتوں کو تمام حقوق دیئے۔ اور وراثت کے معاملہ میں بھی عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق دیئے۔ قوم کی زندگی میں اُن کے کھوئے ہوئے درجہ کو بحال کیا۔ عورتوں نے بھی ان حقوق کا فائدہ اٹھایا۔ ان کی قوتیں جو چھ صدی سے معطل پڑی تھیں۔ اُنہیں کام میں لائیں۔ اور دُنیا کو فتح کرنے کے لیئے مستعد ہوگئیں۔ عورتوں میں سب سے بڑا تغیر یہ نہیں ہوا کہ وہ کاموں میں حصہ لینے لگیں۔ بلکہ یہ کہ مرد اُن کی رائے کی عزت کرنے لگے۔ اور انہیں اپنا ساتھی اور مددگار سمجھنے لگے ہیں۔ آج ترکی عورتیں مردوں کے دوش بدوش ڈاکٹر، اُستانیاں، وکیل، انجنیئر، ٹیلیفون اوپریٹر، ہوائی اور بری فوج وغیرہ میں برابر کام کر رہی ہیں۔ مرد اور عورتوں کے حقوق اور ذمہ داریاں برابر۔

کی ہیں"۔

ترکی میں جتنے اساتذہ ہیں۔ اُن میں تقریباً آدھی عورتیں ہیں جو پروفیسر پرنسپل۔ انسپکٹر۔ اور مشیرِ تعلیم تک عہدوں پر فائز ہیں۔

صیغۂ طب میں عورتوں نے کافی سے زیادہ حصہ لیا ہے ہسپتالوں کا انتظام زخمیوں کی مرہم پٹی اور مریضوں کی دیکھ بھال میں بڑی مستعدی سے کام لیتی ہیں۔ وکالت کے سلسلہ میں آپ کو یہ معلوم کرکے حیرت ہوگی کہ ترکی میں ایک سو سے زیادہ عورتیں پیشۂ وکالت کر رہی ہیں۔ ہمارا اتنا بڑا ملک ہندوستان ہے جس میں ۵ وکیل عورتیں بھی مشکل سے مل سکینگی جو باقاعدہ پریکٹس کرتی ہوں۔

ترکی میں نرس کی تعلیم حاصل کر چکنے کے بعد اُسکی شادی فوراً ہو جاتی ہے۔ یہاں کی طرح سے نہیں۔ کہ نرسیں ساری عمر کنواری رہیں۔

ترکی میں مجلس وضع قانون میں ۱۷ عورتیں ممبر منتخب ہوئی ہیں۔ جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ عورتیں ملک کی ترقی میں کتنا حصہ لے رہی ہیں۔

ذیل کے ایک نقشہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ترکی خواتین فوجی مدارس میں کتنا حصہ لے رہی ہیں۔

فوجی افسروں کے امتحان میں ۳۰۴۰ طلباء نے حصہ لیا۔
" " " " ۱۰۲۰ طالبات نے حصہ لیا۔
ہوابازی میں " " ۲۷۰۰ طلباء نے حصہ لیا۔
" " " ۹۲ طالبات نے حصہ لیا۔
عام فوجی تعلیم میں " " ۴۳۰۰ طلباء نے حصہ لیا۔
" " " " ۱۲۰۰ طالبات نے حصہ لیا۔

ایک فوجی جلسے میں تقریر کرتے ہوئے ایک خاتون نے کہا۔
"ہم نے یہ فوجی تعلیم اس لیئے حاصل کی ہے کہ ملک کے سپاہیوں کی نگرانی کریں۔ اگر ہم دیکھیں کہ ان سے ملک کی حفاظت میں کوتاہی ہو رہی ہے۔ تو ہم وہ بار اپنے کندھوں پر اٹھا لیں۔ ہماری تعلیم کا مقصد صرف یہ نہیں کہ میدانِ جنگ میں جا کر لڑیں۔ بلکہ یہ کہ اپنی قومی روایات کو برقرار رکھیں۔ اور ہماری قومی روایات یہ ہیں کہ ہمارا بچہ بچہ فوجی ہے اور جو فوجی نہیں۔ وہ ہماری قوم سے نہیں۔ ہمارے لیئے میدانِ جنگ میں جانا ضروری نہیں۔ مگر جب گھر ہی میدان بن جائے تو پھر ترک خاتون کا یہ کام نہیں کہ وہ پیچھے رہ جائے۔ ہماری تعلیم کا مقصد صرف یہ ہے کہ مصیبت کے وقت عورت بے بس ثابت نہ ہو۔ اور وہ اپنا بار مردوں پر نہ ڈالے۔ بلکہ اپنی خود حفاظت کر سکے۔"

ترکوں کی سماجی ترقیاں

ترکوں نے سماجی ترقیوں کی طرف سے بھی غفلت نہیں کی۔ بلکہ اس سلسلہ میں بھی جمہوریت ترکی کوششیں قابل تعریف ہیں۔

ترکی جمہوریہ نے کو کلر کو تم نامی ایک تربیت گاہ قایم کی ہے۔ جس میں آوارہ گرد لاوارثوں کو جمع کیا جاتا ہے۔ جن میں عموماً جھگڑالو۔ افیمی۔ چرسی نشہ باز ہوتے ہیں۔ تربیت گاہ کا معلم اور افسر علم النفس کا ماہر ہوتا ہے جو ایسے حسی طباع کی اصلاح میں ید طولےٰ رکھتا ہے۔ جو ان کی برائیوں کو آہستہ آہستہ ترک کراتا اور انہیں کارآمد شہری بنانے کی سعی کرتا ہے۔ اس میں بالعموم اُسے کامیابی ہوتی ہے۔ ان کی برائیوں اور خامیوں کو ترک کرانے کے ساتھ ساتھ وہ انہیں کوئی نہ کوئی دستکاری سکھا دیتا ہے تاکہ وہ اپنی باعزت روزی کما سکے۔

خانہائے عوام کے نام سے ایک انجمن قایم کی گئی ہے جو بالغوں کی تعلیم کا کام کرتی ہے۔ یہ رضاکاروں کی ایک جماعت ہے کہ ۱۹۴۰ء میں اس کی ۲۸۰ شاخیں تھیں۔ دس سال کے عرصہ میں اس جماعت نے اتنا انتظام کیا ہے کہ اب کسی بھی گاؤں میں آپ کو ناخواندہ نہ ملیگا۔ کم از کم ہر شخص اپنے دستخط کر لیتا اور کچھ کچھ پڑھ سکتا ہے۔

ترکی میں رضاکاروں کی ایک اور جماعت ہے جس کا نام فلاح عام

ہے۔ اسکے دو شعبے ہیں۔ فلاحِ اطفال اور فلاحِ زچہ گان۔

پہلی شاخ فلاحِ اطفال پرائمری و مڈل کلاسز کے طلبار کیلئے دار المطالع و کتب خانے قائم کرتی ہے۔ ان کے لیئے رسالے اور اخبارین مہیّا کرتی ہے بچے مدارس سے نکلتے ہی وہاں ایک بار ضرور جاتے ہیں۔ اور کچھ نہ کچھ پڑھتے ہیں۔

یہ انجمن غریب بچوں کو اپنے ساتھ کھانا کھلاتی۔ انہیں کپڑے خرید کر دیتی اُنہیں کتابیں مہیا کرتی۔ اور اُن کے لیئے سیر و تفریح کا بندوبست کرتی ہے۔

دوسری شاخ میں کام کرنے والی خواتین ہیں۔ یہ خواتین مستورات میں سے جہالت اور لاعلمی کو دور کرنے کی سعی کرتی ہیں۔ دیہات میں جاکر عورتوں کو حفظانِ صحت کے ضروری اصولوں کی تعلیم دیتی ہیں۔ حاملہ عورتوں کی دیکھ بھال اور بچہ جننے میں ضروری امداد دیتی ہیں۔ نوزائیدہ بچوں کے لیئے کپڑے اور انکی بعض ضروریات مہیا کرتیں اور زچہ کی صحت کیلئے کوشاں رہتی ہیں۔ پہلے ترکی میں وضع حمل سے ۳۰ فی صدی موتیں واقع ہوجاتی تھیں۔ لیکن اب صرف ۵ فی صدی حادثات ہوتے ہیں۔

ترک رضاکاروں کی ایک جماعت نے خوراک کے مسئلے میں بڑی دلچسپی لی ہے۔ اور اکثر دوپہر کا کھانا طلبار کو مفت مہیّا کرتی ہے۔ چنانچہ ۱۹۳۵ء میں ۵ ہزار سے زائد طلبار کو ہر روز دوپہر کا کھانا دیا جاتا تھا۔ اسکا انتظام انجمن ہلالِ احمر اور انجمن فلاحِ عام کرتی ہے۔

ہر کارخانے اور فیکٹری کے کارکنوں کے لیئے ایک ڈاکٹر ایک دندان ساز اور ایک شفاخانہ ہوتا ہے۔

ترکی کی انجمن ہلالِ احمر دنیا بھر میں ایک تسلیم شدہ انجمن ہے۔ جسکو ریڈکراس کی طرح عزت و توقیر سے دیکھا جاتا ہے۔ اس انجمن کے اشارے پر میں ہزار

خواتین مریضوں کی تیمارداری اور مرہم پٹی کے لیئے حاضر ہو سکتی ہیں۔ بلکہ ان کی تعداد میں ۲ ہزار تک اضافہ ہو سکتا ہے۔ یہ تمام خواتین فسٹ ایڈ اور دیگر ضروری تعلیم حاصل کر چکی ہیں۔

ترکوں اور عربوں میں رفاقت

ترکی اور عربوں میں معاصرانہ رفاقت پھیل رہی ہے۔ اغیار کی چیرہ دستیاں مثلاً روسی عمل دخل کو آگے بڑھانے۔ فلسطین میں یہود کو آباد کرنے اور مراکش سے لیکر الجیریا و ٹیونس تک عربوں کو غلام بنائے رکھنے کی صورت اُن کے سامنے ہیں۔ اُنہیں ایک مقصد وحید حفاظتِ اسلام کے لیئے مجبور کر رہی ہے۔ شام کے صدر نے انگورہ جاکر ترکوں اور عربوں میں مفاہمت کی راہ نکالی ہے۔ ایسا ہی حکومت عراق اور ترکوں میں اتحاد و یگانگت کی صورت پیدا ہو چکی ہے۔ اب شاہِ مصر کے انگورہ تشریف لے جانے کی خبر آئی ہے۔ جو عنقریب یہ مبارک سفر اختیار کرینگے۔ اس طرح سے تمام اسلامی ممالک ایک دوسرے کے معین و مددگار ہونگے۔

افغانستان کو زمانہ قدیم میں باختر "آریہ ورت" بھی کہتے تھے آخری نام آریاؤں نے رکھا تھا۔ کیونکہ جب وہ وسط ایشیا سے ہندوستان کی طرف آئے تو پہلے افغانستان پر ہی قابض و متصرف ہوئے تھے۔ اسلیئے ہندوستان میں رہنے والے آریہ اسکو آریہ ورت کہنے لگے۔

افغانستان روسی ترکستان کے جنوب۔ ایران کے مشرق۔ اور صوبہ سرحد ہندوستان کے مغرب میں واقع ہے۔ جنوب میں بلوچستان ہے۔ اس وقت افغانستان میں بدخشاں۔ مزار شریف۔ ہرات۔ قندھار۔ اور کابل کی ولایات ہیں۔

افغانستان کے باشندے قدیم آریائی نسل سے ہیں۔ افغانستان میں جو کھدائیاں ہو چکی ہیں۔ اُن میں زمانہ قدیم کے بت اور مجسمے بدھوں کے معبد اور کئی ایسی چیزیں برآمد ہوئی ہیں۔ جن سے قدیم آریائی تہذیب پر روشنی پڑتی ہے۔

افغانستان کی زبان پشتو ہے۔ لیکن سرکاری علمی زبان کا درجہ فارسی زبان کو حاصل ہے۔

افغانستان کے باشندے آزاد قبائل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آزادی

اُن کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔
آب و ہوا ایسی خوشگوار اور صحت افزا ہے کہ دنوں میں انسان کو سُرخ و سپید بنا دیتی ہے۔ پھل میوے کھانے کو بکثرت موجود ہیں۔ اور ایسی قیمت پر کہ آپ کو تعجب ہو۔
افغانستان کی آبادی ایک کروڑ ہے۔ اسکے علاوہ کئی لاکھ افغان افغانستان سے باہر ہندوستان میں بھی منتشر ہیں۔
افغانستان کا مذہب اسلام ہے۔ البتہ کہیں کہیں ہندوؤں اور بعض سکھوں کے بھی گھر پائے جاتے ہیں۔ جو بے کھٹکے تجارت اور کاروبار میں مصروف ہیں۔
افغانستان ایک پہاڑی ملک ہے۔ لیکن جگہ بہ جگہ سرسبز وادیاں اور کاشت کے لیئے زمینیں پائی جاتی ہیں۔ افغانستان اپنی ضرورت کے لیئے غلّہ اور ملّی پیدا کر لیتا ہے۔ اُسے بیرونجات سے اپنے لیئے غلّہ منگوانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

افغانستان میں کانیں

افغانستان ایک پہاڑی ملک ہے۔ اور اُسکے اندر معدن کی کثرت ہے۔ لیکن ابھی تک افغانستان کی معدنیات کو سائنٹیفک طریق پر باہر نہیں نکالا گیا۔ سید راس مسعود مرحوم (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) جو علامہ سر اقبالؒ کی معیت میں افغانستان تشریف لے گئے تھے۔ بیان فرماتے ہیں کہ جب صدرِ اعظم افغانستان سے کانوں کی کھدائی کے متعلق بات چیت ہوئی اور اُن سے معلوم کیا گیا کہ اِن قدرتی خزائن کو باہر کیوں نہیں نکالا جاتا تو انھوں نے فرمایا کہ پٹرول کے چشموں سے تیل نکالنے کے متعلق جب امریکن ماہرین سے

بات چیت کی گئی تو انہوں نے ایسی شرائط پیش کیں جن پر عمل کرنے کے بعد شاید افغانستان کے پلے روپے میں سے ایک آنہ بھی نہ پڑتا۔ دوئم یہ کہ ہرات سے خلیج فارس تک پائپ لائن بنانے پر اتنی رقم خرچ آتی تھی کہ اس کے بعد منافع کی اُمید کم رہتی تھی۔ تیسرے یہ کہ وہاں تک پائپ لائن لیجانے میں بہت سی سیاسی پیچیدگیاں بھی تھیں۔ جن پر آسانی سے عبور نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اِن حالات میں افغانستان نے ابھی تک اپنے پڑول کے ذخائر کو باہر نہیں نکالا۔

حال ہی میں خبر آئی ہے کہ افغانستان میں پتھر کے کوئلہ کی کانیں ملی ہیں یہ کانیں جلال آباد سے قریب ہیں۔ اِن دونوں کانوں کو سائنٹفک طریق پر نشوونما دینے اور ان سے فائدہ اٹھانے کے لیئے حکومت افغانستان اور پاکستان کے درمیان ایک مفاہمت ہونی چاہیئے۔ امریکن ماہرین تنخواہ پر ملازم رکھے جاسکتے ہیں۔ اور تیل بذریعہ موٹر لاریاں پشاور یا کوئٹہ پہنچایا جاسکتا ہے۔ اگر اسے سمندر تک ہی لیجانا ضروری ہے تو مکران بلوچستان کے ساحل تک پائپ لائن لیجانی شاید آسان رہے۔ الغرض یہ تفصیلات تو بعد میں طے ہوسکتی ہیں۔ اول یہ ضروری ہے کہ دونوں سلطنتیں آپس میں کوئی معاہدہ کریں۔ پاکستان کو پڑول اور پتھر کے کوئلہ کی ضرورت ہے۔ بنگال اور آسام سے کوئلہ لانے پر جو کچھ خرچ ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ کابل سے کوئلہ لانے میں اس پر کم خرچ آئے۔ نیز دو ہمسایہ ممالک کو مالی فائدہ بھی پہنچے۔ ایسا ہی پڑول بھی ممکن ہے کہ امریکن کمپنیوں سے خریدنے کی بجائے افغانستان کی کانوں سے نکلا ہوا ارزاں مل سکے۔ ان کانوں کو کارآمد بنانے کے لیے دونوں حکومتیں برابر کا سرمایہ لگا سکتی ہیں۔ یا پاکستان

گورنمنٹ زیادہ سرمایہ لگا کر زیادہ مال حاصل کر سکتی ہے اور افغانستان گورنمنٹ کورائیلٹی دے سکتی ہے۔

کوئلہ اور پیٹرول کے علاوہ اور بھی بہت سی کانیں ہیں۔ ان کانوں کو کھدوانے اور فائدہ اٹھانے کے لیئے حکومت افغانستان کو زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

افغانستان سے سب سے بڑی قیمتی چیز جو باہر جاتی ہے۔ وہ بھیڑوں کی کھالیں ہیں۔ ان کو قرا قلی کہتے ہیں۔ اور یہ کھالیں بڑی قیمت پاتی ہیں۔ یعنی ۵۰ روپے سے لیکر سو روپیہ تک یا اس سے زیادہ ایک کھال کی قیمت ہوتی ہے۔ ان کھالوں کی تجارت حکومت افغانستان کا اجارہ ہے۔ ایسی اعلیٰ کھالیں دنیا میں صرف دو جگہ اور پائی جاتی ہیں۔ ایک روسی ترکستان میں دوسرے انگورہ ترکی میں۔ روسی تاجر ایسی چالیں چل رہے ہیں۔ جس سے اُن کا مقصد افغانی کھالوں کی تجارت کو نقصان پہنچانا ہے۔ افغان اپنی کھالوں کا کثیر حصہ امریکہ بھجواتے ہیں۔ چنانچہ ایک خبر سے ظاہر ہے کہ دو کروڑ ڈالر حکومت افغانستان کے امریکہ میں پڑے ہیں۔ جو انہی کھالوں کی فروخت سے حاصل ہوئے ہیں۔ روسی حکومت نصف قیمت پر کھالیں فروخت کر رہی ہے اور اس کا مقصد افغان تجارت کو نقصان پہنچانا ہے۔

بہرحال افغانی حکومت کو بھیڑوں کی ان کھالوں کی تجارت کو بھی سائنٹیفک طریق پر نشو و نما دینی چاہیئے۔ تاکہ وہ اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کر سکے۔

افغانستان کی دوسری چیز پھل اور خشک میوے ہیں یہ خشک میوے ہندوستان اور بلوچستان میں بکثرت فروخت ہوتے ہیں۔ بادام، پستہ

مراکش کے مسلمان سپاہی

عربوں کی تجارتی کشتیاں
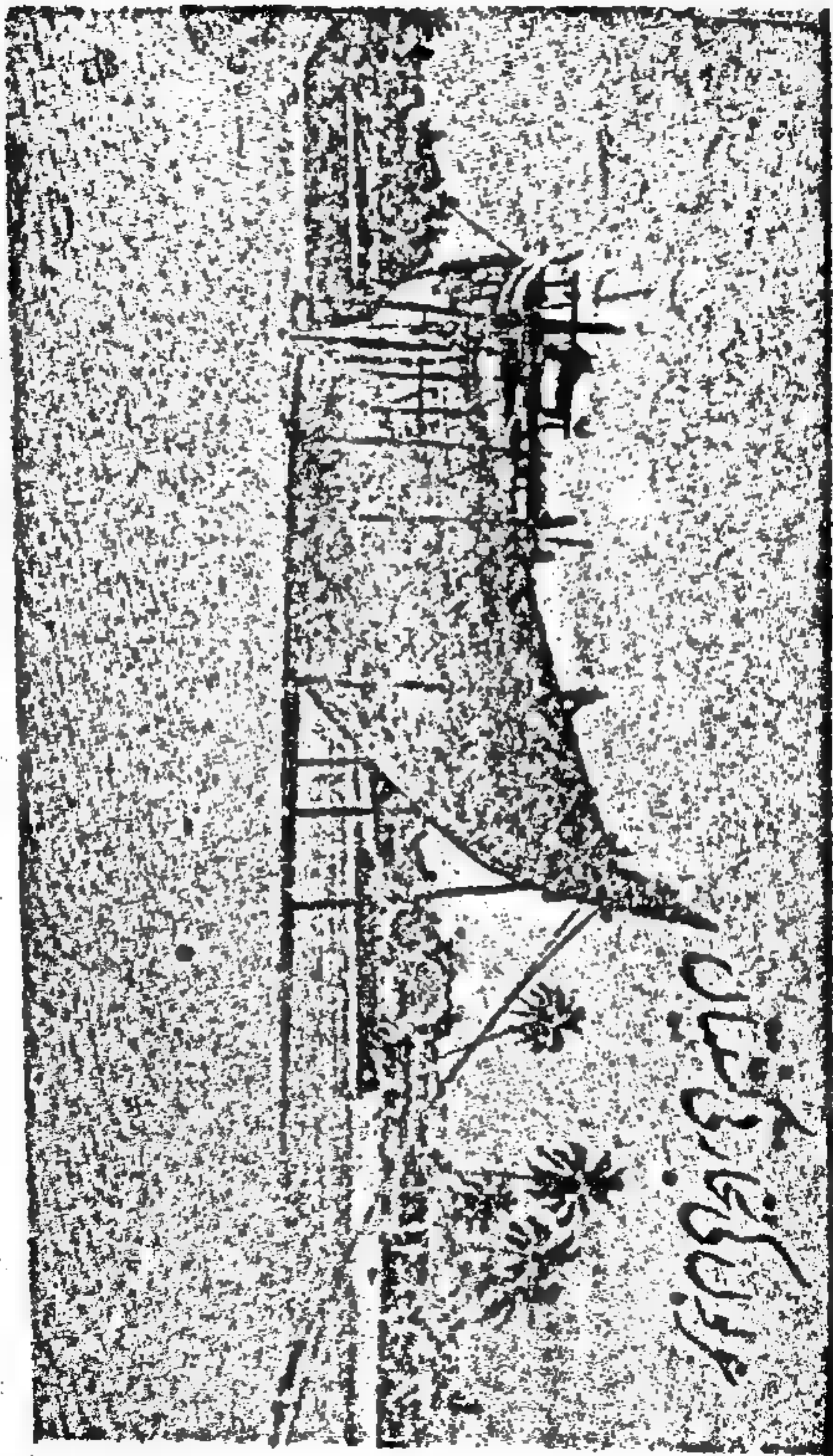
چلغوزہ، اخروٹ، کشمش وغیرہ کافی مقدار میں باہر جاتے ہیں۔ تازہ پھل کوئٹہ یا پشاور تک آجاتے ہیں۔ لیکن ان کی وسیع پیمانہ پر تجارت کا ابھی تک کوئی انتظام نہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومت افغانستان اسکا بھی انتظام کرے کہ انگور۔ سردے۔ خربوزے۔ تربوز۔ خوبانی۔ آڑو۔ انار۔ شہتوت وغیرہ جو سب اعلیٰ درجے کے بیحد شیریں ہوتے ہیں۔ انہیں ٹین کے ڈبوں میں کھانڈ کے شیرہ میں ملا کر اسٹریلین اور امریکن جام ڈبوں کی طرح فروخت کیا جائے۔ فروٹ کو ٹین کے ڈبو میں سائنٹفک طریق پر بند کر کے بھجوانے کا کارخانہ ایک دو لاکھ روپے سے شروع ہوسکتا ہے جسکی کامیابی پر یہ کام لاکھوں روپے اس پھل کی قیمت وصول کر سکتا ہے جو ہر سال ضائع ہو جاتا ہے۔ اگر افغانستان کے سوداگر اس صنعت کو ہاتھ میں لیں تو مالا مال ہوسکتے ہیں۔ کیونکہ افغانستان کا پھل اسٹریلین۔ امریکن اور افریقہ کے پھلوں سے زیادہ خوشگوار اور خوش ذائقہ ہے۔ کچھ عرصہ گذرا افغانستان کے چند تاجروں نے اسکی کوشش بھی کی تھی۔ مگر وہ زیادہ بار آور نہ ہوسکی کیونکہ کام سائنٹفک طریقہ اور حسب ضرورت سرمایہ سے شروع نہیں کیا گیا تھا۔ یہ صنعت بھی افغانستان میں اولی درجہ حاصل کر سکتی ہے۔ اگر اس پر پوری توجہ دی جائے۔

افغانستان میں تجارتی کمپنیوں کا قیام ابھی ابتدائی حالت میں ہے ابھی تک چند کمپنیاں ہی قائم ہوئی ہیں۔ جن کے ذریعہ بجلی کا کارخانہ۔ کپڑے کا کارخانہ۔ بوٹ سازی۔ صابون سازی۔ دیا سلائی کا کارخانہ چلایا جا رہا ہے

افغانستان ہلکے قسم کے قالین بھی تیار کرتا ہے۔ جنکی ہندوستان میں بڑی کھپت ہے کیونکہ یہ ارزاں قسم کے ہوتے ہیں۔ اسلیئے آسانی سے

فروخت ہوجاتے ہیں۔ جنگ سے قبل ان کی قیمت لاہور میں پچاس روپے ہوتی تھی۔ اور اب سو روپے ہے۔ دیکھنے میں خوبصورت اور پائدار ہیں۔ اگر افغان اس صنعت کو فروغ دے سکیں تو یہ قالین بہت جلد ہندوستان میں مقبول ہوجائینگے۔

افغانستان اور پاکستان اسلامی ممالک کی اُس کڑی میں جو مراکش سے لیکر بنگال۔ جاوا اور چین تک پھیلی ہوئی ہے۔ دو ایسی حکومتیں ہیں۔ جنہیں آپس میں زیادہ سے زیادہ روابط اور تعلقات قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ اور وہ افغانستان اور پاکستان ہیں۔

افغانستان مشرق کا سوئٹزرلینڈ ہے۔ اسکی سرحدات دو سمتوں میں روس اور ایران کے ساتھ ہیں۔ جہاں افغانستان کی تجارت اور آمدورفت بالکل ادنیٰ حالت میں ہے۔ لیکن دو سمتوں میں اُسکی تجارت درآمد و برآمد اور آمدورفت کا زیادہ سلسلہ جاری ہے۔ یہ پاکستان سے متعلق ہیں۔ افغانوں کی تجارت درۂ خیبر کے راستہ پشاور درۂ بولان کے راستہ کوہاٹ ٹل۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان اور قندھار کے راستہ کوئٹہ سے ہوتی ہے۔ یہ تمام تجارتی مرکز پاکستان کے اہم ترین سرحدی اضلاع ہیں۔ اس کے علاوہ کراچی کے راستہ ہی سے افغانستان کو یورپ سے آمدہ مال اور بھاری مشینری روانہ ہوتی ہے۔ گویا پاکستان افغانستان کی لائف لائن (شاہراہ زندگی) کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیئے دونوں حکومتوں میں اتنے قریبی تعلقات ہیں جو پاکستان کو دوسرے ممالک کے ساتھ وابستہ نہیں کرتے۔

افغانستان اپنی ضروریات کا نوّے ۹۰ فیصدی پنجاب سے حاصل کرتا ہے۔ اور اسی سے زیادہ تر اس کی تجارت ہے۔ اس لیئے ضرورت اس امر

کی ہے کہ افغانستان اور پاکستان میں زیادہ سے زیادہ دوستانہ و رفیقانہ تعلقات قائم ہوں۔

پاکستان کے سرمایہ داروں اور ماہرین فن کو افغانستان کی کانوں کی کھدائی اور دوسرے تجارتی و صنعتی اجاروں کو ترقی دینے میں پوری پوری امداد کرنی چاہیئے۔ اور ایسی شرائط پر کام کرنا چاہیئے۔ جس سے افغانستان کو بھی ہر طرح سے مالی و اخلاقی فوائد حاصل ہوں۔

افغانستان کی فوجی قوت ابھی ابتدائی حالت میں ہے۔ اور اس میں بڑی کوشش اور ترقی کی ضرورت ہے۔

افغانستان کے بڑے بڑے شہر یہ ہیں۔

کابل۔ آبادی ایک لاکھ۔ قندھار۔ ساٹھ ہزار۔ مزار شریف ۲ ہزار ہرات تیس ۳۰ ہزار۔

حکومت افغانستان کی حکومت شخصی ہے۔ لیکن حکومت کا کام مختلف وزیروں کے سپرد ہے۔ ہر وزیر اپنے صیغہ کا انچارج ہے اور تمام وزیر وزیر اعظم کے سامنے جوابدہ ہیں۔

امان اللہ خان کے کابل سے فرار ہو جانے کے بعد جب کہ ظالم بچہ سقہ نے افغانستان پر قبضہ کر لیا تھا۔ اعلیٰ حضرت نادر شاہ نے بڑی جانجوکھوں کے بعد دوبارہ کابل پر قبضہ کیا۔ اور افغانستان میں آزادی کا پرچم لہرایا۔

اعلیٰ حضرت کی شہادت پر اعلیٰ حضرت ظاہر شاہ تخت حکومت پر جلوہ افروز ہوئے۔

ظاہر شاہ پابند صوم و صلوٰۃ صالح اور خلیق نوجوان ہیں۔ آپ امور

سلطنت میں بڑی دلچسپی لیتے اور قوم و ملک کی فلاح و بہبود کی بڑی کوشش فرماتے ہیں آپ کے عہد میں افغانستان میں بہت سی ترقی ہوئی ہے۔ تعلیم کو وسعت دینے۔ سڑکوں کی تعمیر اور دوسرے تعمیری کاموں میں بڑی کاوش سے کام لیا جا رہا ہے۔ ڈاک اور تار کا انتظام قابلِ تعریف ہو گیا ہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی جو علامہ سر اقبال ؒ کے ہمراہ اعلیٰ حضرت نادر شاہ شہید کے عہدِ حکومت میں افغانستان تشریف لے گئے تھے اپنے سفرنامہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"ڈاکٹر علامہ سر اقبال ؒ (جو اس سفر میں موجود تھے) نے اس موقع پر ایک عجیب بات فرمائی جو حالات کے لحاظ سے یقیناً متوقع ہے۔ فرمایا "کہ یورپ نے اپنی اس نئی ترقی میں اپنا سارا زور بحری قوت پر صرف کیا اور ہر قسم کی تجارتی آمد و رفت اور سیر و سیاحت کے راستے رکھے۔ اور اپنے انہیں جہازوں کے ذریعہ سے مشرق کو مغرب سے ملا دیا۔ لیکن اب یہ نظر آ رہا ہے کہ ان بحری راستوں کی یہ حیثیت جلد فنا ہو جائیگی۔ اب آئندہ مشرقِ وسطےٰ (سنٹرل ایشیا) کا راستہ مشرق و مغرب کو ملائے گا۔ اور تری کی بجائے خشکی کا راستہ اہمیت حاصل کر لیگا۔ تجارتی قافلے اب موٹروں۔ لاریوں ہوائی جہازوں اور ریلوں کے ذریعہ مشرق و مغرب میں آئیں جائینگے چونکہ یہ پورا راستہ اسلامی ملکوں سے ہو کر گذرے گا۔ اس لیئے اس انقلاب سے اِن اسلامی ملکوں میں عظیم الشان اقتصادی و سیاسی انقلاب رونما ہو گا۔ اس وقت پہلے کی طرح پھر افغانستان کو دُنیا کی شاہراہ بننے کا موقعہ ملیگا۔ اس کے لیئے ابھی سے اس کو تیاری کرنی چاہیئے۔"

علامہ اقبال ؒ کا یہ ارشاد بے حد اہمیت رکھتا ہے۔ اب جبکہ پاکستان

کا تعلق ایک سمت سے افغانستان اور دوسری سمت سے ایران سے مل جائے۔ یہ تجارتی شاہراہیں۔ موٹر۔ ریل۔ اونٹ اور گھوڑوں بلکہ ہوائی جہازوں کے ذریعہ پھر کھل جائیں گی۔ جن سے اسلامی ممالک کی تجارتی۔ اقتصادی اور سماجی نظام کو حیرت انگیز تقویت پہنچے گی۔

سلطان شہید (حضرت نادر شاہ مرحوم) نے سید سلیمان ندوی کے ذریعہ ہندوستانی مسلمانوں کے نام جو پیغام بھیجا تھا وہ سید سلیمان ندوی کے الفاظ میں ہی نقل کیا جاتا ہے۔

"آخر میں شاہ موصوف نے فرمایا کہ آپ ہندوستان جا کر میرے بھائیوں کو یہ پیغام پہنچا دیجئے۔ کہ آج ہم کو اور آن کو اتفاق اور اتحاد کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ ایک دوسرے پر نکتہ چینی کے بجائے ایک دوسرے کی حالت کو درست کرنے میں معاونت کی جائے تو بہتر ہے۔"

اعلیٰ حضرت نادر شاہ شہید کا مندرجہ بالا پیغام آج بھی ہندوستانی مسلمانوں اور افغانوں کے لیئے اپنے اندر ایک خاص جذب و اثر رکھتا ہے۔ اور ان مختصر الفاظ میں وہ پیغام مضمر ہے جو دونوں قوموں کی سربلندی اور ترقی کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ یہ پیغام ایک جامع پیغام ہے۔ جس کے مطالب و معنی ایک ضخیم کتاب سے بھی زیادہ محیط و مؤثر ہیں۔

پاکستانی سرحدی قبائل

پاکستان کی سرحد پر افغانستان اور پاکستان کے درمیان ایک وسیع خطہ اراضی موجود ہے۔ جس میں آزاد قبائل رہتے ہیں۔ ان قبائل میں مسعود۔ وزیری زیادہ مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے قبائل ہیں۔ بعض کی حالت تو ریاست کی سی ہے۔ جہاں ایک فرد واحد حکومت کے فرائض ادا کرتا ہے۔ مثلاً چترال جہاں مہتر چترال سریر آرائے حکومت ہیں۔ بعض جگہ جرگہ کی حکومت ہے جو فیصلہ جرگہ کر دے وہ قبائل پر نافذ العمل ہو جاتا ہے۔

پاکستان کی سرحد پر آزاد قبائل اور آزاد سرزمین کا وجود مبارک ہے آج سے قبل افغانستان کی اسلامی سلطنت اور ہندوستان کی انگریزی حکومت کے درمیان یہ علاقہ "غیر علاقہ" کہلاتا تھا۔ جس پر درحقیقت نہ افغانستان کی حکومت تھی اور نہ برطانیہ کی۔ بلکہ وہاں قبائل کی اپنی حکومت تھی۔ اس کے باوجود ان قبائل نے برطانوی حکومت سے دوستانہ تعلقات رکھے ہوئے تھے اور کئی قسم کا لین دین جاری رہتا تھا۔ اب حالت دوسری ہے۔ اب سرحدی قبائل کے سامنے ایک آزاد اسلامی حکومت ہے اب نہ وہ اسے غیر حکومت سمجھ سکتے ہیں۔ نہ ہم قبائل کے علاقہ کو اب "غیر علاقہ" کہہ سکتے ہیں۔ مسلمان سب بھائی بھائی ہیں۔ اپنے خاص حقوق و مراعات

کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہر مسلمان دوسرے کی فلاح و بہبود میں حصہ لیتا ہے۔ قبائل ہمارے ہیں اور ہم اُن کے ہیں۔ قبائل نے ہماری ضروریات کی بہم رسانی میں ہماری امداد کرنی ہے۔ اور ہم نے اُن کی ضروریات کو پورا کرنے کی سعی کرنی ہے۔ ایک دوسرے کے دُکھ سُکھ میں شریک ہوتا ہے۔ اور یہی اسلام کی شان ہے۔

آزاد قبائل کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ اُن کے ہاں تجارت اور کھیتی بڑی کم ہوتی ہے۔ اس لیئے اُن کے ذرائع آمدنی محدود ہیں اور ضروریات زیادہ ہیں۔ اس مقصد کے لیئے پاکستانی حکومت کو ایسے ذرائع اختیار کرنے ہونگے۔ جن سے آزاد قبائل کے ہاں جس چیز کی کمی ہے وہ احسن طریقہ سے پوری ہوتی رہے۔ قبائل میں ابتدائی تعلیم معہ دستکاری کے مدارس کھولنے ہونگے۔ سڑکوں کے جال کو وسعت دینی پڑے گی آزاد علاقہ میں جسقدر کانیں ہیں اُن کی کھدائی ایسے پیمانے پر ہونی چاہیئے جس سے سرحدی نوجوانوں کو کام اور کانوں کے ذخائر سے برآمد شدہ دولت کا حصہ مل سکے اور وہ مالامال ہو جائیں۔ سرحد میں بندوق سازی کے جو کارخانے ہیں۔ اُنہیں وسعت اور ترقی دینی چاہیئے۔ وہاں ہر قسم کی بندوقیں پستول تلواریں۔ اور ہلکی توپیں ڈھالی جاسکتی ہیں۔ انہیں کارخانوں کو جو نہایت ابتری کی حالت میں اعلیٰ قسم کا مال تیار کرتے ہیں۔ ترقی دینا ہر طرح سے دانشمندانہ فعل ہوگا۔ حکومت پاکستان کو ہر ایسے کارخانہ کو مال تیار کرنے کا آرڈر دینا چاہیئے۔ جس سے وہ لوگ فائدہ حاصل کرسکیں۔ صوبہ سرحد اور غیر علاقہ میں اعلیٰ قسم کے لوہے کی کانیں ہیں۔ اور انہی سے سرحدی قبائل فولاد تیار کرکے بندوقیں تیار کرتے ہیں۔ ان کانوں سے سائنٹفک

اصولوں کے مطابق لوہا نکالنے اور ڈھالنے کے بعد اس دستکاری میں کافی سے زیادہ ترقی ہو سکتی ہے۔ ماہرین فن کی ایک جماعت ان علاقوں کا دورہ کر کے غور کر سکتی ہیں کہ وہاں کس کس قسم کے کارخانے بنائے جا سکتے ہیں۔

ہمیں توقع ہے کہ سرحدی قبائل، وہاں کے جرگے اور وہاں کے صاحبِ اقتدار اربابِ ریاست پاکستان کے ساتھ ایسے ہی مساوی برادارانہ تعلقات رکھینگے جو اسلامی سپرٹ میں صحیح تعاون کے مترادف ہوں گے۔ اور دونوں ایک دوسرے کے قوتِ بازو بنینگے۔

ایرآن

ایران قدیم ترین ملک اور رستم و اسفندیار کی زمین ہے۔ اسے فارس بھی کہتے ہیں۔ اسلامی فتوحات کے اس سیلاب نے جو مشرق کی طرف بڑھنا شروع ہوا تھا۔ سب سے اول اسی ملک پر قبضہ کیا تھا۔

ایرآن۔ عراق و عرب، افغانستان اور بلوچستان کے درمیان ایک وسیع مملکت ہے۔ جس کا رقبہ ۱۶ لاکھ مربع میل اور آبادی ڈیڑھ کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ ایرانی وسط ایشیا کی قدیم آریائی نسل سے ہیں۔

ایرآن کی آبادی شہروں اور قصبوں میں سوا کروڑ کے قریب ہے لیکن قبائلی حلقوں میں بھی ۲۵ لاکھ آدمی مختلف سمتوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان قبائل میں کرد۔ لرز۔ بختیاری اور کشنگیس زیادہ مشہور ہیں۔ یہ زردکوہ کے پہاڑی علاقوں میں رہتے ہیں۔ یہ قبیلے ہندوستان کے سرحدی قبائل کی طرح آزاد اور ہتھیار بند ہیں۔ لیکن اب مرکزی حکومت سے ان قبائل کے ایسے روابط ہو گئے ہیں کہ وہ اس کا حکم بھی مانتے ہیں اور اندرونی طور پر آزاد بھی ہیں۔

قدیم زمانہ میں ایران ہی کے راستہ سے سکندر اعظم نے ہندوستان پر حملہ کیا تھا۔ اُسکے بعد ایران کے راستہ ہی سے جناب محمدؐ بن قاسمؒ نے سندھ پر حملہ کر کے اُسے حلقہ بگوش اسلام بنایا تھا۔

چنگیز خان اور تمر لنگ نے بھی ایران کے راستہ ہی سے یلغار کی تھی۔ اِس زمانہ میں بھی امریکہ اور انگلستان نے ایران کے راستہ سے روس کو امداد پہنچا کر تباہ ہوتی ہوئی روسی حکومت کو بچایا اور دوسری جنگِ عظیم جیت لی۔ گویا ایران کا راستہ ہر زمانہ میں فوجی یلغاروں اور حملوں میں ایک خاص اہمیت رکھتا رہا ہے۔ اور اب بھی یہ راستہ افریقہ کے عربوں کو مصر و حجاز و ترکی سمیت ہندوستان و افغانستان سے ملانے کی ایک اہم ترین کڑی ہے۔ اسلیئے اسلامی ممالک کا متفقہ فرض ہے کہ وہ اُن تمام ممالک کی آزادی اور ترقی میں کوشاں رہیں۔ جو اِس سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

مغربی ممالک کی اولوالعزمی اور ہمت ملاحظہ ہو کہ ۱۴ ہزار میل کا سفر طے کر کے امریکن فوجیں اور لاکھوں ٹن سامان ایران کے راستہ روس پہنچایا جاتا تھا۔ اور یہ سلسلہ اِس خوبی سے قایم تھا کہ ہر روز نیا صامان پہنچتا رہتا تھا۔ جو بذریعہ ریل آگے بھجوا دیا جاتا تھا۔

ایران میں ریلوے لائن عجیب طریقہ سے تیار ہوئی تھی۔ ایران کے شمال میں روسی ریلوے تھی اور جنوب میں انگریزی ریلوے لائن آبادان کے تیل کے چشموں پر موجود تھی۔ جس کا سلسلہ عراقی ریلوے سے ملا ہوا ہے۔ ایرانی حکومت کو فکر لاحق ہوئی کہ اِن دونوں میں سے کسی کی ریلوے لائن سے ایران کی ریلوے لائن نہ ملائی جائے۔ چنانچہ انہوں نے شمالاً جنوباً ریلوے لائن نہیں بنائی بلکہ وسط ایران سے شرقاً غرباً مشہد کی طرف ریلوے لائن بنائی اور اِس کا تعلق کسی بھی سلسلہ قایم نہ کیا۔ یہ ریلوے لائن سنہ ۱۹۳۸ء میں مکمل ہوئی تھی۔ یہ ریلوے لائن

تبریز سے زنجان - قوزدین - طہران - فرح - سمنان - سبزوار اور مشہد تک جاتی ہے۔ مشہد سے افغانی علاقہ کا مشہور شہر ہرات صرف دو اڑھائی سو میل کی مسافت پر ہے۔

امریکن فوجی ضروریات کیلئے جو ریلوے لائن تیار کی گئی ہے وہ بندر شاہ پور سے آہواز - انڈے مسکخ - سلطان آباد - قوم - اور طہران تک جا پہنچی ہے۔ وہاں سے وہ بحیرۂ خضر (کیسپین سی) روس تک جا پہنچتی ہے۔ یہ ریلوے لائن ۸۶۰ میل لمبی ہے۔ اور ۲۲۰ پہاڑی (ٹنل) سرنگیں طے کرتی ہے۔ جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کتنا مشکل کام کتنی سرعت سے مکمل کیا گیا ہے۔ یہ ریلوے لائن بھی اب ایرانی حکومت کی ملکیت ہو گئی ہے۔

ان ریلوے لائنوں کے علاوہ ایرانی حکومت گذشتہ ۲۰ سال کے عرصہ میں لاتعداد سڑکیں تیار کرائی ہیں۔ جو ہر قصبہ اور ہر بڑے شہر کو باہم ملاتیں، قافلوں اور موٹروں کی آمد و رفت کیلئے بہت مفید ثابت ہو رہی ہیں۔ ان سڑکوں پر ہوٹل - سرائیں - اور آرام دہ بنگلے جگہ بہ جگہ پائے جاتے ہیں۔

ایران کا طرز حکومت جمہوریت اور ملوکیت کا مرکب ہے پارلیمنٹ بھی موجود ہے اور بادشاہ بھی - مگر حقیقت میں پارلیمنٹ بادشاہ کے تابع ہے گویا یہ آئینی ملوکیت کی ایک صورت ہے۔

ایران کی جدید حکومت نے تمام مذاہب کو آزادی دے رکھی ہے یہی وجہ ہے کہ ایران میں ارمنی - یہودی - یزدی (شیطان پرست) سب ہی آزادی سے رہتے ہیں۔ اور دوران جنگ میں کئی ہزار پولز (پولینڈ کے باشندے) بھی ایران میں سکونت اختیار کر چکے ہیں۔

شیعہ اور سُنی کو یکساں حقوق حاصل ہیں۔ اور اب مذہبی تعصب اور منافرت نام کو بھی نہیں پائی جاتی۔ بلند خیالی اور آزادی رعایا اور حکومت کا طرۂ امتیاز ہے۔

ملک میں تعلیم کے لیئے بڑی کوشش کی جارہی ہے۔ لڑکیوں اور لڑکوں کو تعلیم دینے کا یکساں انتظام ہے۔ پردے کی شدت خود بخود دور ہو گئی ہے۔ لڑکیوں کے جداگانہ سکول اور کالج بھی ہیں۔ اور چند نشستیں پارلیمنٹ میں بھی عورتوں کے لیئے مخصوص ہیں۔ صغیر سنی کی شادی مفقود اور کثرت ازدواج کی حوصلہ شکنی کی جارہی ہے۔ عورتیں ملک کی ترقی میں بڑی گرم جوشی سے حصہ لے رہی ہیں۔

ایران میں اخبارات بکثرت شائع ہوتے ہیں۔ کھیل کود تھیٹر، سینما، اوپیرا۔ ہوٹل سب کچھ لوازماتِ تفریح موجود ہیں۔

ایران کا ملک ہندوستان کی طرح زرعی ہے۔ ایران کے ۸۵ فیصد مرد اور عورت کھیتی باڑی میں حصہ لیتے اور یہی اُن کی زندگی کا دلچسپ مشغلہ اور ذریعۂ آمدنی بھی ہے۔ ایران میں ہر شخص کا انتہائے خیال "دیوار والا باغ جس میں اپنا کنواں ہو" ہوتا ہے۔ شہروں کے ساتھ ساتھ آپ کو ہزاروں دیوار والے باغ ملینگے۔ جن میں کوئیں ہیں۔ کھیتی باڑی ہوتی ہے۔ اور پھولوں اور پھلوں کے درخت ہوتے ہیں۔ نہریں۔ چشمے اور تالاب بکثرت ہیں۔ ہر جگہ پانی کی افراط نظر آتی ہے۔

ایران کی آب و ہوا میدانی علاقوں میں گرم اور پہاڑی علاقوں میں کم ہے۔ بعض میدانی علاقوں میں تو درجہ حرارت ۱۲۵ ہوتا ہے۔ اور پہاڑوں پر برف جمی رہتی ہے۔

ایران کی سب سے بڑی صنعت قالین بافی ہے۔ وہاں بڑی بڑی قیمتوں کے اعلیٰ قالین تیار ہوتے ہیں۔ جن کا مقابلہ ابھی تک دُنیا کے کسی ملک میں نہیں کیا جا سکا۔ اسکے علاوہ ریشم کے کارخانے بھی موجود ہیں۔

دیگر ضروریات کیلئے دیا سلائی۔ چمڑا۔ صابون۔ بٹن اور خوشبوؤں وغیرہ کے کارخانے بھی ہیں۔

ایران کے جنوب میں آبادان کے مقام پر انگریزوں نے پیٹرول کے چشموں کا اجارہ لے رکھا ہے۔ قریباً ۴ لاکھ پونڈ ہر سال رائلٹی شاہِ ایران کو دی جاتی ہے۔ حکومت ایران اس رائلٹی میں اضافہ چاہتی ہے۔ شمالی ایران میں جو تیل ہے۔ ابھی اُسکی برآمد کا انتظام نہیں ہو سکا روس وہاں اجارہ داری چاہتا ہے۔ مگر اُسکا کچھ اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ وہ جہاں پاؤں جمالے اُسے نکالنا مشکل ہو جاتا ہے۔

ایران کے مشہور شہر یہ ہیں۔ طہران۔ اصفہان۔ تبریز۔ مشہد شیراز۔ کرمان شاہ۔ قزوین۔ رشت۔

چند اچھی بندرگاہیں بھی ہیں۔ لیکن بحری فوج یا بحری بیڑا ابھی بمنزلہ صفر ہے

طہران دار الخلافہ ہے۔ اس کی آبادی چھ سات لاکھ ہے اور جدید و قدیم طرز کا نمائندہ ہے۔

طہران میں بڑی بڑی عالیشان عمارتیں ہیں۔ شاہی محلات۔ پارلیمنٹ اور سرکاری دفاتر۔ ایرانی یونیورسٹی۔ نیشنل بنک۔ عجائب گھر۔ باغات کھیل کود کے میدان۔ کلب۔ کونسل خانے اور روبیرا زیادہ معروف جگہیں ہیں۔

طہران میں ہوائی جہازوں کے اڈے بکثرت ہیں یہ اڈے شہر کے اندر بھی کئی جگہ ہیں۔ اور طہران کا کلب دنیا بھر میں مشہور ہے۔

طہران میں پانی کا انتظام خوب ہے یہ ندیوں اور نالیوں کے ذریعہ ۳ میل کے فاصلہ سے آتا اور ہر گلی کوچہ۔ بازار اور باغ میں سے گذرتا ہے طہران میں ایک قدیم بازار ایسا ہے۔ جو بہت طویل اور عریض ہے اور یہ اوپر سے مسقف ہے۔ یعنی چھت سے ڈھانپا گیا ہے۔ یہ بازار ایک عجوبۂ روزگار ہے۔ اس میں پھل۔ برتن۔ گھڑیاں۔ قالیچے۔ جواہرات کپڑا فروخت ہوتا ہے۔ اور اس کے نیچے پیدلوں کے علاوہ سوار اور اونٹ تک گذرتے رہتے ہیں۔

شہنشاہ ایران کا نام محمد علی رضا پہلوی ہے۔ آپ ۱۹۴۱ء میں انیس سال کی عمر میں تخت پر بیٹھے تھے۔ آپ نے اپنی تعلیم سوئٹزرلینڈ میں حاصل کی تھی۔

آپ کی شادی شاہ مصر کی ہمشیرہ شہزادی فوزیہ سے ہوئی تھی جس سے عربی و ایرانی خون باہم مل گیا ہے۔ اور دو اسلامی ملکوں میں مزید روابط و اتحاد کے وسائل پیدا ہوئے ہیں۔

ایران کی فوج کی تعداد دو لاکھ ہے جو جدید ہتھیاروں سے مسلح ہے۔ ان دنوں امریکہ سے کئی کروڑ کا ہلکا پھلکا سامان اس فوج کے لیئے خریدا جا رہا ہے۔

جنگ کے دوران میں ایرانی سلطنت اور رعایا نے کافی روپیہ کمایا ہے۔ جس سے ملک کی مالی حالت بہت بہتر ہو گئی ہے۔

مشرقِ بعید

چین - جاوا سماٹرا ہند چینی و برما

اسلام اور چین کے تعلقات ابتدائے اسلام سے قائم ہو گئے تھے۔ چین میں اسلام تبلیغ سے پھیلا اور وہاں کسی مسلمان فاتح کے قدم نہیں گئے۔

چین میں ہزاروں مساجد ہیں سب سے پرانی مسجد حضرت سید ابو وقاص کے نام سے ہے۔ چین کے مسلمانوں کا لباس اور طرزِ بود و باش چینیوں کی طرح سے ہے اسلیئے انہیں شناخت کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ البتہ چینی مسلمان خنزیر کا گوشت نہیں کھاتے اور نہ ہی اسکی چربی استعمال کرتے ہیں۔ یہ لوگ گھروں میں یا مساجد میں نماز پڑھتے ہیں۔ چینی مسلمان شادی بیاہ بھی آپس میں ہی کرتے ہیں۔

چینی مسلمانوں کی تعداد کے متعلق بڑا اختلاف ہے۔ بعض نے دو کروڑ بتلائی ہے اور بعض نے چھ کروڑ۔ لیکن ۴ کروڑ پر تو بہت سے محققین کا یقین ہے۔ اسلیئے چینی مسلمانوں کی تعداد چار کروڑ کے لگ بھگ سمجھنی چاہیئے۔

۱۹۴۸ء میں مسلمانوں کی سیاسی و معاشرتی انجمنوں کی تعداد ۲۰ تھی۔ چینی مسلمان اعلیٰ تعلیم کیلیئے جامع ازہر مصر اور استنبول ترکی جاتے ہیں۔ ایران میں بھی کئی چینی طلباء حصول تعلیم کیلئے گئے ہیں۔ حکومتِ چین نے سرکاری طور پر اسلامی کلچر کو نصاب تعلیم میں داخل کر لیا ہے۔

تبت میں مسلمانوں کی تعداد دو لاکھ ہے اور برما میں چھ لاکھ۔ البتہ جاپان

میں مسلمانوں کی تعداد پانچسو سے زائد نہیں۔ چین اور برما کے بعد سب سے بڑی اسلامی جماعت انڈونیشیا میں ہے۔ لیکن باقی ریاستوں مثلاً انڈوچائنا میں ایک لاکھ۔ برٹش ملایا میں ۳۰ لاکھ۔ سیام میں تین لاکھ مسلمان ہیں۔

انڈونیشیا انڈونیشیا جزیرہ نما جاوا سماٹرا۔ بورنیو۔ سیلی بس۔ مولوکاس اور نیوگنی کے ایک حصہ پر مشتمل ہے۔ یہ تمام علاقے برما اور انڈوچینی وسیام کے نیچے ہیں۔ اور بے حد اہمیت رکھتے ہیں۔

ابتدا میں یہاں ہندوؤں اور بدھوں کی حکومت تھی۔ پھر عرب تاجروں نے ان جزیروں میں تجارتی کاروبار شروع کیا اور آہستہ آہستہ وہاں دین اسلام پھیلا اور بالآخر وہاں مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔ مسلمانوں کے دور کے بعد وہاں ہالینڈ والوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی قائم کر کے تجارتی اغراض سے کام شروع کیا اور آہستہ آہستہ قابض و متصرف ہو گئے۔ دو صدیاں انکی حکمرانی رہی۔ اب انڈونیشیا سٹیٹس آزادی کا اعلان کر رہی ہے۔ اور ایشیا کے اس آخری گوشہ پر چھ کروڑ فرزندانِ توحید کی ایک نئی سلطنت جنم لے رہی ہے۔ یہ حصہ بعض جیزوں کی بہم رسانی کیلئے بے حد زرخیز و زر ریز ہے۔ یہ سلطنت بہت جلد منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوگی۔ انشاء اللہ۔

۱۹۱۲ء میں مسلمانوں نے شرکتِ اسلام کے نام سے ایک سیاسی انجمن کی بنیاد رکھی تھی۔ ڈاکٹر احمد سکارنو۔ ڈاکٹر محمد ہاٹا اور شہریار اسکے بڑے سرگرم کارکن تھے۔ اور آج یہی لوگ انڈونیشیا کی حکومت کے بڑے کارکن ہیں۔

انڈونیشیا سٹیٹس میں دنیا کی ۱۹ فی صدی کونین پیدا ہوتی ہے۔ اسکے علاوہ چینی قہوہ۔ روغن زیتون۔ کالی مرچ (دنیا کی ۸۰ فیصدی) کھانڈ (۷۰ فیصدی) ربڑ (دنیا کا ۳۰ فیصدی) اور پیٹرولیم نکلتے ہیں۔ انڈونیشیا مشرق بعید میں اسلام کا بہت بڑا ابر اول لشکر ثابت ہوگا۔

یورپ میں اسلام

یورپ میں اسلام کا داخلہ دو راستوں سے ہوا۔ ایک اسپین کے راستہ سے اور دوسرا قسطنطنیہ کے راستہ سے۔

اسپین (ہسپانیہ) میں اسلام عربوں کے ذریعہ سے داخل ہوا ایک مسلمان جرنیل طارق کی سرکردگی میں عربوں کی ایک فوج جبل الطارق کے مقام پر سمندر کو عبور کر کے سپین میں داخل ہوئی۔

یہ واقعہ اوائل اسلام کا ہے۔ جبکہ عربوں نے شام، فلسطین، مصر عراق، ایران، آرمینیا، افغانستان دیائے سندھ اور وسطی ایشیا تک اپنی فتوحات کو وسعت دے لی تو پھر وہ ادھر متوجہ ہوئے۔ عربوں کے عروج کا یہ دوسرا دور کہلاتا ہے۔

جبرالٹر کا فوجی قلعہ وہی جبل الطارق ہے جو ایک مسلمان کے اسپین پہ فوجیں اُتارنے کی یاد میں رکھا گیا تھا۔ اور آج تک برابر چلا آرہا ہے طارق کی فوجوں نے جب اسپین میں قدم جما لیئے تو عربوں کی مزید کمک آگئی۔ اور آہستہ آہستہ عربوں نے سارے اسپین پر قبضہ کر لیا۔ اسپین پہ قبضہ کرنے کے بعد عربی فوجیں پائی رینز سے کوہ ایلپس تک اور برگنڈی سے لاٹر تک پھیل گئیں یہاں تک کہ سوئزرلینڈ میں جھیل لیمان تک ٹائرول اور لمبارڈی کے علاقوں

تک جا پہنچیں سسلی جو اٹلی کے جنوب میں ایک بہت بڑا جزیرہ ہے۔ اُس پر بھی عربوں کا قبضہ ہو گیا۔ ان تمام ملکوں میں عربوں کی فتوحات کے آثار پائے جاتے ہیں۔ اسپین میں عربوں نے کئی سو سال تک حکومت کی۔ اندلس کی تاریخ اور وہاں کے آثار قدیمہ عربوں کی حکومت کی شان وشکوہ کی یاد دلاتے ہیں۔

یورپ کے اس حصہ میں عربوں نے اپنے اقتدار کا ڈنکا بجایا تو دوسری طرف چند صدیوں کے بعد ترکوں نے قسطنطنیہ فتح کیا۔ یہ واقعہ سنہ ۱۴۳۶ کا ہے۔ اب اس راستہ سے اسلام یورپ میں داخل ہوا۔ ترکوں نے بلغاریہ، یونان۔ رومانیا اور یوگوسلاویہ پر قبضہ کر لیا۔ جن کے لیئے انہیں متعدد لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ یہاں تک کہ ڈینوب دریا کو عبور کر کے سنہ ۱۶۸۳ء میں ترکوں نے اسٹریا کے دارالخلافہ وائنا کا محاصرہ کر لیا۔ یہ ترکی کے یورپ میں بڑھتے جانے کی آخری حد تھی۔

ترک صدیوں تک بلقان پر قابض ومتصرف رہے۔ لیکن عربوں کی طرح انہوں نے بھی محکوم قوموں کو جبراً مسلمان نہیں کیا۔ اور یہ قومیں جوں کی توں قائم رہیں اور نہ صرف قائم رہیں بلکہ آج وہ ترکوں سے آزاد ہو کر خود مختار حکومتیں ہیں۔

ترکوں کے پاس یورپ میں ایک چھوٹا سا خطہ باقی ہے۔ جس میں قسطنطنیہ کا خوبصورت شہر ایڈریانوپل کا قلعہ اور شتلجہ کی دفاعی لائن ہیں ان کے علاوہ گیلی پولی اور درۂ دانیال کا یورپی ساحل بھی ترکی کے قبضہ میں ہے۔

یورپ سے ترکوں کا اقتدار اُٹھ جانے کے بعد بلقانی ریاستوں میں ترکوں کی اچھی خاصی تعداد باقی رہ گئی ہے۔ رومانیا جو انتہائی پرے دریائے

ڈینوب کے کنارے ایک بڑی سلطنت ہے۔ وہاں ترکوں کی تعداد ۲½ لاکھ ہے۔ بلگیریا میں ۹ لاکھ ترک ہیں۔ یونان میں ۲ لاکھ۔ یوگوسلاویہ میں مسلمانوں کی تعداد ۱۵ لاکھ ہے۔ ان میں ترک بھی ہیں اور سلاؤ بھی۔ یہ لوگ نماز روزہ کے پابند اور قرآنی احکام پر عامل ہیں۔ صرف عورتیں نقاب نہیں پہنتیں۔ حکومت میں بھی ان لوگوں کا کافی حصہ اور اثر و رسوخ ہے۔ البانیہ میں ۸ لاکھ مسلمان ہیں۔ اس ریاست کی کل آبادی دس لاکھ ہے باقی دو لاکھ عیسائی ہیں۔ اس وقت البانیا ایک آزاد خود مختار حکومت ہے۔ جس کا احوال اس سے آگے آئیگا۔

یوگوسلاویہ اور البانیا پر اس وقت روسی کمیونسٹوں کا اثر زیادہ غالب ہے۔ روس ان لوگوں کی روپے اور سامان سے امداد کر رہا ہے روس کا مقصد ہے کہ بلقان میں تمام ریاستیں اُس کے حلقہ میں آجائیں۔ لیکن ابھی تک یونان اور ترکی روس کے حلقۂ اثر میں نہیں آئیں۔ بلکہ وہ امریکہ اور انگلستان کے ساتھ ہیں۔ آئیندہ جنگِ عظیم کی آگ بھی بلقان ہی سے اٹھے گی۔

ان علاقوں کے علاوہ مسلمانوں کی ایک مختصر سی تعداد یورپ کے مختلف ممالک میں پھیلی ہوئی ہے۔ ان تمام کی مجموعی تعداد دو تین لاکھ کے لگ بھگ ہے۔

البانیہ ریاستہائے بلقان میں وہ بدقسمت ریاست ہے جو صدیوں سے قتل و غارت کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے۔ یہ ریاست ایک طرف یوگوسلاویہ اور دوسری طرف یونان سے گھری ہوئی ہے۔ تیسری طرف بحیرۂ ایڈریاٹک ہے۔ جس کے سامنے اٹلی کی سلطنت ہے۔ البانیا

کا محل وقوع ایسا اہم ہے کہ جو حکومت اس پر قابض ہو وہ ایڈریاٹک کی کنجی بردار سمجھی جاتی ہے۔ اور یہاں سے بحیرۂ روم میں گذرنے والے جہاز پر بھی کاری ضرب لگائی جا سکتی ہے۔

ترکی حکومت سے آزاد ہونے کے بعد البانیا کو کبھی چین نصیب نہیں ہوا۔ احمد زوغو اس کا آخری بادشاہ تھا۔ جو مسولینی کی چیرہ دستی کا نشانہ ہوا۔ اور اس نے انگلستان میں پناہ لی۔

البانیا کی آبادی صرف دس لاکھ ہے۔ جن میں مسلمانوں کی تعداد ۷۰ فی صدی سے کم نہیں۔ گویا یورپ میں یہ ایک اسلامی ریاست ہے البانیہ تند خو۔ جنگجو اور سخت مزاج مشہور ہیں۔ آبادی کا ۹۰ فی صدی دیہاتی اور پہاڑی علاقوں میں پھیلا ہوا ہے۔ جہاں تہذیب و تمدن کی روشنی کم پہنچی ہے۔ بھیڑ بکری کی کھالیں پہننا شکار کھیلنا یا کھیتی باڑی کرنا ان لوگوں کا مشغلہ ہے۔ تعلیم کی کمی ہے۔ اور غربت پھیلی ہوئی ہے۔

احمد زوغو کے عہد میں جب اٹلی کے ساتھ البانیہ کے تعلقات دوستانہ تھے۔ ملک میں کچھ چہل پہل نظر آنے لگی تھی۔ البانیہ کی کھالیں اور انسم کا پٹرول۔ دیگر معدنیات اور کروم پر اٹلی کی للچائی ہوئی نظر پڑ رہی تھیں۔ وہ ان چیزوں کو حاصل کر لیتا تھا۔ اور ان کے بدلے دیگر سامانِ ضرورت اور روپیہ فراہم کرتا تھا۔ احمد زوغو یگوسلاویہ سے اخلاقی اور فوجی مدد حاصل کرتا رہا۔ اور اٹلی سے روپیہ۔ لیکن جب اٹلی نے البانیہ پر قبضہ کر لینے کے لیئے حملہ کر دیا تو احمد زوغو بھاگ کر انگلستان چلا گیا مگر البانیوں نے اٹلی کا سختی سے مقابلہ کیا۔ اور اس کا منہ پھیر دیا۔ کہتے ہیں کہ بیس ہزار البانوی جان سے مارے گئے۔ مگر انہوں نے اٹلی کو ناکوں

چھنے چھوا دیئے۔ اٹلی کی ناکامی کے بعد جرمن فوجیں یوگوسلاویا کے راستہ سے بڑھیں۔ تو اس وقت البانیہ میں دو جماعتیں ہوگئیں۔ ایک تو جرمنی کے حق میں تھی مگر دوسری مقابلہ کرنا چاہتی تھی۔ یہ دوسری جماعت کمیونسٹ پارٹی تھی۔ اور بالآخر اسے کامیابی ہوئی اور آج البانیہ میں کمیونسٹ طرز کی حکومت ہے۔

البانیہ کا دارالخلافہ تیرانہ ہے۔ حکمران کا نام انور ہوک ہے۔ جو ایک مضبوط اور طاقتور حکمران ہے۔ اس کی عمر ۴۷ سال کی ہے۔ یہ تعلیم یافتہ جرنلسٹ اور ڈپلومیٹ تھا۔

انور ہوک کو اپنی حکومت کے قیام وحفاظت کے لیئے ساٹھ ہزار فوج رکھنی پڑتی ہے۔ اس کی پولیس بہت چاق وچوبند ہے۔ ریاست کا خرچ کثیر اور آمدنی کم ہے۔ کیونکہ جب تک اس کی معدنیات اٹلی خریدنی شروع نہ کردے اس کی حالت سدھر نہیں سکتی۔

حرفِ آخر

اسلامستان یعنی دنیائے اسلام میں ہم نے جملہ اسلامی سلطنتوں کے متعلق معلومات فراہم کی تھیں۔ مگر ان دنوں فسادات کی جو آگ پھیلی ہوئی ہے۔ انسانوں کا بے دھڑک قتلِ عام ہو رہا ہے۔ عورتیں، بچے، بوڑھے گاجر مولی کی طرح کٹ رہے ہیں۔ لاکھوں آدمی بے خانماں و برباد ہو کر پناہ لینے کے لیئے اِدھر اُدھر دوڑتے پھرتے ہیں۔ اسلیئے ہم نے کتاب سے بعض حصے خارج کر کے ان تین ضروری اعلانات کو جگہ دیدی ہے جو مسلمانوں کے تین ذمہ دار لیڈروں نے نشر کیئے ہیں۔ ان اعلانات میں سب کچھ ہے۔ مسلمانوں کی موجودہ حالت، انکو کیا کرنا چاہیئے۔ ہمارے ملک کو امن کی کتنی ضرورت ہے۔ امن سوز حرکات سے کتنا نقصان ہوگا۔ اور پھر یہ کہ پاکستان کے پانچوں صوبوں کے تمام افراد اس حکومت کی حفاظت میں سینہ سپر اور مسلمانوں کو بچانے میں جان و مال کی بازی لگائے بیٹھے ہیں۔ امید ہے کہ تمام مسلمان ان اعلانات و بیانات کو ٹھنڈے دل سے پڑھینگے۔ ان کی قدر و قیمت کو سمجھینگے اور نہ صرف خود ان پر عمل کرینگے۔ بلکہ دوسروں کو بھی مجبور و قائل کرینگے کہ ان اعلانات کی پوری پوری تعمیل ہونی چاہیئے۔

قائدِ اعظم محمد علی جناح کا فرمان

"مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کا جو قتلِ عام جاری ہے۔ اس کی خبریں بڑے

رنج والم کے ساتھ میں سن رہا ہوں۔ ہزار ہا مسلمانوں کو جن مظالم کا شکار ہونا پڑ رہا ہے۔ اس سے مجھے از حد تألم و تاسف ہو رہا ہے۔ کڑی آزمائش کے اس دور میں پاکستان کی سرحدوں کے اس پار مسلمانوں کو جن صبر آزما مشکلات اور مظالم کا شکار ہونا پڑ رہا ہے۔ اس کی تلافی الفاظ نہیں کر سکتے۔ اس ناگفتہ بہ حالت سے پاکستان میں بسنے والے مسلمانوں میں غم و غصہ اور تشویش کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ اس سے بھی میں بے خبر نہیں۔ ایسا ہونا قدرتی امر ہے۔ کیونکہ یہ مسلمانوں کے صبر کا امتحان ہے۔ ان واقعات سے مجھے از حد رنج ہوا ہے اور میں یہ اپنا فرض منصبی سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں سے اپیل کروں کہ وہ اپنی عقل و خرد سے کام لیں اور جلد بازی میں کوئی ایسی حرکت نہ کریں جس سے ان کی نئی ریاست پاکستان خطرے میں گھر جائے۔ میں یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ مشرقی پنجاب میں جو کچھ ہو رہا ہے ہم خاموشی سے اس کا مشاہدہ نہیں کر رہے۔ بلکہ مرکزی حکومت اور مغربی پنجاب کی حکومت نے اپنا اولیں فرض یہ سمجھ رکھا ہے کہ ان لوگوں کو بچایا جائے جو خطرہ زدہ علاقے میں ہیں۔ جو لوگ پاکستان آنا چاہتے ہوں۔ انہیں ہر مناسب مدد بہم پہنچائی جائے۔ تاکہ وہ خطرے کے علاقے سے نکل سکیں۔ اس کے بعد ان لوگوں کو کام پر لگانے کے لیئے تمام وسیلوں سے کام لیا جائے گا۔ ہم مشرقی پنجاب میں امن و امان قائم کرنے کے لیئے مرکزی حکومت ہندوستان کے ساتھ نامہ و پیام کر رہے ہیں۔ علاوہ ازیں مغربی پنجاب کی حکومت مشرقی پنجاب کی حکومت کے ساتھ اشتراک سے کام کر رہی ہے۔ تاکہ مسلمانوں کا کشت و خون اور بدامنی کو جلد از جلد بند کیا جا سکے۔ مغربی پنجاب کے مسلمانوں کو چاہیئے کہ صبر و تحمل سے کام لیں تاکہ بدامنی نہ ہو۔ کیونکہ اگر ایسا ہوا تو اس

سے پاکستان کی بنیادیں ہل جائیں گی جو حال ہی میں استوار ہوا ہے۔ میں مسلمانوں کو انکے دشمنوں سے خبردار کرنا چاہتا ہوں جو پاکستان کی بھلائی نہیں چاہتے۔ اور جنکی یہ خواہش ہے کہ پاکستان کی سرحدوں کے اندر بھی فسادات شروع ہو جائیں تاکہ پاکستان کا نظام درہم برہم ہو جائے اور قومی ترقی کا کام معرضِ التواء میں پڑ جائے۔ اگر مسلمانوں نے غم و غصہ میں بدلہ لینے کی کوشش کی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ دشمن کے ہاتھوں کھیل رہے ہیں۔ ایسا کرنے سے مسلمان مشرقی پنجاب میں بسنے والے بھائیوں کی مدد نہیں کر سکتے۔ بلکہ اس سے مزید بے قصور اور بے گناہ لوگ مارے جائیں گے۔ اور ہزارہا لوگوں کی مشکلات میں اضافہ ہوگا۔

میں یہ بات بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ قتل و غارت سے مسلمانوں کو ختم اور پاکستان کو تباہ کر سکیں گے وہ غلطی پر ہیں۔ اس سے وہ صرف معصوم لوگوں کی مشکلات میں اضافہ کرنیکے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتے۔ وہ اپنے فرقے کو بدنام کر رہے ہیں۔ اور مہذب دنیا ان کے اس انسانیت سوز حرکات کو دیکھ کر کانپ اٹھی ہے۔ میں پاکستان کے مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنے آپ کو مضبوط بنائیں اور اپنی قومی حکومت کی بنیادوں کو مستحکم کریں جسکے حصول کیلئے وہ قربانیاں دے چکے ہیں تاکہ پاکستان بہت جلد مضبوط اور مستحکم بنجائے۔ اور اقوام کی صف میں اپنا پُر وقار مقام حاصل کرے۔

میں خداوندِ کریم سے دعا کرتا ہوں جس نے پاکستان کو خود مختار بنایا اور مسلمانوں کو حکومت عطا کی کہ وہ مسلمانوں کو صبر و تحمل عطا کرے تاکہ وہ اس رنج و الم کو برداشت کر سکیں اور ہر طرف کے باوجود بھی صبر و تحمل سے کام لیں تاکہ پاکستان کا امن و امان قائم رہے

خان عبدالقیوم خان وزیر اعظم صوبہ سرحد

خان عبدالقیوم خان وزیرِ اعظم صوبہ سرحد نے فرمایا۔ مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کا جو کشت و خون جاری ہے۔ اسے روکنے کے لیئے مشرقی پنجاب کی حکومت کو چاہیئے۔ کہ وہ کوئی ٹھوس قدم اٹھائے۔ اگر مسلمانوں کا قتلِ عام اسی طرح جاری رہا تو مجھے ڈر ہے کہ اس کا لازمی اثر صوبہ سرحد اور آزاد قبائلی علاقہ پر بھی پڑے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ مشرقی پنجاب کی حکومت اور حکومت ہندوستان مشرقی پنجاب میں امن و امان قائم کرنے میں بڑی ناکام رہی ہے۔ اس ناکامی کا نتیجہ ہے کہ کشت و خون ابھی تک جاری ہے جس سے مسلمانوں میں غم و غصہ اور رنج و الم کی لہر دوڑ گئی ہے۔ مجھے ہزارہا تار اور خط موصول ہوئے ہیں۔ جن میں مجھ سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ میں مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے قتل و غارت کو روکنے کے لیئے کوئی مؤثر قدم اٹھاؤں۔ میں مشرقی پنجاب اور ہندوستان کی حکومتوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ امن و امان کے قیام کے لیئے جلد از جلد کارروائی کریں۔

آپ نے مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کو یقین دلاتے ہوئے فرمایا۔ آپ لوگ ہمارے بھائی ہیں۔ ہم آپ کی جان و مال کی حفاظت کیلیئے ہر ممکن کارروائی کرینگے۔

میری حکومت کی پالیسی یہ ہوگی کہ تمام نظم و نسق صحیح اسلامی جمہوری اصولوں کی بنیاد پر استوار کیا جائے۔ کسی کیساتھ امتیازی سلوک ہرگز نہیں کیا جائیگا جو لوگ پاکستان کے اندر اور باہر دوسروں کے بھکانے پر نا روا کارروائیاں کر رہے ہیں ہم انکے ساتھ کسی قسم کی سختی نہیں کرینگے۔ بلکہ ہم انہیں محبت اور پیار سے اپنے ساتھ ملائینگے۔

نواب افتخار حسین صاحب آف ممدوٹ کا ارشاد

نواب افتخار حسین صاحب آف ممدوٹ نے پاکستان براڈ
کاسٹنگ سروس کے لاہور سٹیشن سے ایک تقریر براڈ کرتے ہوئے مشرقی
پنجاب کے ہولناک واقعات کا ذکر کیا آپ نے تاریخ اسلامیہ کے بعض واقعات
سنائے اور کہا کہ مسلمانوں کو بڑے بڑے کٹھن واقعات کا سامنا کرنا
پڑا ہے۔ ایک وقت وہ بھی تھا کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو
بھی مکہ معظمہ سے ہجرت کرنا پڑی تھی۔ اور آپ کی معیت میں بہت سی مسلمانوں
نے مدینہ منورہ میں پناہ لی تھی۔ مہاجرین اور انصار نے جس جس حوصلے اور
ہمت سے کام لیا تھا۔ اس کی مثال ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔ انہوں نے
اس مصیبت کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ
ہی حسنِ تدبیر یکجہتی حسن انتظام سے اپنا کام کیا تھا کہ چند ہی برسوں میں مکہ معظمہ
فتح ہو گیا تھا۔ اور اسلام کی ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد پڑ گئی تھی۔ اس
وقت مشرقی پنجاب میں مسلمانوں پر ایسے مظالم توڑے جا رہے ہیں کہ ان کی
مثال انسانی تاریخ کے ہولناک واقعات میں بھی نہیں مل سکتی۔ یہ مظالم ایک
منظم سازش کا نتیجہ ہیں۔ جو پنجاب کی سابقہ حکومت مسلمانوں کے خلاف
کر چکی تھی۔ اس وقت پنجاب میں ایسی حکومت برسر اقتدار تھی جو مسلمانوں
کی شدید مخالف ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے خلاف عناصر کو تقویت
دے رہی تھی۔ اور مسلمانوں کی طاقت کو کچل رہی تھی۔ اس حکومت کا
سارا وقت اسی سازش میں گذرا کہ کس طرح مسلمانوں کی جڑیں کھوکھلی کی جا سکتی
ہیں۔ اور کس طرح ان کے دشمنوں کو مضبوط بنایا جا سکتا ہے۔ جس وقت

وقت مسلمانوں کے دشمن مسلمانوں کو کچلنے کی زبردست تیاریاں کر رہے تھے۔ اس حکومت نے مسلمانوں پر شدید ترین پابندیاں عائد کر دیں تاکہ وہ دوسروں کی تیاری کا علم رکھنے کے باوجود اپنے آپ کو سنبھالنے کے قابل نہ ہو۔ لیکن یہ وقت تھا۔ جب مسلمانوں کے مخالف پوری طرح مسلح ہو رہے تھے۔ اور گوریلا جنگ کی مشق کر رہے تھے۔ وقت آنے پر ان عناصر نے اپنی تیاری کا سفاکی اور بیرحمی کے ساتھ استعمال کیا اور یہ وہ طاقت تھی جسے وہ کئی مہینوں سے جمع کر رہے تھے۔ گورنر جنرل کا راج ۱۴ اگست کو ختم ہوا۔ لیکن اس وقت مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے قتل و غارت کے واقعات شروع ہو چکے تھے۔ میں اور میرے ساتھیوں نے ۱۵ اگست کو مغربی پنجاب کی حکومت کی عنان سنبھالی۔ یہ وہ وقت تھا جب ہر طرف مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی تھی۔ ایسی مصیبت کے وقت ہوش و حواس کا توازن قائم رکھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ بعض لوگ اپنے مظالم اور مالایطاق مصیبت کے وقت یہ کہتے ہوئے سُنے جا رہے ہیں کہ پاکستان کے قیام سے ہماری ذات کو کیا فائدہ پہنچا۔ اس سے تو بہتر یہی تھا کہ پاکستان نہ بنتا تاکہ ہم اتنی بڑی مصیبت کا شکار نہ بنتے۔ مجھے مشرقی پنجاب کے مصیبت زدہ مسلمانوں سے پوری ہمدردی ہے۔ مشرقی پنجاب کے مسلمان ملت اسلامیہ کا گوشت اور پوست ہیں۔ ان کی مصیبت ہماری مصیبت ہے ہم مشرقی پنجاب کے معاملات میں براہ راست کوئی دخل نہیں دے سکتے۔ لیکن لاکھوں بے گناہ اور مظلوم مسلمانوں کے لیئے ہم سے جو کچھ ہو سکیگا۔ ہم کبھی اس سے دریغ نہیں کرینگے۔ ریلوں اور لاریوں کے ذریعے جس قدر ممکن ہو سکتا ہے۔ مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کو نکال کر مغربی پنجاب میں لایا جا رہا ہے۔ روزانہ

تین سپیشل ٹرینیں مشرقی پنجاب سے پناہ گزینوں کو لا رہی ہیں۔ اور موٹر لاریوں کے پانچ کانوے اسی مقصد کے لیے وقف ہیں۔ چنانچہ روزانہ ۲۵ ہزار پناہ گزینوں کو مشرقی پنجاب سے مغربی پنجاب لایا جا رہا ہے۔ لاہور اور دوسرے متعدد مقامات میں ریلیف کیمپ قائم ہیں حکومت مشرقی پنجاب سے آنے والے مسلمانوں کو از سر نو بسانے کی پوری کوشش کرے گی تاکہ وہ باعزت زندگی بسر کر سکیں۔ تو انہیں ان کے گھروں میں دوبارہ بسا دیا جائے ورنہ بصورت دیگر انہیں پاکستان لا کر آباد کیا جائے۔ ابھی تک مشرقی پنجاب میں حالات سدھرنے کی کوئی علامت موجود نہیں۔ اور کوئی شخص یہ اندازہ نہیں لگا سکتا کہ ہمیں مزید کس قدر مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑیگا۔ اور مغربی پنجاب میں مسلمانوں کی کتنی بڑی تعداد کو بسانا ہوگا۔ ہم پوری کوشش کرینگے کہ مشرقی پنجاب کے مصیبت زدہ مسلمانوں کو دوبارہ خوشحال بنائیں۔ خواہ اس کے لیئے ہم کو کیسے ہی ذرائع اختیار کرنے پڑیں۔ لاکھوں اشخاص کے لیے روزی مہیا کرنے کا کام آسان نہیں۔ اگر اس وقت ہم نے اپنے حواس قائم رکھے اور ہمارا حوصلا اور ارادہ پست نہ ہوا تو ہم انشاء اللہ مصائب کے پہاڑوں کو اپنے راستے سے ہٹا دینگے۔ اگر بعض مسلمانوں کا یہ خیال ہو کہ میں اور میرے دوسرے ساتھی ان کی مرضی کے مطابق کام نہیں کر رہے تو وہ ہم سے باز پرس کر سکتے ہیں۔ لیکن اس وقت میں مسلمانوں سے درخواست ضرور کروں گا کہ وہ مشکل حالات میں اپنے حواس قائم رکھیں۔ مصیبت کے وقت اعتراضات کرنے سے مصیبت میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے اور اس سے ذہنی انتشار پیدا ہونے کا خطرہ لاحق ہوتا ہے۔ اگر عامتہ المسلمین ہمارے لیئے کوئی راستہ

تجویز کریں تو ہم اس پر عمل کرنے کے لیئے تیار ہیں۔ بشرطیکہ اس سے تشتت و افتراق پیدا ہونے کا امکان نہ ہو۔ ہم اس وقت باہمی تعاون ہی سے کامیاب ہو سکتے ہیں۔ اگر ہم میں تعاون قائم نہ رہا تو ہماری کامیابی مشکوک ہو گی۔ اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ کہ تعاون کے نہ ہونے سے ہمیں سخت نقصان برداشت کرنا پڑے گا۔ ہم نے پکا ارادہ کر لیا ہے کہ مشرقی پنجاب میں جو فساد کی آگ جل رہی ہے۔ اور مسلمانوں کے خلاف جو سازشیں کی جا رہی ہیں۔ ان کا مقابلہ کرنا آسان کام نہیں۔ لیکن اگر ہم نے حوصلہ نہ ہارا تو ہم کندن بن کر نکلیں گے ؎

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

حکیم یوسف حسن پرنٹر پبلشر ایڈیٹر نے دین محمدی پریس لاہور میں چھپوا کر دفتر رسالہ نیرنگ خیال فلیمنگ روڈ لاہور سے شائع کیا۔

صحرائے اعظم افریقیہ کی ایک مسجد
میں موذن اذان دے رہا ہے

مراکش کی ایک مسجد۔ وہاں صرف
ایک مینارہ ہوتا ہے۔

کولمبو (لنکا) کی ایک مسجد۔ لنکا میں چھ لاکھ مسلمان ہیں۔
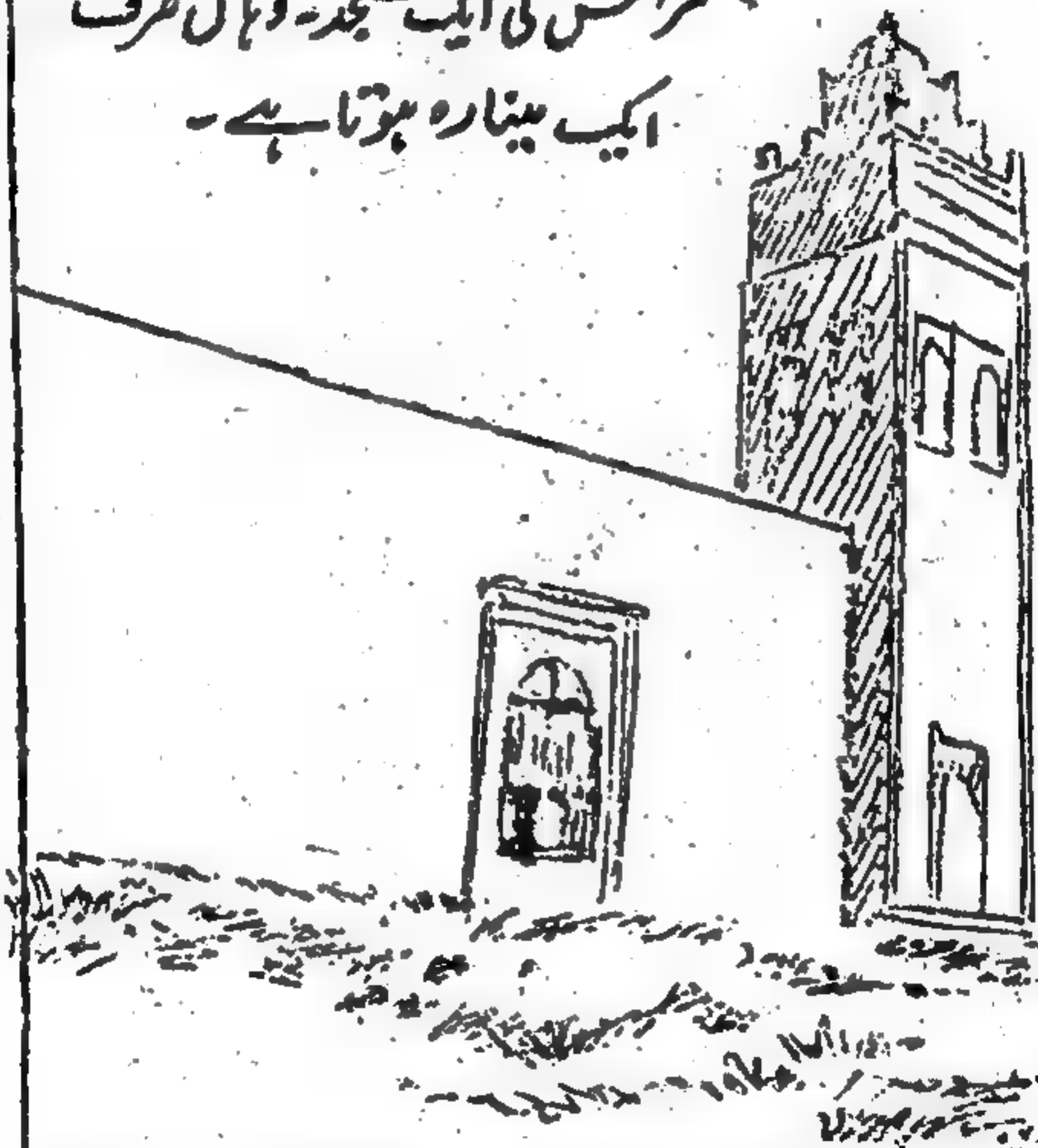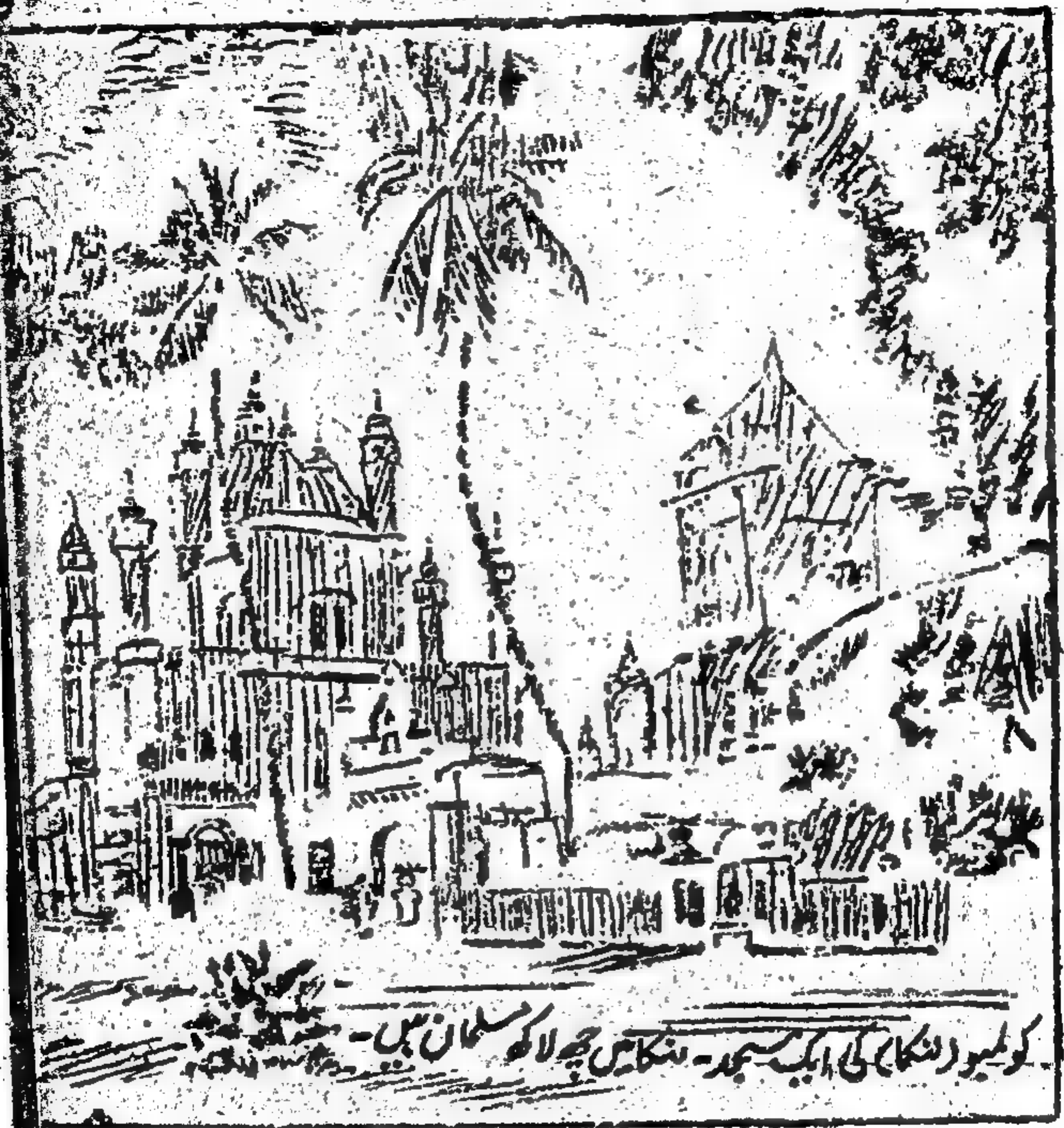
سلطنتوں کی تباہی کے اسباب

اسلامستان یا دنیائے اسلام میں ہم نے اسلامی دنیا کے متعلق ضروری معلومات پیش کردی ہیں - یہ صحیح ہے کہ اسلامی سلطنتوں کے عروج و اقبال کی داستان پیش نہیں کی جا سکی کیونکہ وہ خود ایک جداگانہ موضوع ہے - اگر ہم عربوں، مغلوں اور ترکوں کی ترقی کے ادوار پر ایک تفصیلی نظر ڈالیں - تو کئی جلدوں میں بھی یہ سلسلہ ختم نہیں ہو سکتا - انگریزی زبان میں متعدد ضخیم کتابیں موجود ہیں - جن میں علیحدہ علیحدہ ان حکومتوں کے دور اقبال کی داستان درج ہے - ہمارا موجودہ موضوع صرف دنیائے اسلام کے متعلق ضروری معلومات اور مختصر حالات پیش کرنا ہے تاکہ ہر مسلمان اپنی برادری کی وسعت اور اس کے کوائف سے آگاہ رہے -

یہ زمانہ اسلام میں ایک سرگرمی اور حیات نو کا ہے - انہی دنوں مشرقی و مغربی پاکستان کی ایک سلطنت اقصائے عالم پر جلوہ گر ہوئی ہے - انہی ایام میں مصر کو آزادی ملی - شرق اردن اور عراق کا آزادی سے ہمکنار ہوئے انڈونیشیا آزاد ہو رہا ہے - گویا ہمارا غرق شدہ سفینہ پھر اُبھر رہا ہے - موافق ہوا چل رہی ہے اور از سر نو سطوت اسلام کا بیڑا شان و شوکت سے اپنا پرچم اڑاتا نظر آئیگا -

یہ تو ہیں خوشگوار خبریں ۔ ان کی دلپذیری کو قائم رکھنا اور ان نومولود سلطنتوں کو پروان چڑھانا ہم سب کی متفقہ کوششوں پر موقوف ہے لیکن اس کتاب میں ایک عنوان

سلطنتوں کی تباہی کے اسباب

پر ایک نظر ڈالنا شاید آپ کی طبع نازک پر گراں گذرے ۔ لیکن میں اسکو بے حد اہم سمجھتا ہوں ۔ اسلامی سلطنتوں کی پر شکوہ داستانیں بیان کرنے سے اسے زیادہ ضروری سمجھتا ہوں ۔ کہ آپ کے سامنے اُن اسباب و علل پر ایک مختصر سی نظر ڈالوں جنہوں نے ہماری زبردست سلطنتوں کو خاک میں ملا دیا ۔ ہماری بستیاں اجاڑ دیں ۔ ہمارا تمدن پارہ پارہ کر دیا ۔ ہماری سطوت کے پرزے اڑا دیئے ۔ اور ہم دُنیا میں مغلوب و غلام بنکر رہ گئے ۔

ہم چاہتے ہیں کہ اسلامی ادوار کے عروج کی وہ داستانیں جو سقفِ فلک سے ٹکرا رہی تھیں آپ کو نہ سنائیں ۔ بلکہ وہ سیدھے سادھے واقعات بیان کریں جن سے یہ آسمان شکوہ عمارت پیوندِ زمین ہو گئی ۔ تاکہ آپ کو عبرت ہو ۔ آپ کو آگاہی ہو کہ ہمارے اسلاف کیوں تباہ ہوئے ۔ ہم کیوں غلام بنگئے ۔ اور اب آزادی کی دولت ملنے پر ہم کیسے پنپ سکتے ہیں ۔ اس دولت کو کیسے لازوال بنا سکتے ہیں ۔

مشہور مورخ مسٹر فلپ ہتی لکھتا ہے کہ

”عربوں کے عروجِ اقبال کے بعد جب اُن کے زوال پر غور کرتا ہوں ۔ تو ایک بات صاف نظر آتی ہے وہ ہے ان کی باہمی خانہ جنگی ۔ عربوں کی باہمی لڑائیاں اُنہیں پلیگ کی طرح چمٹی ہوئی تھیں“

مسٹر فلپ ہتی جو عربوں کے شاندار تمدن و اقبال کی داستان لکھنے میں دنیا بھر کے مورخین میں پیش پیش ہیں۔ اُن کے زوال کے اسباب چند جملوں میں پیش کرتے ہیں۔ "باہمی خانہ جنگی اور لڑائیاں عربوں کو پلیگ کی طرح چمٹی ہوئی تھیں۔ اور اسی پلیگ نے ہی عربوں کی حکومت کو تباہ ملیا میٹ کردیا"

عربوں میں یہ پلیگ خلیفۂ سوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد سے پھوٹ پڑی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد میں وبائی صورت اختیار کرگئی یہاں تک کہ اُس نے جگر گوشۂ رسولؐ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا اور کربلا کا خونی معرکہ اسی کی یادگار ہے۔

عربوں کے زوال اور ان کی طاقت کو کمزور کرنے والی چیز یہ باہمی خانہ جنگی اور مسلسل باہمی لڑائیاں تھیں۔ جنہوں نے عربوں کی قوت کو پارہ پارہ کردیا۔

یہ باہمی لڑائیاں اور خانہ جنگی دُنیا کے ہر حصہ کے مسلمانوں کا طرۂ امتیاز بن گئی ہے۔ بات بات پر تلواریں کھچ جائیں۔ پستول نکل آتے اور لاٹھی چلنے لگتی ہے۔

ہندوستان کا مسلمان بھی اسی قوم کا ایک حصہ ہے اس کو بھی یہی خصوصیات ورثہ میں ملی ہیں۔ لڑنا جھگڑنا اس کا مرغوب شغل ہے۔

ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کا کوئی امیرِ جماعت نہیں۔ کسی ایک لیڈر پر کسی کا بھروسہ نہیں، پھر ہمارے سیاسی لیڈر جدا ہیں۔ مذہبی لیڈر جدا۔ سیاسی لیڈروں کی پھر کئی اقسام اور کئی گروہ ہیں۔ ہر ایک اپنی دکان چمکانے میں دوسرے کو نیچا دکھانا۔ ذلیل کرنا اپنا دستور العمل قرار

دیتا ہے۔ تخریب و بیخ کنی اُن کا شیوہ ہے۔ عیب جوئی اور بدگوئی اُنکا روزمرہ ہے۔ اختلافِ رائے یا آزادیٔ رائے۔ مخالفت اور دشمنی میں تبدیل ہوچکی ہے۔ ہر جماعت دوسرے کو حقیر۔ ظالم اور کاذب سمجھتی ہے۔ ہر جماعت اپنی بات کی پیچ پر اڑی ہے۔ جمہور کی رائے کا احترام نہیں۔ اکثریت کی پرواہ نہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کی سلامتی کا خیال نہیں۔ خیال اگر ہے تو یہ ہے کہ ہم سچے اور ہماری جماعت سچی اسی پر جمے رہنا اور سب کی بربادی کے لیئے کوشاں رہنا ہمارا فرض اور طریق کار ہے۔

اسی باہمی لڑائی سے اور قوم کے مختلف گروہوں میں بٹ جانے سے ہماری قوت کمزور پڑ گئی ہے۔ ہمارے اندر گھن لگ گیا ہے۔ ہمارا رعب جاتا رہا ہے۔ ہم میں خوف وہراس نے جگہ لے لی ہے ہماری جمعیت پارہ پارہ ہوگئی ہے۔ ہم میں منافقین اور مخالفین کی جماعتیں نمودار ہوگئی ہیں جو تخریبی کاموں میں مسلسل مصروف رہتی ہیں۔ جو قوم کی مضبوط دیوار کو یاجوج ماجوج کی طرح چاٹتی رہتی ہیں اور اُسے تباہ وبرباد کرنے کی سعیٔ مسلسل میں مصروف ومنہمک ہیں۔

ان لوگوں کا کام یہ ہے کہ ہروقت عیب جوئی کریں۔ دوسروں کے نقائص تلاش کریں۔ یا انہیں وضع کرلیں۔ بات کا بتنگڑ بنا کر بددلی پھیلائیں۔ مسلمانوں کو گمراہ کریں۔ ان میں انتشار پیدا کریں۔ اور پسِ پردہ بیٹھ کر قہقہے لگائیں۔

کیا یہ نفاق ہماری گذشتہ ناکامیوں کا باعث نہیں تھا اور کیا آئندہ ہماری سلامتی کے لیئے مستقل خطرہ نہیں ہے؟ کیا مسلمانوں کا

سب جماعتوں کا فرض نہیں ہے کہ وہ نو مولود اسلامی سلطنت کی بقاء وترقی۔ حفاظت وطاقت کے لیئے آگے بڑھیں۔ اور اپنی ہمت و قابلیت کے مطابق فرض ادا کریں۔ اپنے اختلافات کو مٹادیں، چھوٹی چھوٹی جماعتوں کو بڑی جماعت میں ضم کردیں۔ یا اگر اپنی جماعت کا علیحدہ تحفظ ہی ضروری سمجھیں تو اسکا تحفظ کرتے ہوئے کامل تعاون واشتراک کیلیئے اپنی مکمل جماعت سے آگے بڑھیں۔

کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ ؎

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کیلیئے

اب کس بات کا انتظار ہے؟ ایک اسلامی سٹیٹ پیدا ہو چکی ہے جو ایک مسلمان کا انتہائی مقصد ہو سکتا تھا۔ اب سب لڑائی جھگڑے سطے ہو جانے چاہئیں۔ خلوص و دیانتداری سے اس کام کو چلانا اور سنبھالنا چاہیئے۔ جو مسلمان اس نازک دور میں بھی دور سے تماشا دیکھتے رہینگے اُن پر خدا اور رسول کی طرف سے بڑی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

اس تمام تحریر کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستان کی نو مولود اسلامی سٹیٹ کے اندر مسلمانوں میں کامل یک جہتی۔ اتحاد اور اشتراک و تعاون کی زبردست ضرورت ہے۔ ہمیں اُن غلطیوں سے بچنا چاہیئے جو ہمارے بعض اسلاف سے سرزد ہوئیں اور اُن کی حکومتیں پارہ پارہ ہو گئیں۔ یعنی "خانہ جنگی اور باہمی لڑائیاں"۔

سلطنتوں کی تباہی کے اسباب میں ایک تو خانہ جنگی اور باہمی لڑائیاں ہیں جو زیادہ تر عربوں کی تباہی کا باعث ہوئیں۔ لیکن دوسری چیز لاعلمی اور زمانہ کی رفتار کے مطابق نہ چلنا ہے۔

ترکوں کے عروج و اقبال کی داستانیں پڑھیئے۔ ایک وقت تھا کہ ترک تمام عرب۔ قفقاز۔ ایشیائے کوچک۔ بلقان۔ مصر۔ ٹریپولی اور مراکش تک قابض تھے۔ ترکی بحری بیڑے کے نام سے یورپ کے ایوان ہائے سلطنت میں زلزلہ پڑ جاتا تھا۔ بحیرۂ روم ترکوں کی ایک جھیل بنا ہوا تھا۔ امیر البحر خیر الدین بار بروسہ کا نام کس نے نہیں سنا۔ اس کے بیڑے کے بحری کارنامے چاردانگ عالم میں لازوال شہرت رکھتے ہیں لیکن کہاں ہے اب ترکوں کا وہ بیڑا؟ وہ اسی زمانہ میں کارآمد تھا۔ اس کے بعد ترکوں نے علوم و فنون کی طرف رغبت چھوڑ دی، ترک سلطان اور افسر عیش و عشرت کی زندگیاں گذارنے لگے۔ شادیوں اور لونڈیوں کی کثرت نے انہیں ناکارہ بنا دیا۔ ادھر یورپ علوم و فنون میں بڑھتا گیا۔ پرانے جہاز داستانِ پارینہ ہو کر رہ گئے۔ اب نئی وضع کے جہاز برق و بھاپ سے چلنے والے جدید سامانِ حرب سے لیس ہو کر سمندروں کی چھاتی پر متحرک قلعوں کی طرح تیر رہے تھے۔ ترکوں کا پرانا بیڑا ان کے سامنے ہیچ و ناکارہ تھا۔

قوموں اور سلطنتوں کی تباہی کا اگر پہلا سبب نفاقِ باہمی اور خانہ جنگیاں ہیں۔ تو دوسرا سبب زمانہ کے ساتھ نہ چلنا ہے۔ اگر ہم جدید سائنس اور جدید آلات سے پوری طرح مسلح نہ ہونگے۔ تو ہماری حکومتیں ناکارہ و ہیچ ہو کر رہ جائینگی۔

ایک زمانہ تھا کہ سپاہی تلوار سے لڑتے تھے اب بندوق کا زمانہ ہے۔ دس بندوق والے ہزاروں آدمیوں کو بھیڑ بکری کی طرح آگے لگا لیتے ہیں۔ بندوق پر توپیں حاوی ہیں تو توپوں پر ہوائی جہاز

بم باری سے تباہی مچاتے ہیں۔ الغرض ایک سے ایک ہتھیار سوا ہے۔ اگر اسلامی سلطنتیں اپنے قابل نوجوانوں کو سائنس کو جدید تعلیم سے مالا مال نہیں کرینگی۔ اور ہر قسم کے جدید ہتھیاروں سے اپنی افواج کو مسلح نہیں کرینگی۔ تو ایک نہ ایک دن وہ اپنی حکومت کھو بیٹھیں گی۔ اور تمام قوم کو پھر حلقۂ غلامی گلے میں پہننا پڑیگا۔

اسلامی سلطنتوں میں علوم و فنون کی جدید درسگاہیں قائم ہونی چاہئیں مسلمان طلبا حصول علم کے لیئے غیر ممالک کی یونیورسٹیوں میں بھیجے جائیں تاکہ وہ جدید ترین علوم کو حاصل کر کے آئیں اور اپنی حکومتوں کے لیئے مفید ثابت ہوں مسلمان طلباء کو ہوائی جہازوں، اور بحری بیڑوں میں کام سیکھنے اور ماہر بننے کے لیئے ترکی، انگلستان اور امریکہ بھجوایا جائے۔ تاکہ آنیوالے زمانہ کیلئے یہ نوجوان کارآمد افسر ثابت ہوں۔

سائنٹفک ریسرچ انسٹیوٹ قائم کیئے جائیں۔ سامانِ حرب کی تیاری کے کارخانے کھولے جائیں۔ جن میں جدید مشینری اور جدید سائنس سے پوری پوری امداد لی جائے۔

مقصد اس تحریر کا یہ ہے کہ اگر جدید علوم و فنون کے حصول میں ہم نے کسی قسم کی بھی کمی یا سستی کی تو ہماری سلطنت کو زوال آجانیکا خطرہ لاحق رہیگا۔ دنیا صرف طاقت کو مانتی ہے اور طاقت کے ہی آگے جھکتی ہے۔

قوموں کے زوال کے اسباب تلاش کرنے میں تیسری چیز، بہت نمایاں ہے وہ حکم عدولی اور بغاوت ہے۔

ہندوستان میں انگریزی قبضہ کی تاریخ کا مطالعہ کیجیئے۔ کس طرح سے

ایسٹ انڈیا کمپنی قائم ہوئی۔ کس طرح انہوں نے مراعات حاصل کیں۔ اپنی سرگرمیوں کو تجارت تک محدود رکھا۔ پھر ہندوستان کے نوابوں اور راجوں کی باہمی لڑائیوں میں ایک پارٹی بننے لگے۔ روپیہ، سامان اور قواعد دان فوج سے اقتدار حاصل کرتے کرتے ہندوستان کی حکومت سنبھال بیٹھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی سے حکومت ملکہ وکٹوریہ نے لے لی۔ اور اُسکے بعد ہندوستان میں ڈیڑھ دوسو سال تک گورنر وائسرائے آتے رہے۔ انگریزوں کی حکومت دور دور پھیلی ہوئی ہے۔ ہر جگہ گورنر جاتے رہے اور جا رہے ہیں۔ لیکن کبھی ایک بار بھی آپ نے سُنا کہ کوئی انگریز حاکم، گورنر یا وائسرائے کہیں بھی خود مختار بن بیٹھا ہو۔ جس نے مرکزی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا ہو؟ مرکزی حکومت کے احکام کی خلاف ورزی کی ہو؟ آپ کو تلاش کرنے پر اس کی ایک مثال بھی نہ ملیگی۔ لیکن سلطنت مغلیہ کی تمام تاریخ کا مطالعہ کیجیے۔ تو آپ کو اس کا ہر ورق خونی نظر آئے گا۔ ہر بادشاہ کو تخت تک پہنچنے کے لیئے کئی وارثان تخت کی لاشوں پر سے گذرنا پڑتا تھا۔ یہانتک کہ بھائی بھائی کو قتل کر ڈالتا تا کہ کسی قسم کا خدشہ نہ رہے۔ یہ تو تخت حاصل کرنے کا طریق کار ہوتا تھا۔ مشکل سے چند بادشاہ ایسے ہونگے جو بغیر کشت و خون کے گدی تک پہنچے ہوں۔

مغلوں، پٹھانوں، ترکوں اور دیگر بادشاہوں کی ہندوستانی تاریخ کا بغور مطالعہ کرنے سے آپ اس نتیجہ پر پہنچینگے۔ کہ ہر بادشاہ کے عہد میں کہیں نہ کہیں کسی صوبہ کا گورنر مرکزی حکومت کے احکام کی پرواہ نہیں نہیں کرتا تھا۔ وہ خود مختار بن بیٹھتا۔ بعض حاکموں نے صوبوں کی حکومت پر قبضہ کر کے اپنی نئی حکومت کی داغ بیل ڈال لی تھی۔ کبھی کبھی مرکز ان غداروں

اور باغیوں کی سرکوبی کیلئے فوجیں بھجواتا - جن میں بڑا کشت و خون ہونیکے بعد مرکز کو فتح ہوتی تھی - اور از سر نو اُس باغی صوبہ کو مرکز سے ملا دیا جاتا تھا - اِن آئے دن کی اندرونی بغاوتوں سے ہندوستان کی مرکزی حکومت کمزور ہوتی چلی گئی - مسلمان جمعیتیں ان باہمی جنگوں میں قتل و تباہ ہوتی رہیں جس سے مسلمان کمزور ہوتے گئے اور اسلامی حکومت بالآخر اہنی کمزوریوں کی وجہ سے برباد ہو گئی -

یہ خود سری اور حکم عدولی کا مادہ مسلمانوں میں بہت زیادہ ہے - تاریخ کے اوراق اس سے بھرے پڑے ہیں - ضرورت اس امر کی ہے کہ گذشتہ تجربہ سے فایدہ اٹھاکر آئندہ کے لیئے اپنی قوم اور اپنی نومولود سلطنت کو اس سے بچایا جائے -

اتفاق سے ہندوستان میں اور پاکستان میں جو نظام حکومت اب رائج ہوا ہے وہ جمہوری ہے اور انگریزی طرز پر ہے نمائندے ووٹوں سے منتخب ہوتے ہیں - ایک پر ایک حاکم ہے - مگر آخری حکم مرکز کا ہی چلتا ہے - اس لیئے اس نظام میں خود سری اور حکم عدولی کی گنجائش بہت کم رہ جاتی ہے - لیکن کہتے ہیں کہ دودھ کا جلا چھاچھ پھونک پھونک کر پیتا ہے - ہم چاہتے ہیں کہ مرکزی حکومت ان امور پر کڑی نگرانی رکھے اور اُن تدابیر پر عمل پیرا رہے جو انگلستان کی حکومت کا طرۂ امتیاز ہیں - مثلاً گورنر اور وائسرائے کو تین سال کی مدت کے بعد تبدیل کر دیا جاتا ہے اور دوسری بار شاذ و نادر ہی کسی افسر کو وہاں بھیجا جاتا ہے - تاکہ کسی کے پاؤں جمنے نہ پائیں - وغیرہ وغیرہ -

پاکستان کے صوبائی وزراء، گورنروں اور دیگر افسروں کا فرض ہے

کہ وہ مرکزی حکومت اور پاکستانی وائسرائے کے کل احکام کی بلا چون وچرا تعمیل کرتے رہیں۔ پاکستانی مرکزی حکومت کا بھی فرض ہے کہ وہ اس کی پوری پوری نگہداشت کرے کہ اسکے تمام احکام کی صحیح معنوں میں تعمیل ہورہی ہے یا نہیں۔ جو افسر یا حکام غافل، کاہل یا لاپرواہ ہوں۔ اُنہیں فوراً علیحدہ کر دیا جائے۔ ڈسپلن اور آئین و نظام کی پوری پوری پابندی ہر حالت میں مدنظر رہے۔

سلطنتوں کے زوال کے اسباب میں جو تھی سب سے بڑی چیز بدامنی ہے۔ ترکوں کے زوال کے اسباب میں ہم نے اُنکا زمانہ کی رفتار کے ساتھ ساتھ نہ چلنا اور سائنس وعلوم جدیدہ کو نہ اپنانا لکھا تھا۔ لیکن اس ایک سبب کے ساتھ ترکوں کے زوال میں اور دیگر اسباب بھی ممد ومعاون ثابت ہوئے تھے اُن کا ذکر بھی اس جگہ ضروری ہے۔

ترکوں کے زوال کے اسباب میں دوسری چیز یورپ کی تمام قوتوں کا اُن کے خلاف متحد ہو جانا تھا۔ یورپ کو متحد بنانے کے لیئے عیسائی مبلغین اور مشنریوں نے جلتی پر تیل ڈالنے کا فرض نہایت خوبی سے ادا کیا۔ لیکن اس تمام مقصد کے لیئے بہانہ یہ بنایا گیا کہ ترکوں کے ماتحت جو اقلیتیں آباد تھیں اُنہیں بغاوت پر آمادہ کیا گیا۔ اُن کی بغاوتوں پر جب ترکی حکومت سختی کرتی۔ بغاوت اور خودسری کو دبانے کے لیئے شمشیر سے کام لیتی تو اسے ظلم وستم بنا کر یورپ میں ترکوں کے مظالم کی داستانیں جلی عنوانات سے شائع کرائی جاتیں۔ اِن ہتھکنڈوں سے ترکی میں بدامنی کا دور دورہ رہتا۔ ترکی حکومت آئے دن کی بغاوتوں سے تنگ آگئی تھی۔ اس لیئے اُسے یورپ کی متحدہ حکومتوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کر کے ان

تمام ریاستوں کو یکے بعد دیگرے آزاد کرنا پڑا۔

یہ داستان بہت طویل ہے۔ اور ہم اختصار سے بھی اس کے نشیب و فراز کو آپ پر واضح نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ کوئی ملک یا سلطنت جس میں کسی وجہ سے بدامنی ہو۔ خوشحالی اور سکون کی زندگی بسر نہیں کر سکتی۔ قدرت کی فیاضی سے ہندوستان میں اس وقت دو بڑی سلطنتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ ایک انڈین گورنمنٹ۔ دوسری پاکستان گورنمنٹ انڈین گورنمنٹ اور دیسی ریاستوں کے ماتحت قریباً چار کروڑ مسلمان آباد ہیں۔ پاکستان گورنمنٹ کے ماتحت قریباً پونے دو کروڑ ہندو اور سکھ بستے ہیں۔

یہ اعداد و شمار اپنی قوت کا خود مظاہرہ کر رہے ہیں۔ کوئی حکومت خواہ وہ کتنی ہی طاقتور کیوں نہ ہو موجودہ زمانہ میں اتنی بڑی تعداد کو نہ قتل کر سکتی نہ ملک سے باہر نکال سکتی نہ غلام بنا سکتی ہے۔

بمبئی جیسے صوبہ میں جہاں مسلمانوں کی تعداد ۸ فیصدی ہے دو سال تک خنجر زنی ہوتی رہی اور حکومت اسے بند نہ کرا سکی۔

کلکتہ جہاں مسلمانوں کی حکومت تھی اور ان کی آبادی صرف ۲۵ فیصدی تھی دو سال تک جنگ و جدل کا ایسا مرکز بنا رہا کہ کوئی جماعت بھی اپنی شکست تسلیم کرنے پر تیار نہ تھی۔

ان فسادات کا ردِّ عمل نواکھالی میں ہوا۔ نواکھالی کا ردِّ عمل بہار میں میں دیکھا گیا۔ اور بہار کا اثر پنجاب پر پڑا مگر فسادات اُس وقت تک شروع نہ ہوئے جب تک کہ خضر کی وزارت کی شکست کے بعد ہندوؤں اور سکھوں نے مل کر اپنی ایجی ٹیشن کا آغاز نہ کیا۔ اس ایجی ٹیشن سے لاہور اور

راولپنڈی میں چند بے گناہ راہ چلتے مارے گئے۔ اسی سے صوبے کے خرمن امن و امان میں آگ لگ گئی۔ پنجاب جس پر بہار کے واقعات کا اثر ہو چکا تھا۔ اس تازہ حملہ سے بھڑک اٹھا۔ جواب اتنا شدید تھا کہ پنجاب کے کئی شہر اور سیکڑوں دیہات برباد ہو گئے۔ راولپنڈی۔ لاہور۔ امرتسر۔ ملتان اور گرد گانواں ان فسادات کی وجہ سے کھنڈر بن گئے۔ اس کے بعد پنجاب کی تقسیم کے بعد جو حصہ انڈین گورنمنٹ کے ہاتھ آیا وہاں دیہات اور شہروں میں انتقامانہ کارروائیوں نے گذشتہ ریکارڈ مات کر دیئے۔ ان فسادات میں فیروزپور۔ موگا۔ امرتسر۔ گورداسپور۔ ہوشیارپور۔ جالندھر اور لدھیانہ متاثر ہوئے۔ انسانوں نے ایک دوسرے پر وہ وحشیانہ مظالم کیئے جس سے زمانہ قدیم کی جاہلیت کا دور آنکھوں کے سامنے آگیا۔ عورتیں۔ بچے۔ بوڑھے یہاں تک کہ مکانات اور مویشی تک بھی دست برد سے نہ بچ سکے۔ لوٹ مار قتل و غارت اس کے علاوہ تھی۔ پنجاب کو از سر نو آباد کرنے کے لیئے اب پچیس سال کی مدت درکار ہے۔ لوگوں کے زخموں کا اندمال شاید اتنے عرصہ میں بھی نہ ہو سکیگا۔

اب ہندو اور مسلمان غور کریں کہ اس قتل و غارت سے نتیجہ کیا نکلا؟ ہماری لڑائی بھڑائی اور جدال و قتال نہ ہندوستان بننے کو روک سکا نہ پاکستان بننے کو۔ پنجاب اور بنگال کی تقسیم نہ رک سکی، باؤنڈری کمیشن کا ایوارڈ نہ رک سکا۔ اور ہم سب کی خواہشات کے خلاف ہمیں ہر جگہ بعض علاقوں میں محدود کر دیا گیا۔

اگر یہ سب کچھ یوں ہو جانا تھا۔ تو کیا ہماری لڑائی فضول نہ تھی؟ بیکار نہ تھی؟ اتنی جانوں کا نقصان درندگی نہ تھی؟ اربوں روپے کی بربادی

بیکار اور بے معنی نہ تھی!

ہر بات کا کچھ مقصد اور مدعا ہوتا ہے۔ ہندو مسلمانوں کا باہم لڑنا بغیر کسی مقصد کے تھا۔ نہ ہندو ختم ہوئے نہ مسلمان۔ اب دونوں اپنے نصیب کو رو رہے ہیں۔

انڈین گورنمنٹ کے ماتحت چار کروڑ مسلمان ہیں۔ اتنی بڑی تعداد اگر منظم رہے تو نہ صرف یہ کہ وہ اپنی حفاظت کر سکتی ہے بلکہ پاکستان کے لیے بھی تقویت کا موجب بن سکتی ہے۔ ان چار کروڑ مسلمانوں میں مسلم لیگ کے نام اور کام کو طاقت پہنچانے کی ضرورت ہے، ان کی تنظیم اور قوت پر ہی ہمارے مستقبل کا انحصار ہے۔

مسلم لیگ کی تنظیم کیساتھ وہاں اردو زبان کی حفاظت اور ترقی کا کام بھی جاری رہنا چاہیئے۔ انڈین گورنمنٹ کے ماتحت ہندی کی ترویج کی کوششیں ہو نگیں۔ اور ممکن ہے کہ مسلمانوں کو بھی اسے پڑھنا اور اس میں کاروبار کرنا پڑے۔ اس صورت میں انڈین حکومت کے ماتحت بسنے والے مسلمان اگر آہستہ آہستہ اردو سے ناآشنا رہ گئے تو یہ سب سے بڑی بدقسمتی اور تباہی ہوگی۔ اگر ہمارا لسانی اتحاد قائم نہ رہا تو مذہبی اتحاد بھی برائے نام رہ جائے گا۔ اسلیئے ہمیں ابتدا ہی سے اس کو اپنے مقاصد میں شامل کر لینا چاہیئے۔ ہر قصبہ اور ہر گاؤں میں جہاں بھی مسلم لیگ کی شاخ ہو وہاں ایسے ریڈنگ روم قائم کیئے جائیں جہاں اردو اخبارات اردو رسائل اور اردو کی اچھی اچھی کتابیں موجود رہیں۔ پرائیویٹ مدارس میں مسلمانوں کے بچوں کو اردو کی تعلیم دی جائے تاکہ نشرو اشاعت کا سلسلہ جاری رہے۔

انڈین گورنمنٹ کے ماتحت بسنے والے مسلمانوں کی تنظیم کے ساتھ

وہاں مسلم لیگ کو کانگرس سے تعاون کی پالیسی اختیار کرنی چاہیئے نیشنل مسلمان چاہتے ہیں کہ وہاں کے مسلمان لیگ کو چھوڑ کر کانگرس میں شامل ہو جائیں۔ یہ پالیسی خودکشی کے مترادف ہے۔ ہونا یہ چاہیئے کہ مسلم لیگ زیادہ سے زیادہ طاقتور بنے۔ اور اپنی پوری قوت کیساتھ اپنی انفرادیت کو قائم رکھتے ہوئے کانگرس سے تعاون کرے اور اُن عناصر کو کانگرس کیساتھ مل کر شکست دے جو مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیئے کانگرس کو سیاست کے میدان میں شکست دینا چاہتے ہیں۔ یہ عناصر ہندو مہاسبھا اور اکالی ہیں۔

انڈین گورنمنٹ کے ماتحت بسنے والے مسلمان۔ لیگ کے نظام کے ماتحت منظم ہو کر انڈین گورنمنٹ کی پوری پوری امداد کریں اور ان سے سچا تعاون کریں۔ اس سے ان کی سلامتی کا مسئلہ بھی حل ہو جائیگا۔ اور کانگرسی حکومت بھی مخالف عناصر کی زد سے محفوظ رہے گی۔

یہی طریق عمل ان دو کروڑ نا مسلموں کا ہونا چاہیئے جو پاکستان کے ماتحت آ گئے ہیں۔ وہ اپنی انفرادیت کو قائم رکھیں لیکن حکومت سے وفاداری اور تعاون انکا فرضِ اولین ہونا چاہیئے۔ اس کے جواب میں پاکستان میں بسنے والے مسلمانوں کا فرض ہے کہ اُن سے اتنا اچھا اور اتنا دوستانہ سلوک کریں کہ اُن کے دل سے سب قسم کا خوف و ہراس دور ہو جائے۔ پاکستان کو جنت بنانا اب مسلمانوں کا فرض ہے۔ جنت میں قتل و غارت حرام ہے۔ انتقامی کارروائیاں گناہ ہیں۔ گذشتہ دنوں میں جو کچھ ہوا اُسکو بھول جانا چاہیئے۔ اُسکی بھیانک یاد کو دلوں سے مٹا دینا چاہیئے۔ قصور ایک کا تھا یا دونوں کا یا سب کا۔ نتائج دونوں کے لیئے ہولناک تھے۔ اب دلوں پر شفقت و بخشش کی مرہم رکھیئے۔ حسنِ سلوک سے ایک دوسرے کا حوصلہ قائم

کیجیئے۔ شیریں زبانی اور خندہ پیشانی سے ملیئے۔ اپنے اپنے افعال پر شرماتے ہوئے بغل گیر ہو جائیے۔

لاہور کے مسلمان۔ ہندوؤں کو آباد ہونے واپس آنے کی دعوت دیں۔ امرتسر کے ہندو مسلمانوں کو واپس بلائیں۔ دیکھیئے بہار کے واقعات لاہور اور امرتسر سے بہت زیادہ تھے۔ لیکن وہاں بہاریوں کو واپس لا لا کر بسانے کی مہم جاری ہے۔ اور ہزاروں مسلمان بہار میں واپس جا چکے ہیں۔ ہندوستان کی ان دونوں حکومتوں اور اُنکے باشندوں کو یہ حقیقت پیش نظر رکھنی چاہیئے۔ کہ ۴ کروڑ مسلمان اور دو کروڑ ہندو ماتحتی یا رعایا کی سی زندگی بسر کرینگے۔ کیا چھ کروڑ انسانوں کو قتل کر ڈالا جائے یا انہیں ملک بدر کر دیا جائے؟ اگر یہ پالیسی اختیار نہیں کی جا سکتی اور ناممکن العمل ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم صبر و شکر سے امن و سکون کی زندگی اختیار کر کے وفادار شہریوں کی حیثیت سے زندگی بسر کریں۔

ہندوستان کی ان دو نئی حکومتوں کو ڈومنین اسٹیٹس کا درجہ ملا ہے اگر انکی باہمی لڑائی بڑھتی ہی گئی۔ تو دونوں حکومتیں تباہ و برباد ہو جائیں گی اور پھر وہ یا تو خود مجبور ہونگیں کہ حکومت از سرِ نو انگریزوں کے حوالے کر دیں یا کوئی تیسری بڑی طاقت امن قائم کرنے کے بہانے سے پھر ہمارے سر پر مسلط ہو جائیگی۔ اور اس وقت نہ حکومت ہندو کی رہیگی۔ نہ مسلمان کی۔ کیا ہم دونوں میں سے کوئی بھی یہ چاہتا ہے کہ جو آزادی ڈیڑھ سو صدی کے بعد ملی ہے وہ غلامی سے بدل جائے؟ اگر ایسا نہیں ہے۔ تو ہم دونوں قوموں کو فسادات کی ذمہ داریاں بھی سمجھنے کی ضرورت ہے۔

ہندوستان کی حالت ایسی ہے کہ ایک جگہ کی خبر دوسری جگہ آگ کی

طرح پھیل جاتی ہے۔ ریڈیو۔ اخبارات۔ اور رسل و رسائل کے دیگر ذرائع غلط یا صحیح خبروں کو دور و نزدیک بڑی سرعت سے پھیلا دیتے ہیں۔ جس سے قتل و غارت میں امداد ملتی ہے۔

پاکستان میں امن و امان رکھنے کی سب سے پہلے ذمہ داری مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے۔ ہمیں اس وقت یہ نہیں دیکھنا کہ ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں کیا ہو رہا ہے۔ آپ کو اپنے انتظام میں خلل نہیں آنے دینا۔ آپ کو اُن تمام لوگوں کی حفاظت کر کے دکھانا ہے۔ جو آپ کی پناہ میں ہیں اور آپ کے جھنڈے تلے زندگی بسر کر رہے ہیں۔

پاکستانی حکومت کو کامیاب بنانے کے لیئے اس حصۂ ملک سے بدامنی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے رخصت کر دیجیئے۔ بدامنی اچھی سے اچھی اور طاقتور سے طاقتور حکومت کے پاؤں اکھاڑ دیتی ہے۔

آخر میں میں پھر دہراتا ہوں کہ سلطنتوں کی تباہی کے چار بڑے بڑے اسباب ہیں۔

(۱) باہمی خانہ جنگیاں اور لڑائیاں۔ جو ٹڈی کی طرح چمٹ جائیں اور حکومتوں کو ختم کر دیتی ہیں۔

(۲) علوم و فنون سے بے بہرہ رہنا اور زمانہ کی رفتار کے ساتھ نہ چلنا دوسرا سب سے بڑا سبب ہے۔ ہمیں سائنس جدیدہ کے تیار کردہ ہتھیاروں سے مسلح ہونا چاہیئے۔ (۳) افسروں کا حکم نہ ماننا۔ حکم عدولی اور بغاوت کی سپرٹ جو تمام نظام کو درہم برہم کر دیتی۔ اور مرکزی قوت کو فنا کر دیتی ہے (۴) بدامنی۔ کسی ملک میں بدامنی کا دور دورہ ہو تو وہاں کامیاب حکومت قایم نہیں کی جا سکتی۔

ہز میجسٹی ظاہر شاہ۔والئی افغانستان

ولی عہد دکن

اعلیٰ حضرت شاہِ دکن

بعض اسلامی ریاستیں

ہندوستان کی اسلامی ریاستوں میں سے اکثر انڈین حکومت کی اسمبلی میں شامل ہو گئی ہیں۔ سیاسی مصلحتیں اسی کی مقتضی تھیں۔۔۔۔ اسلامی ریاستوں میں چند خاص طور پر نمایاں ہیں!

اول ریاست حیدر آباد۔۔۔۔ یہ ہندوستان کی قدیم ترین اسلامی ریاست ہے۔ اور عہدِ مغلیہ کی یادگار ہے۔ بہ لحاظ رقبہ۔ آبادی اور دولت۔۔۔۔ کے دُنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں کے برابر ہے۔ تہذیب و تمدن اور ترقی و خوش حالی میں یہ ریاست برٹش انڈیا پر بھی فوقیت رکھتی ہے۔

ریاست حیدر آباد کا رقبہ ۸۲ ہزار مربع میل ہے۔ مردم شماری میں ۱۴ لاکھ مسلمان اور ایک کروڑ ہندو اور پانچ لاکھ کے قریب اچھوت وا جینی ہیں۔ اگر برار کا علاقہ شامل کیا جائے تو کل آبادی پونے دو کروڑ ہوتی ہے۔

قلمروِ آصفی میں کل مواضعات کی تعداد ۲۲ ہزار ہے۔ اور ان میں چھ ہزار مواضعات جاگیرداروں کی تحویل میں ہیں۔ قلمروِ آصفی میں بڑے بڑے راجے اور نواب حکومت حیدر آباد کے باج گذار ریاست کے

اندر موجود ہیں۔ جن میں سے بعض کی حکومتیں ہندوستان کی کئی مشہور ریاستوں سے بھی بڑی ہیں۔ ان راجائی علاقوں کی آبادی ۲۵ لاکھ سے زائد ہے۔

ریاست حیدرآباد کی آمدنی ایران سے زیادہ ہے۔ سنہ ۱۹۴۵ء کا بجٹ ۲۶ کروڑ روپے کا تھا۔ اور حیدرآباد کا محفوظ سرمایہ بہت بڑا ہے۔ اس کے علاوہ حضور نظام کی ذاتی جائداد اور خزانہ اربوں روپے کا بیان کیا جاتا ہے۔ حیدرآباد نے جنگ کے دوران میں برطانیہ کو کم و بیش ۴ کروڑ پونڈ کی امداد دی ہے۔

ریاست حیدرآباد میں ہندو رعایا کی بہت کثرت ہے۔ لیکن اس رعایا کا ۹۵ فی صدی حصہ حکومت نظام کا وفادار ہے۔ کیونکہ حکومت نے جو قوانین نافذ کیے ہیں۔ اُن سے ہندو رعایا کی بہتری اور ترقی کا سلسلہ بڑے زور و شور سے جاری ہے۔ لازمی تعلیم کے ذریعہ سے جو روپیہ خرچ ہو رہا ہے۔ اس کا زیادہ حصہ ہندو رعایا کے حصہ میں آتا ہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی میں رعایا کے تمام افراد کے لیے یکساں تعلیم و تربیت کا انتظام ہے۔ حضور نظام نے بنارس ہندو یونیورسٹی میں ■ لاکھ روپیہ کے صرف سے حیدرآباد کے ہندو طلبا کے لیے ہوسٹل اور آرامگاہیں تعمیر کرائی ہیں۔ ریاست کی اسمبلی میں ہندوؤں کا زبردست حصہ ہے۔ اور اکثر ہندو کارکن بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز ہیں۔ ہندوؤں کے مذہبی اداروں اور مندروں کے لیے تین لاکھ روپیہ سالانہ کی آمدنی کی جاگیریں مقرر ہیں۔ ہر مذہب و ملت کے آدمی کو اپنے مذہبی رسوم ادا کرنے کی آزادی ہے۔ اور کسی کے مذہب میں کسی قسم کی مداخلت

نہیں کی جاتی - ہندوؤں کے جذبات کے مدِ نظر ریاست حیدر آباد میں
گائے کی قربانی وغیرہ ممنوع قرار دی جا چکی ہے -

ریاست کے اندر جو ہندوؤں کی ریاستیں ہیں اُن میں سے بعض
جے پور، جودھ پور، اور بیکانیر کے برابر ہیں - ان ریاستوں کو حضور نظام
نے جوں کا توں قایم رکھا ہے - اور کسی ایک ریاست کو بھی اپنے قبضہ
و اختیار میں نہیں لائے -

ریاست میں زراعت پیشہ ہندو آبادی ہے - جسکی تعداد ایک
کروڑ سے زیادہ ہے - اس پس ماندہ جماعت کو ترقی دینے کے لیئے
حکومت نے بہت سے آبپاشی کے بند اور نہریں تعمیر کرائی ہیں - جس
پر بیس۲ کروڑ روپے خرچ کیئے جا چکے ہیں - ریاست کا زیادہ بجٹ
زراعت کی ترقی پر صرف ہوتا رہا ہے - جس کا بیشتر حصہ ہندوؤں کی فلاح
و بہبود پر خرچ ہوتا تھا - اس طرح سے ریاست کی ہندو آبادی خوش حال
اور مضبوط ہوتی جا رہی ہے - ہر سال مالگذاری میں حالات کے مطابق کروڑ
روپے تک معافیاں دی جاتی ہیں -

دیہات میں اصلاح کے لیئے امدادِ باہمی کی انجمن ساہوکاروں سے
زمینداروں کو محفوظ کرنے کے لیے زراعتی بنکس، زمینداروں کے لیئے
حیوانات کے ڈاکٹر اور اُن کے ذاتی علاج معالجہ کے لیئے ڈاکٹری و
طبی ڈسپنسریوں کا جال تمام ملک میں پھیلا دیا گیا ہے - اس طرح سے ۸۰
فی صدی ہندو آبادی کو خوش حال و طاقتور بننے کا موقعہ حکومت بہم پہنچا
رہی ہے -

ریاست کے دیگر اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ صنعت و حرفت

میں ہندوؤں کا حصہ ۹۲ فی صدی۔ تجارت میں ۹۱ فی صدی۔ آزاد پیشوں میں ۸۵ فی صدی ہے۔ جس سے آپ ہندو رعایا کی خوش حالی کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ البتہ سرکاری ملازمتوں میں مسلمان ساٹھ ستر فی صدی تھے۔ اب ۵۰ فی صدی رہ گئے ہیں۔ اور آہستہ آہستہ ہندو اُن کی جگہ لے رہے ہیں۔ دراصل حیدر آباد کے ہندو ملازمت کو زیادہ پسند نہیں کرتے کیونکہ وہ دوسرے ذرائع سے زیادہ آمدنی پیدا کر لیتے ہیں۔

ریاست حیدر آباد میں کل مندروں کی تعداد ۳۲ ہزار ہے۔ جن میں سے ۱۲ ہزار کو حکومت حیدر آباد کی طرف سے امداد ملتی ہے۔ باقی کی اپنی ذاتی جائداد کافی ہے اور وہ امداد سے بے نیاز ہیں۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ گو ریاست اسلامی حکمراں کے ماتحت ہے۔ لیکن ہندوؤں کے مندروں تک کو امداد دے کر چلانا ظاہر کرتا ہے کہ ریاست ایک ہندو ریاست سے بھی اچھا سلوک کر رہی ہے۔

ریاست میں جدید سڑکوں کی تعمیر اور پُرانی سڑکوں کی اصلاح پر بارہ کروڑ روپے صرف ہو چکے ہیں یہ سب سڑکیں دیہات کی ہیں تاکہ زمینداروں کو حمل و نقل میں آسانی رہے۔

ریاست حیدر آباد میں صنعت و حرفت کو ترقی دینے اور بڑے بڑے کارخانے قائم کرنے کا وسیع پروگرام مرتب کیا گیا تھا۔ جس پر کئی برسوں سے عمل ہو رہا ہے۔ سنہ ۱۹۲۹ء میں ۱/۲ ۱ ملین پونڈ (دو کروڑ ۲۵ لاکھ روپیہ) حکومت حیدر آباد نے اس غرض کے لیئے علیحدہ کر دیئے تھے اور دس سال کے اندر ریاست کی صنعتوں میں نمایاں ترقی ظاہر ہوئی۔ کپڑے کے کامیاب کارخانے چلنے لگے۔ شاہ آباد کا سیمنٹ کا کارخانہ اپنے بہترین

سیمنٹ کی وجہ سے دور و نزدیک مشہور ہو گیا۔ کھانڈ بنانے کا ایک بہت بڑا کارخانہ کامیابی سے چلنے لگا۔ سرپور میں کاغذ کا کارخانہ سات ہزار ٹن کاغذ سالانہ تیار کرنے لگا۔ اس مد میں سرمایہ وقتاً فوقتاً بڑھایا جاتا رہا۔

حال ہی میں ریاست کے چیف انجنیر میر لایق علی کو امریکہ اور انگلستان بھیجا گیا تھا۔ تاکہ وہ ریاست کے لیئے ضروری مشینری خریدیں۔ چنانچہ آپ نے (تین ملین پونڈ) پانچ کروڑ روپے کی مشینری کے آرڈر انگریزی و امریکن فرموں کو دیئے ہیں۔ ان میں رسیٔے بنانے والی مشینری۔ کاغذ بنانے والی مشینری اور کھانڈ بنانے والی مشینری نمایاں ہیں۔ مشینری پہنچتے ہی یہ تین بڑے کارخانے اور کھل جائینگے۔ ڈیڑھ لاکھ کلوواٹ کی طاقت سے بجلی پیدا کرنے کے کارخانے قایم ہو گئے ہیں۔ جنہیں حسب ضرورت ترقی دی جا سکیگی۔

ریاست میں ساڑھے چار لاکھ مزدور کپڑے کی ملوں میں کام کر رہے ہیں۔ ورنگل میں قالین کمبل غالیچے تیار ہونے لگے ہیں۔ کیمکلز۔ شیشے کے کام اور پلاسٹر کی تیاری کے لیئے پرائیویٹ فرموں کو حکومت نے امداد دے کر کامیاب بنایا ہے۔ ایک کمپنی الیون سٹیل ورکس کے نام سے قایم کی گئی ہے۔ جس کا نصف سرمایہ حکومت نے مہیا کیا ہے۔ یہ کمپنی ہوائی جہازوں کے پرزے بڑی مقدار میں تیار کرتی ہے۔ لوہے کی الماریاں اور لوہے کا دیگر فرنیچر بھی بناتی ہے۔ حیدر آباد میں انیمل ورکس اور ٹین فیکٹریاں بھی بن گئی ہیں۔ سگرٹ بنانے کا ایک کارخانہ وسیع پیمانہ پر کام کر رہا ہے۔

ریاست حیدر آباد میں کوئلہ کے بڑے ذخیرے ہیں۔ ان کانوں کی کھدائی کا کام ایک برٹش فرم کے ہاتھ میں تھا۔ حکومت نے اس فرم کو خرید

لیا ہے تاکہ کان کنی کا یہ تمام کام بھی ریاست ہی کرے۔ لوہا، سنگ مرمر چونے کا پتھر، سونا اور ہیرے کی کانیں بھی ریاست میں ہیں۔

ریاست میں اچھی روئی کی کافی مقدار پیدا ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ گنا اور تیل نکلنے کی بیجوں کی زیادہ کاشت ہوتی ہے۔

ریاست میں جنگلات بہت ہیں۔ جن کی حفاظت اور ترقی پر حکومت ایک خاص رقم صرف کرتی ہے۔ ان جنگلات میں بانس اور ایسی نرم لکڑی کی بہتات ہے جو غذا کی تیاری میں کام آتی ہے۔

ریاست حیدر آباد کی اپنی ریلوے لائن ہے۔ جو ایک ہزار تین سو میل لمبی ہے۔ نیز پانچسو میل لمبی ریلوے لائن زیر تعمیر ہے۔ اس کے علاوہ سرکاری لاریوں کے ذریعہ سے دو کروڑ مسافر ایک سال میں ادھر سے اُدھر سفر کرتے ہیں۔ جنگ کے دوران میں ریلوے کارخانے میں جنگی ضروریات کی ہزاروں چیزیں تیار ہوتی رہیں۔ ریلوے نے پانچ ہزار ماہرین پیدا کیے اور ۱۷۰۰ نوجوانوں نے ٹریننگ سکولوں میں تربیت حاصل کی۔ حکومت حیدر آباد ان تربیت یافتہ کاریگروں کو باکار رکھنے میں سعی بلیغ کر رہی ہے اور متعدد کارخانے کھول رہی ہے۔

حکومت ترقی کی تمام سکیموں پر ۸۰ کروڑ پونڈ خرچ کر رہی ہے۔

کوئلہ کے کارخانوں کے قریب گوداوری کے پاس ایک نیا صنعتی شہر تعمیر ہو رہا ہے۔ یہاں ایک بڑا ذخیرۂ آب جمع ہوگا۔ جہاں سے ۲ ½ لاکھ ایکڑ زمین کو سیراب کرنے کے لیے نہریں نکالی جائینگی۔ اور ستر ہزار کلوواٹ بجلی مہیا کی جائیگی۔ یہاں ہی تمام بڑے بڑے کارخانے تعمیر کیے جا رہے ہیں۔ لوہا، کوئلہ اور بجلی کا قرب ان کارخانوں کی کامیابی

میں سہولتیں بہم پہنچائیگا۔

ریاست حیدرآباد کے بڑے بڑے شہر یہ ہیں۔

حیدرآباد۔ جو حکومت کا دارالسلطنت ہے۔ یہ ہندوستان میں پانچواں بڑا شہر ہے۔ اس کی آبادی ۱۲½ لاکھ ہے۔ بڑی بڑی شاندار عمارتوں کے سلسلے دیکھے جا سکتے ہیں۔

بڑی بڑی عمارتوں میں جامعہ عثمانیہ ۴ کروڑ روپے، ٹاؤن ہال ۱۶ لاکھ روپے، عدالت العالیہ ۴۲ لاکھ روپے، سٹی کالج ۹ لاکھ روپے، باغ عامہ دو لاکھ روپے، مکتب خانہ آصفیہ دس لاکھ روپے، صدر دواخانہ یونانی ۷ لاکھ روپے، ایڈیسن ہال ۴ لاکھ روپے۔ مشہور عمارتیں ہیں۔ اس کے علاوہ کروڑوں روپے کے صرف سے اور بھی عمارتیں تیار ہو چکی ہیں یہاں صرف چند کا ذکر کیا گیا ہے۔

اورنگ آباد، نظام آباد، گلبرگہ، عادل آباد، سکندر آباد اور گوداوری زیادہ مشہور ہیں۔

ریاست کے حکمران کا نام میر عثمان علی خاں ہے ۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۱۱ء میں تخت نشین ہوئے۔ آپ کو ہز اگزالٹیڈ ہائی نس کا اعزاز حکومت برطانیہ سے حاصل ہے۔ ولی عہد کا نام شہزادہ میر محمد اعظم جاہ ہے۔ جو شہزادہ برار بھی کہلاتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت میر عثمان علیخاں دیندار اور سادہ مزاج انسان ہیں آپ کی زندگی سادگی اور دینداری کا مرقع ہے۔ آپ اپنا تمام وقت رعایا اور ریاست کی فلاح و بہبود میں صرف کرتے ہیں۔

ولی عہد بہادر شہزادہ نواب میر محمد اعظم جاہ تعلیم یافتہ اور ذہین ہیں

امورِ سلطنت کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ اور ابھی سے کاروبار سلطنت میں حصہ لینے لگے ہیں۔ توقع ہے کہ جب کبھی بھی تمام ذمہ داری آپ کو تفویض ہوئی تو آپ ریاست کی طاقت و ثروت میں مزید اضافہ کرینگے۔

ریاست کے وزیر اعظم کپتان نواب سر محمد احمد سعید خانصاحب نواب چھتاری ہیں۔ آپ ہندوستانی سیاستدانوں میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ ایکبار ریاست کی وزارتِ عظمیٰ کو سنبھالے رہے اس کے بعد ریٹائر ہو گئے۔ اب جبکہ ریاست کے مستقبل پر سیاسیات ہند کا گہرا اثر پڑ رہا ہے۔ آپ کو پھر وزارت کا عہدہ تفویض ہوا ہے اور توقع کی جا رہی ہے کہ ریاست حیدرآباد کا سر بلند کرنے میں آپ کی کوششیں کامیاب ہونگیں۔

ریاست حیدرآباد کے بعض عمال میں ایک نقص ہے۔ وہ بڑا انتہا امارت پسند کاہل اور سست ہیں۔ معمولی کاغذ اُن کے دستخطوں کیلیے مہینوں پڑے رہتے ہیں۔ جس سے رعایا کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ سرکاری عمال کی یہ سہل انگاری کسی صورت برداشت نہیں کی جاسکتی یہ عیب اگر ریاست سے نکل جائے تو ریاست حیدرآباد دُنیا بھر میں اپنی مثال پیش نہیں کر سکتی۔ اس عیب کو دور کرنا صدرِ اعظم اور دیگر وزرار کا کام ہے۔ کہ وہ اپنے اپنے محکموں کے عمال پر نظر رکھیں۔ کہ ہر کاغذ وقت پر پوری عجلت کے ساتھ کاروباری منازل طے کرتا ہوا گذر جائے۔ اور پبلک کی ایک بڑی شکایت رفع ہو جائے۔

سلطنت دکن کا اپنا جھنڈا۔ سکہ (نوٹ، اشرفی و چاندی کے سکے) ڈاک ٹکٹ۔ ریل اور فوج ہے۔

ریاست حیدرآباد میں ۱۹۳۲ء میں ۲۰ ہزار تربیت یافتہ فوج کیل کانٹے سے لیس رہتی تھی۔ اتنی فوج ہندوستان بھر میں کسی ریاست کے پاس نہ تھی۔ فوج کا بجٹ ۱۶ لاکھ روپیہ سالانہ تھا۔ لیکن گذشتہ جنگِ عظیم سے اس میں بہت اضافہ ہوا ہے۔ اب ریاست دو لاکھ فوج مہیا کر سکتی ہے۔ ریاست کا اپنا حربیہ کالج اور سامانِ جنگ تیار کرنے کے کارخانے اور ہوائی جہاز ہیں۔

ریاست قلات

بلوچستان کی سب سے بڑی ریاست ہے۔ ریاست کا کچھ حصہ پہاڑی اور کچھ میدانی ہے۔ ساراوان۔ جھالاوان، کچی اور مکران اس کے چار حصے ہیں۔ ریاست کا رقبہ ۷۰ ہزار مربع میل اور آبادی ۳ ½ لاکھ ہے۔ ریاست کی آمدنی ۲۰ لاکھ روپئے سالانہ ہے۔

حکمران کا نام سر حاجی میر احمد یار خاں جی۔ سی۔ آئی۔ ای ہے آپ منصف مزاج اور رعایا کے خیر خواہ ہیں۔ آپ ملک کی فلاح و بہبود کا خوب خیال رکھتے ہیں۔ خانِ قلات ۱۹۳۲ء میں تخت پر بیٹھے تھے۔

قلات کے زیر نظر ایک ریاست لس بیلہ بھی ہے۔ حکمران کا نام میر غلام قادر خان ہے۔ جام صاحب کہلاتے ہیں۔ آبادی ۶۵ ہزار اور آمدنی ۴ لاکھ روپئے ہیں۔ قلات کوئٹہ سے ۹۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔ ریاست کی بندرگاہیں یعنی اجیوانی، سون جیانی اور گوادر ہیں جو بہت

کم استعمال میں آتی ہیں۔

چترال } ہندوستان کے شمالی مغربی صوبہ سرحد کے آخری کونہ پر آباد ہے۔ ریاست کے حکمران شاہ تیموری کی اولاد سے ہیں۔

ریاست کے حکمران میجر ایچ۔ ایچ مہتر سر محمد نصیر الملک کے۔ سی آئی۔ ای ہیں۔ آپ بادشاہ چترال ہیں۔ آپ پشاور کالج کے گریجویٹ روشن خیال اور علم دوست ہیں۔ آپ کی چند تصنیفات غیر فانی شہرت رکھتی ہیں۔

ریاست کا رقبہ چار ہزار مربع میل ہے۔ اور چار ہزار کے قریب فوج ہے۔ دارالخلافہ چترال ہے۔

ریاست جوناگڑھ } ریاست کا رقبہ تین ہزار تین سو مربع میل۔ آبادی چھ لاکھ ۷۰ ہزار ہے۔ آمدنی ۸۵ لاکھ سالانہ۔

ریاست کا مشہور بندرگاہ ویراوال ہے

حکمران کا نام کیپٹن ہز ہائی نس سر مہابت خان جی رسول خان جی ثالث جی۔ سی۔ آئی۔ ای۔ کے۔ سی۔ ایس۔ آئی نواب صاحب بہادر آف جوناگڑھ۔

آپ یوسف زئی پٹھان قبیلہ سے ہیں۔ ۱۲ اگست سنہ ۱۹۰۰ء میں آپ پیدا ہوئے تھے۔ انگلستان اور اجمیر کالج میں تعلیم حاصل کی ہے آپ روشن خیال اور منصف مزاج حکمران ہیں۔ ریاست جوناگڑھ پاکستان اسمبلی میں شامل ہو گئی ہے۔

ریاست بہاولپور

ریاست بہاولپور قریباً تین سو میل لمبی اور پچاس میل عریض ہے۔ ریاست کے شمال مشرق میں بیکانیر اور جیسلمیر کی ریاستیں ہیں۔ ریاست کا رقبہ ۱۵ ہزار مربع میل۔
ریاست کی آمدنی ڈیڑھ کروڑ روپے سالانہ کے قریب ہے۔
آبادی ۱۵ لاکھ ہے۔

ریاست کے حکمران کا نام ہز ہائی نس رکن الدولہ الحاج سر صادق محمد خانصاحب بہادر عباسی۔ ایل ایل ڈی۔ جی۔ سی۔ آئی۔ ای۔ کے۔ سی۔ ایس آئی۔ کے۔ سی۔ وی ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب بغداد کے خلفائے عباسیہ سے ملتا ہے۔

آپ ۱۹۰۴ء میں پیدا ہوئے تھے ۱۹۲۴ء میں ریاست کے اختیارات آپکو تفویض ہوئے۔

ریاست بہاولپور میں حکومت کے فرائض انجام دینے کیلئے ایک مجلس وزرا قائم ہے۔ ریاست کے باشندے اپنے حکمران سے بڑی محبت اور عقیدت رکھتے ہیں اور "خان سائیں" کے محبت بھرے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ریاست بہاولپور کے زرعی وسائل بڑی سرعت سے نشوونما پا رہے ہیں۔ نہروں کا پانی زمینوں کو سیراب کرنے لگا ہے۔ اور جدید نوآبادی قائم کرنے کے طرز پر مربعہ جات زمین کاشت کیلئے آباد کاروں کو تقسیم ہوتے ہیں۔

ہز ہائی نس نواب صاحب بہادر ریاست کی ترقی میں بڑی دلچسپی لے رہے ہیں۔ بہاولپور کا نام بغداد الجدید رکھا گیا ہے۔ یہاں ایک کالج اور متعدد سکول ہیں۔ ریاست میں کالجوں اور سکولوں کا جال پھیلایا جا رہا ہے

ریاست کے تمام عہدوں پر تجربہ کار ماہرین فن کا تقرر عمل میں آتا ہے۔ جن کے مشوروں اور حسن کارکردگی سے ریاست دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہی ہے۔

دنیائے اسلام کے اعداد و شمار

مسلمانوں کی مردم شماری کے جو اعداد مغربی مصنفین اور محققین نے شائع کیئے ہیں وہ صحیح اندازے سے کم ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ مسلمانوں کی صحیح تعداد کی اشاعت سے گھبراتے ہیں۔ تاہم بھی جو کچھ ان کے ذریعے سے پہنچ سکا ہے وہ شائع کیا جا رہا ہے۔ یہ اعداد و شمار ڈاکٹر ذکی علی کی مشہور تصنیف اسلام ان دی ورلڈ (انگریزی ۴۲۷ صفحات مجلد قیمت آٹھ روپے شیخ محمد اشرف تاجر کتب کشمیری بازار پبلشر اور ایک نقشہ بھی اسی کتاب سے لیکر شروع میں لگایا گیا ہے) سے ماخذ ہیں۔

پہلی جنگ عظیم میں بھی کروڑوں آدمیوں کا جانی نقصان ہوا تھا۔ جس میں مسلمانوں کی تعداد نا قابل ذکر تھی۔ دوسری جنگ میں بھی زیادہ نقصان عیسائی اقوام کا ہوا ہے۔ اس کے بعد چین و جاپان کا نقصان ہے مسلمانوں کا اس دوسری جنگ میں بھی جو جانی نقصان ہے وہ نا قابل ذکر ہے۔

مسلمانوں کی رفتار پیدائش سب اقوام سے زیادہ ہے اور اب اُن میں تعلیم کا چرچا ہو جانے سے شرح اموات میں بھی کمی ہوتی جا رہی ہے جس سے مسلمانوں کا دو تین صدی میں بہت زیادہ بڑھ جانا یقینی ہے۔

افریقہ میں مسلمان

ملک	تعداد	ملک	تعداد
		سیرالیون	۲۰ لاکھ
مصر	ایک کروڑ ۹۰ لاکھ	نائیجیریا	ایک کروڑ ۱۰ لاکھ
سوڈان	۵۵ لاکھ	پرتگیزی گنی	۳ لاکھ
ٹریپولی	۱۰ لاکھ	لائبیریا	۱۰ لاکھ
ٹیونس	۲۵ لاکھ	کیمرون	۱۰ لاکھ
الجیریا	۷۰ لاکھ	گابن	۲ لاکھ
مراکو (فرانسیسی)	۶۸ لاکھ	مڈل کانگو	۴ لاکھ
مراکو (سپینی)	۷ لاکھ	چاڈ	۱۱ لاکھ
مراکو (تنجیرا بین الاقوامی علاقہ)	۵۰ ہزار	برٹش کیمرون	۵ لاکھ
سنی گال	۱۴ لاکھ	کیپ وردے پرتگیزی جزیرے	۶۰ ہزار
سوڈان فرانسیسی	۲۱ لاکھ	جنوب مغربی افریقہ	ایک لاکھ
شمالی وولٹا	۶ لاکھ	جنوبی افریقہ یونین	ایک لاکھ ۸۰ ہزار
فرنچ گنی	۲۰ لاکھ	پرتگیزی مشرقی افریقہ	۱۰ لاکھ
آئوری کوسٹ	۱۰ لاکھ	باسوٹولینڈ	۵۰ ہزار
ڈھومی	۶ لاکھ	بلجیم کانگو	۲ لاکھ
ٹوگولینڈ	۵ لاکھ	نیاسالینڈ	۵ لاکھ
نائیجر کالونی	۱۲ لاکھ	مڈغاسکر (فرانسیسی)	۸ لاکھ
ڈاکر	۸۰ ہزار	زنجبار	۲ لاکھ ۳۰ ہزار
ماری ٹینیا	۴ لاکھ	کینیا کالونی	۲۰ لاکھ
صحرائے اعظم	دو کروڑ	ٹانگانیکا	۱۰ لاکھ
گیمبیا	۳ لاکھ	یوگنڈا	۱۰ لاکھ

برٹش سومالی لینڈ ۷ لاکھ
فرنچ سمالی لینڈ ۳ لاکھ
اٹالین سومالی لینڈ ۱۲ لاکھ
اری ٹیریا ۵ لاکھ
ابی سینا ۴۵ لاکھ

یورپ میں مسلمان

البانیا ۸ لاکھ
یوگوسلاویہ ۱۵ لاکھ
بلگریا ۹ لاکھ
رومانیا ۲½ لاکھ
یونان ۲ لاکھ
متفرق یورپین ممالک ۳ لاکھ
سائپرس جزیرہ ۶۵ ہزار
روڈس ۱۵ ہزار

ایشیا میں مسلمان

ترکی ایک کروڑ ۸۰ لاکھ
شام و لبنان ۳۰ لاکھ
فلسطین ۱۰ لاکھ
شرق اردن ۴½ لاکھ

عراق ۴۴ لاکھ
سعودی عرب ۷ لاکھ
یمن ۳۵ لاکھ
عدن کالونی (بندرگاہ) ۵۰ ہزار
ملک عدن ۶ لاکھ
مسقط و عمان ۵½ لاکھ
ایران ۱½ کروڑ
افغانستان ۱ کروڑ
ہندوستان ۱۰ کروڑ
چین ۵ کروڑ
تبت ۳ کروڑ
کوریا ۸۰ ہزار
روس ۳ کروڑ
انڈوچائنا ایک لاکھ
سیام ۳ لاکھ
برٹش ملایا ۳۰ لاکھ
لنکا ۶ لاکھ
برٹش بورنیو ۲ لاکھ ۷۰ ہزار
سراواک ایک لاکھ ۲۰ ہزار
انڈونیشیا (جاوا، سماٹرا وغیرہ) ساڑھے چھ کروڑ ۶½ کروڑ

جاپان	پچاس ہزار

امریکہ

شمالی امریکہ	۲ لاکھ پچاس ہزار
جنوبی امریکہ	پانچ لاکھ
فلپائن	دس لاکھ

میزان قریباً چالیس کروڑ۔

علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ

نے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس سنہ ۳۰ء میں فرمایا تھا۔

"ہندوستان کو حکومت خود اختیاری ملے یا نہ ملے مجھے تو یہی نظر آتا ہے کہ شمال مغربی ہندوستان ایک متحدہ اسلامی ریاست کا قیام کم از کم اس علاقہ کے مسلمانوں کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے"

علامہ اقبالؒ نے ۲۸ مئی سنہ ۳۷ء کو قائدِ اعظم کے نام ایک خط میں لکھا۔

"سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کے افلاس کا مسئلہ کیونکر حل کیا جائے؟ آئندہ مسلم لیگ کی تمام تر توجہات اور کارروائیاں اسی مسئلہ کے حل کے لیئے ہونی چاہئیں خوش قسمتی سے اسلامی قانون کی ترویج میں خود اسکا حل موجود ہے۔ لیکن شریعت اسلامی کو ترقی دینا روبہ عمل لانا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ یہ آزاد اسلامی ریاست نہ ہو۔ ہندوستان میں امن اور مسلمانوں کے لیئے روٹی کا مسئلہ صرف اسی ایک طریق سے حل ہو سکتا ہے"

علامہ اقبال کے یہ دو اعلان آزاد پاکستان کی حقیقی داغ بیل ڈالنے کا سبب بنے۔

میجر ہز ہائینس رکن الدولہ نصرت جنگ۔ سیف الدولہ
نواب الحاج سر صادق محمد خان بہادر عباسی پنجم
جی سی آئی ای۔ کے سی ایس آئی۔ کے سی وی او
☆ ایل ایل ڈی والئے بہاولپور ☆

عراق کا شہزادہ ہونے والا بادشاہ

پاکستان

ہندوستان میں چار بڑی سیاسی جماعتیں تھیں۔
(۱) کانگرس (۲) مسلم لیگ (۳) ہندو سبھا (۴) اچھوت
سکھوں کی جمعیت آل انڈیا نہیں ہے۔ کیونکہ سکھوں کی آبادی سارے
ہندوستان میں ایک فی صد سے بھی کم ہے۔ سکھوں کی پنجاب میں ۱۵ فی صد
آبادی ہے۔ اس لئے وہ صرف خطۂ پنجاب میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے بعد
تیسری جمعیت سمجھی جاتی ہے۔ ہندوستانی مسائل میں سکھوں کا ذکر نہیں آتا۔
ہندو مہا سبھا نے اپنے حقوق و اختیارات کانگرس کو سونپ دیئے۔ اچھوت
وغیرہ تمام نامسلموں میں شمار کئے گئے۔ اس لئے اب صرف دو بڑی جماعتیں
ہندوستان میں رہ گئی ہیں کانگرس اور مسلم لیگ۔
کانگرس ہندوستان کی سب سے پرانی طاقتور اور با اثر جماعت تھی یہ
آج سے ساٹھ سال قبل ہندوستان کی آزادی کے لئے قائم کی گئی
تھی۔ اور اس وقت بلا تفریق مذہب و ملت اس میں سبھی قوموں کے نمائندے
شامل ہوئے تھے لیکن کئی سالوں کے تجربات کے بعد مسلمانوں نے اپنے
حقوق کی پامالی دیکھ کر ملت اسلامیہ کے تحفظ کے لئے مسلم لیگ قائم کی۔
مسلم لیگ عرصہ تک ایسے رہنماؤں کے ہاتھ میں رہی جو حکام رس خطاب
یافتہ اور دولتمند تھے۔ اس زمانے میں سیاسی پلیٹ فارم پر ایسے ہی لوگ
کسی نہ کسی روپ میں ظاہر ہو سکتے تھے۔ عوام میں ابھی سیاسی بیداری
پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے ان لوگوں کی ذہنیت تھا کہ مسلمانوں کے حقوق کا

ہر جگہ کچھ نہ کچھ تحفظ ہو جائے۔ یہ تحفظ ملازمتوں میں مسلمانوں کا تناسب قائم کرانے۔ ڈسٹرکٹ بورڈوں، میونسپل کمیٹیوں اور کونسلوں میں نشستیں محفوظ کرانے اور جداگانہ انتخاب کا قانون منظور کرانے کی صورت میں رونما ہوا اس کے بعد مسلمانوں میں سیاسی بیداری کو تقویت پہنچانے اور ان کی پسماندگی کو دور کرنے کے لئے علی گڑھ کالج کو یونیورسٹی بنانا ہمارا مرکز عمل رہا۔

دنیا کے حالات بدلتے گئے۔ خلافت کی تحریک نے مسلمانوں کو ایک ہلکی سی ضرب لگائی۔ مگر اس سے سیاسی بیداری کافی پیدا ہو گئی۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد ہندوستان میں آئینی حقوق کی ایک نمایاں قسط ملی لیکن دوسری جنگ عظیم پر تو ایسی بلائیں نازل ہوئیں کہ یورپین حکومتوں کے ساتھ ہندوستان بھی پس چلا تھا۔ جاپانی برما اور رنگون کو ختم کر کے آسام پر حملہ آور تھے۔ جن کے ساتھ اس ہندوستانی فوج کے سپاہی بھی تھے جنھوں نے سنگاپور اور برما میں ہتھیار ڈالے تھے۔ ان کے علاوہ بہت سے والنٹیر بھی تھے جو بھرتی کر لئے گئے تھے۔

اس نازک ترین گھڑی میں سر کرپس ہندوستان میں تشریف لائے۔ ان کے پاس کورا چک تھا۔ جو کچھ کانگرس چاہے۔ اس پر درج کر سکتی تھی کیونکہ حکومت انگلشیہ وقت کی نزاکت کے پیش نظر ہندوستانیوں کو کامل سوراج دینے پر رضامند تھی لیکن ہندوستانی مدبروں اور کانگرسی رہنماؤں نے ایک شدید اور مہلک غلطی کی اور اس پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ کانگرسی لیڈروں کا خیال تھا کہ جاپانی چند ہفتوں کے بعد دہلی پہنچ جائیں گے۔ اور سارے ہندوستان پر قبضہ کر لیں گے۔ ہندوستانی فوج ان کے ساتھ ہے۔ اور وہ کانگرس کے ہاتھ میں ہندوستان کی حکومت کی باگ ڈور دے دیں گے۔ اتحادیوں کا خاتمہ قریب نظر آ رہا ہے۔ اس حالت میں ان کی پیش کش کچھ بھی اہمیت نہیں رکھتی پھر اگر حکومت

کا چارٹر لینا ہی ہے تو چار پانچوں سے کیوں نہ لیا جائے جن سے آئندہ واسطہ پڑتا ہے۔

یہ تھی اندازے کی غلطی یا سیاسی حماقت۔ اگر کانگرس اس وقت برطانیہ کی تجویز کو منظور کر لیتی تو آج پاکستان نظر نہ آتا۔ ہندوستان بھر میں کانگرس کا راج ہوتا اور مسلمانوں کو دو چار وزارتیں دے کر ظاہر کیا جاتا کہ ہم سب ایک ہیں۔

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت کا ہاتھ اس تمام کایا پلٹ کی تہ میں کام کر رہا تھا اور جیسے جیسے اللہ پاک کی کرم فرمائیاں اور مسبب الاسباب کی رہنمائیاں مسلمانوں کے نئے حکومت کی داغ بیل ڈالتی گئیں۔

مسلمانوں کی سیاسی جماعت مسلم لیگ کے رہنما قابل اور تعلیم یافتہ لوگ تھے۔ حکام رس۔ قانون داں اور سرمایہ دار حضرات کی ان میں کثرت تھی لیکن ان لوگوں کی قابلیت چند قراردادوں کی منظوری یا حکومت کے سامنے چند وفود لے جانے تک ہی محدود تھی۔ یہ ایک فعال جماعت نہ تھی۔ کسی سیاسی تحریک کو بڑھانے قانون شکنی کرنے یا حکومت سے ٹکر لینے کی اس میں اہلیت نہ پائی جاتی تھی۔

دنیا کی تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اللہ پاک چاہتا ہے تو انہی لوگوں میں احساس۔ درد اور قربانی کا جذبہ پیدا کر دیتا ہے جن پر بظاہر کچھ امیدیں نہیں ہوتیں۔ ہمارے سامنے چنگیز اور ہلاکو کی اولاد کے واقعات موجود ہیں۔ دریائے دجلہ و فرات کو مسلمانوں کے خون سے رنگین کرنے والے ترک چند سالوں کے بعد خود مسلمان ہو گئے۔ اور اسلامی جاہ و حشمت کے تیسرے دور کے بانی کہلائے۔ ان کی اولاد میں سلطان محمد فاتح قسطنطنیہ اور سلطان صلاح الدین ایوبی جیسے دل گردہ کے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے صلیبی جنگوں میں سارے یورپ کے دانت کھٹے

کر دیتے تھے۔

اسی طرح جب اللہ پاک کسی جماعت یا قوم سے کام لینا چاہتا ہے تو ان ہی میں جوش عمل اور جذباتِ حریت پیدا کر دیتا ہے۔ قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح جو کانگرس کے چشم و چراغ تھے اور کانگرسی لیڈروں میں ممتاز ترین درجہ رکھتے تھے۔ جن کے کارناموں کی زندہ یادگار کانگرس نے بمبئی میں جناح ہال کی تعمیر سے دی تھی۔ وہ شخص مسلمانوں کی قیادت کے لئے آگے بڑھتا ہے۔ اسے لیڈری کی ہوس نہ تھی کیونکہ اسے یہ لیڈری بدرجہ اتم کانگرس میں حاصل تھی۔ اگر وہ چاہتا تو کانگرس میں آج مولانا ابوالکلام سے زیادہ درجہ حاصل کر سکتا تھا۔ وہ شاید اسے اپنا صدرِ اعظم بنانے تک رضامند ہو جاتے لیکن ؎

ما در چہ خیالیم و فلک در چہ خیال

اور ؎ مردے از غیب برون آید و کارے بکند

قائد اعظم محمد علی جناح کانگرس کے اندرونی رازوں سے واقف تھے وہ اس کے نظریات اور طریق عمل سے آگاہ تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اس برِ اعظم ہند میں ایک قوم جو نو کروڑ سے زائد ہے وہ اپنی انفرادی ہستی کھو بیٹھنے والی ہے۔ ایک قوم کی قوم غلامی کا پٹہ اپنے گلے میں ڈالنے والی ہے۔ وہ قوم جو آج سے دو سو سال قبل کشورِ ہندوستان پر حکمران تھی۔ اتفاق سے نہیں بلکہ اس کے بزرگوں نے اس ملک کے جیتنے پر مسلسل سالہا سال تک جنگیں کیں۔ اپنا خون پانی کی طرح بہایا اور پھر اس ملک پر آٹھ سو سال تک حکمراں رہی یہاں تک کہ اس نے ہندوستان میں ایک تہذیب اور ایک تمدن کو جنم دیا جس کے کارنامے تاریخ میں زریں حروف سے لکھے گئے اور جس کی حکومت کی یادگاریں بنگالہ، اودھ، دکن دہلی، آگرہ اور پنجاب میں آفتاب عالم تاب کی طرح درخشاں و منور ہیں

ضرورت تو اس امر کی تھی کہ ہندوستان کی حکومت مسلمانوں کو تفویض کی جاتی۔ کیونکہ یہ حکومت برطانیہ نے مسلمانوں سے چھینی تھی لیکن جو قوم زمانے کے حالات کا ساتھ نہ دے۔ تعلیم و تجارت سے نفرت کرے۔ زندگی کی دوڑ میں برابر کا حصہ نہ لے۔ اسے اس امانت کے حاصل کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔ انگریزوں کی دو سو سالہ حکومت میں ہندوؤں نے اس ملک میں بڑی سرعت سے ترقی کی۔ اور زندگی کے ہر شعبہ میں وہ صف اول میں نظر آنے لگے۔

ہندوؤں کی قوت۔ ان کی برتری اُن کی سیاسی بیداری۔ ان کی مالی و اقتصادی خوش حالی۔ اور ان کے منتہائے خیال و مقصد و حیثیت سے قائدِ اعظم محمد علی جناح واقف و ماہر تھے۔ اللہ پاک نے ان کے دل میں یہ ڈال دیا کہ وہ اس قوم کی رہنمائی کا فرض ادا کریں جو پس ماندہ تھی اور جس کے گلے میں غلامی کا طوق ڈالا جانے والا تھا۔

قائدِ اعظم نے مسلم لیگ کو ہی اپنی سرگرمیوں کا مخزن بنایا۔ انھوں نے مسلمانوں میں بیداری اور حرکت پیدا کرنے کے لئے کسی نئی جماعت کی بنیاد نہیں رکھی بلکہ اسی جماعت میں زندگی اور جرأت پیدا کر دکھائی جو سالہا سال سے سکون و جمود کی زندگی بسر کر رہی تھی۔

قائدِ اعظم کا مقصد واضح تھا۔ ان کے بیانات کا لب لباب یہ تھا۔ کہ ہندوستان ایک براعظم ہے کئی جگہ مسلمان اکثریت میں ہیں۔ اور جگہ اقلیت میں ہیں۔ اسی طرح کئی جگہ ہندو اکثریت میں ہیں۔ اور کئی جگہ اقلیت میں۔ پس اگر ہندوستان کی حکومت ہندوستانیوں کو تفویض کی جا رہی ہے۔ تو اسے اس طریقے سے تقسیم ہونا چاہئے۔ کہ اس براعظم کے بعض صوبوں میں جہاں کامل اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ وہاں کی حکومت مسلمانوں کو تفویض ہو تاکہ ہندوستان میں کسی جگہ تو مسلمان بھی حکمران کی حیثیت سے بسر کریں ورنہ اگر متحدہ ہندوستان

میں رہیں تو پھر بحیثیت مجموعی ان کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔
اس اصول کی خوبی اور وزن نمایاں تھا۔ اس مطالبہ کے ماتحت ہندوستان کے پانچ صوبوں پر اسلامی حکومت قائم ہوسکتی تھی۔ صوبہ بلوچستان۔ صوبہ سرحد، صوبہ پنجاب صوبہ سندھ اور صوبہ بنگال۔ اس طرح سے پانچ کروڑ مسلمان آزادی کامل سے بہرہ اندوز ہو سکتے تھے۔ اس لئے ہندوستان بھر کے مسلمانوں نے اس مطالبہ کی حمایت میں متحدہ قدم اٹھایا۔
اس مطالبہ کی حمایت میں ہر صوبہ کے مسلمانوں نے کامل یک جہتی دکھائی وہ علاقے جو اسلامی حکومت کے ماتحت نہیں آتے تھے مثلاً بمبئی، سی۔ پی یو۔ پی، بہار، مدراس وغیرہ وہاں کے مسلمانوں نے پاکستان کی بڑے شد ومد سے حمایت کی۔ انھوں نے بہانگ دہل اعلان فرمایا کہ ان کو محکومی منظور ہے بشرطیکہ ان کے بھائی بعض صوبوں میں آزاد ہو جائیں۔ بلاشبہ ہندوستان کے ان مسلمانوں کا یہ ایثار اور دور اندیشی کمال تعریف کی مستحق ہے اور صحیح سیاست اسی کا نام ہے۔
ہر قوم میں چند افراد ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جو ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانے کے عادی ہوتے ہیں بعض لوگ جو علیحدہ جماعت بنا بیٹھتے ہیں۔ تو اس کی انفرادیت قائم رکھنے کے لئے ضد کئے علیحدہ بیٹھے رہتے ہیں بعض جماعتیں کانگرس کی بچہ جماعتیں تھیں۔ وہ آخر دم تک کانگرس کا ساتھ دیتی رہیں۔ اور ان کی ستری رو پہلی مصلحتیں انھیں کانگرس کا دامن چھوڑنے نہیں دیتی تھیں۔ ان لوگوں نے حق نمک خوب ادا کیا لیکن جب مسلم لیگ نے پاکستان کے نعرے پر انتخابات کی جنگ لڑی تو ان لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ ان لوگوں کی دال کہیں نہیں گل سکتی۔ ان کی مجموعی تعداد ہندوستان بھر میں پانچ فی صدی سے زیادہ نہیں چنانچہ انتخابات کے نتائج نے اعلان کر دیا کہ ۹۵ فی صد مسلمان عوام اور خواص دل و جان سے مسلم لیگ کے ساتھ ہیں

جدید انتخابات میں مسلم لیگ بھاری اکثریت کے ساتھ جیت گئی۔ سوائے
صوبہ سرحد کے جہاں کئی وجوہات سے مسلم لیگ زیادہ نشستیں نہ لے سکی۔
جن پر ہم یہاں روشنی ڈال کر تلخی کو زیادہ بڑھانا نہیں چاہتے لیکن دو
سال کے اندر ہی اندر قائداعظم محمد علی جناح کو میدان سیاست میں پے در پے
اتنی درخشاں اور نمایاں کامیابیاں حاصل ہوئیں کہ سرحد کے مسلمان بھی دل و
جان سے مسلم لیگ کے ساتھ ہو گئے۔

قائداعظم کی یہ کامیابیاں بہت نمایاں تھیں۔ آج سے چھ ماہ قبل مسلم لیگ کو
طعنے دیئے جا رہے تھے کہ کہاں ہے تمہارا پاکستان جس کے نام پر تم نے
انتخابات لڑے تھے۔ مسلمانوں کو کچھ بھی نہیں ملا۔ اور نہ ملے گا۔ صوبوں کو حق
خود اختیاری پہلے ہی حاصل تھا۔ سندھ میں کانگرسی وزارت تھی۔ پنجاب میں
خضری حکومت اور صوبہ سرحد میں خان برادرز کی عملداری۔ اس حالت میں
بتلایئے کہاں تھا پاکستان؟

اغیار خوش ہو رہے تھے۔ کانگرس اپنی سیاسی چالوں پر مسکرا رہی تھی۔ ہر جگہ
کچھ مسلمان اسلامی جماعت سے توڑ کر کانگرس نے انھیں کی امداد سے مسلمانوں
کو نیچا دکھا دیا تھا۔ مسلمان اکثریت میں ہونے کے باوجود اغیار کی حکومت سے
آزاد نہ تھے۔ گویا ہر جگہ کانگرس حکومت کر رہی تھی۔

یہ حالت سخت مایوس کن تھی۔ مضبوط سے مضبوط اور قوی سے قوی آدمی
بھی ایسی حالت یاس میں حوصلہ ہار بیٹھتا ہے۔ مگر مسلم لیگ کے رہنما نے کبھی
ایک لمحہ کے لئے بھی مایوسی کو نہیں اپنایا۔ مایوسی اس کے لئے بمنزلہ کفر کے تھی۔
اس نے اپنی جمعیت کو زیادہ سے زیادہ مضبوط اور مستحکم بنایا۔ مسلمانوں سے اختلاف
کو دور کرنے کی سعی کی۔ اپنی کوششوں کو سنجیدگی سے عملی جامہ پہنایا۔ اور
سب سے اول قائداعظم نے کراچی میں بیٹھ کر دوبارہ انتخابات لڑائے۔ جو
لوگ پہلے مسلمانوں کے ووٹ پر کامیاب ہو کر کانگرس سے ناطہ جوڑ بیٹھے تھے

وہ نئے انتخابات میں ختم ہو گئے۔ اور مسلمانوں نے انھیں دوبارہ ووٹ نہیں دیئے۔ اب مسلمان اپنی پوری قوت سے نمایاں ہوئے۔ اور ان کی اکثریت بلاکسی جھگڑے کے حکومت سنبھالنے میں کامیاب ہو گئی۔

اس موقع پر ذاتی اغراض نے پھر ایک بار کروٹ لی۔ عہدوں کی تقسیم پر کچھ اختلاف رونما ہونے لگے تھے۔ کہ قائداعظم کی بروقت مداخلت سے حالت برقرار رہی مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ اگر ان میں ذرا بھی اختلاف یا تفرقہ ہوا تو وہ اپنی حاصل شدہ طاقت کو کھو بیٹھیں گے۔

سندھ فتح ہو جانے کے بعد مسلم لیگ نے پبلک میں سیاسی بیداری پیدا کرنے کے لئے جلسوں اور جلوسوں پر قائم کی ہوئی پابندی کی خلاف ورزی شروع کی۔ یہ کام بڑا کٹھن تھا مسلم لیگ نے ابھی تک کسی جگہ بھی قانون کو نہیں توڑا تھا۔ بلکہ جتنی عظیم الشان کامیابیاں مسلم لیگ کو حاصل ہوئی تھیں وہ سب کامیاب قیادت اور تدبر اس جدوجہد میں مضمر تھیں۔ اب مسلم لیگ کی ہوا ایسی بندھی تھی کہ کوئی طاقت اس کے منہ نہ آسکی اور مخالفین کی کوششیں کہیں بھی رنگ نہ لا سکیں۔ بڑے بڑے جغادری لیڈر اور ان کی انجمنیں اس زبردست آندھی کے سامنے خس و خاشاک سے زیادہ ثابت نہ ہوئیں

اب قانون شکنی کا دور آیا۔ ہم نے ہندوستان کی سب سے بڑی سیاسی جماعت کانگرس کی قانون شکنی۔ ستیا گرہ اور والنٹیروں کے قید کرانے کا سماں بھی دیکھا ہے۔ وہاں پانچ چھ آدمیوں کو سو پچاس آدمی لے جاتے اور گرفتار کرا کر واپس آجاتے تھے۔ یہاں بیس بیس ہزار کے روزانہ جلسے ہوتے دس بیس ہزار آدمیوں کے جلوس نکلتے۔ سینکڑوں والنٹیر قید ہونے کے لئے آگے بڑھتے جن میں رؤسا۔ امرا۔ بیرسٹر۔ وکیل۔ میونسپل کمشنر تک ہوتے تھے نوجوانوں میں ایک آگ سی لگی ہوئی تھی۔ بوڑھے بھی رفاقت ادا کرنے کے لئے بیتاب رہتے تھے۔ یہاں تک کہ پردہ پوش خواتین بھی میدان عمل میں مردوں کے

برابر نکل پڑیں۔ انھیں اشک آور گیس سے صدمات اٹھانے پڑے۔ میلوں تک جنگلوں، اور ویران سڑکوں پر پیدل چلنا پڑا بعض خواتین بچوں کو اٹھائے یہ مصیبت خوشی سے برداشت کرتی نظر آتی تھیں۔

پنجاب کے ہر شہر میں یکساں سرگرمی نظر آتی تھی جوش عمل ہر گھڑی بڑھتا جاتا تھا لیکن اس کے ساتھ ضبط و تحمل کی انتہا تھی بعض جگہ جلوس پر لاٹھی چارج ہوئے۔ دو تین جگہ مسلمان شہید ہوئے۔ بینٹوں سے مسلمان زخمی ہوئے اور بعض ہسپتال میں چل بسے لیکن مسلمانوں نے کسی ہنگامی جوش کے ماتحت کوئی ایسی حرکت نہیں کی جیسی کہ فسادات کے دنوں میں روزمرہ کا معمول بن گیا ہے مسلمان صبر و تحمل سے اس تحریک کو چلاتے رہے۔ اور ان کا دامن ہر خرابی سے پاک رہا۔

اس میں شک نہیں کہ خضر حیات وزیر اعظم پنجاب کے خلاف بعض ناشائستہ حرکات اور گالی گلوچ کا سلسلہ بھی ضرور رہا۔ لیکن ان دنوں باوجود کوشش کے پبلک کے ان سفلی و بہیمانہ جذبات پر قابو نہ پایا جاسکا۔

جب خضری وزارت نے استعفےٰ داخل کیا۔ تو پہلے ہی دن ہندوؤں اور سکھوں کا جو جلوس لاہور۔ امرتسر اور راولپنڈی میں نکلا۔ اس کا نتیجہ سرکاری رپورٹوں اور ہسپتال میں داخل ہونے والے زخمی مسلمانوں کے اعداد و شمار سے مل سکتا ہے۔ اس جلوس میں کوئی ضبط و نظم نہ تھا اور یہی جلوس پنجاب کو چھ ماہ تک قتل گاہ میں تبدیل کرنے کا باعث بنا۔

مسلم لیگ کی یہ پہلی جرأت سو فی صد کامیاب رہی۔ اس سے مسلمانوں میں زندگی ہمت اور سیاسی بیداری پیدا ہوئی۔ حکومت نے کچھ مطالبات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ اور کچھ پابندیاں قائم رکھیں۔ قیدی رہا ہو گئے۔ خضری وزارت نے استعفےٰ دے دیا۔ اور پنجاب میں گورنری راج قائم ہو گیا۔ جو تا دم تحریر قائم ہے۔ اور جس کے ختم ہونے کی توقع ۱۵۔ اگست کے بعد ہی

نظر آتی ہے۔

مسلم لیگ کے جملہ سربرآوردہ حضرات خطاب یافتہ امرا تھے۔ ان لوگوں میں سیاسی بیداری کا پیدا ہو جانا۔ حکومت سے ٹکر لینے کی خواہش اور قربانی کے جذبات کا ودیعت ہونا سراسر قائداعظم کا اعجاز سمجھا جاتا ہے۔ ان لوگوں نے ان خطابات کو واپس کر دیا جو ان کی عزت و آبرو کا سہارا اور ان کا اوڑھنا بچھونا تھے۔ جن کے حصول میں ان لوگوں نے ہزاروں روپے اور لاکھوں انسانی جذبات کا خون کیا تھا۔

پنجاب کا قلعہ یوں سر ہوا۔ اس کے بعد قائداعظم نے ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔ حالات کو زیادہ بگڑتے دیکھ کر قائداعظم محمد علی جناح۔ پنڈت نہرو اور سردار بلدیو سنگھ کو ولایت بلایا گیا اس سفر میں کون کامیاب رہا اور کس کی سیاست چمک اٹھی۔ اس کا ثبوت بعد کے واقعات سے حاصل کرنا چاہیئے۔

لارڈ ویول کی حکمت عملی ناکام رہی اور وہ ہندوستان کی دو بڑی جماعتوں میں کوئی مفاہمت نہ کرا سکے۔ اس لئے انھیں واپس بلا لیا گیا۔ اور ان کی جگہ لارڈ ماونٹ بیٹن کا تقرر عمل میں آیا۔ جنھوں نے بڑی پھرتی اور عجلت کے ساتھ جملہ لیڈروں سے ملاقاتیں کیں۔ ان کے خیالات جانچے۔ اور پھر لارڈ ماونٹ بیٹن نے حکومت برطانیہ کی طرف سے ایک اعلان کر دیا کہ وہ جون ۱۹۴۸ء تک ہندوستان کو خالی کر دیں گے۔

تاریخ کے اس تعین سے کانگرسی حلقوں میں کھلبلی مچ گئی۔ سوراج کو اتنا قریب دیکھ کر وہ بہر قیمت مسلمانوں کے مطالبات کو ماننے پر تیار ہو گئے انھوں نے مسلمانوں کے لئے علیحدہ پاکستانی حکومت تسلیم کر لی۔ جس میں بنگال۔ پنجاب اور سندھ شامل کئے گئے۔ بلوچستان سلہٹ اور صوبہ سرحد میں ریفرینڈم کے نتائج حاصل کرنے کے بعد انھیں پاکستان میں شامل

کرنے کا اقرار کیا گیا۔ پاکستان کے لیے علیحدہ آئین ساز اسمبلی مقرر کی گئی اور حکومت برطانیہ نے وعدہ کیا کہ وہ ۱۵ اگست کو ہندوستان کی حکومت ہندوستانی آئین ساز حکومت کے حوالے اور پاکستان کی حکومت پاکستانی آئین ساز اسمبلی کے حوالے کر دے گی۔

اس طرح پاکستان قائم ہو گیا۔ اور دنیا انگشت بدنداں رہ گئی۔ پاکستان کو تسلیم کرنے سے قبل کانگرسی حکومت نے جو شرط اس میں لگائی اسے مخالفین نے لنگڑا پاکستان کا نام دیا۔

یہ شرط یہ تھی کہ بنگال اور پنجاب کے وہ اضلاع جن میں مسلمانوں کی اکثریت نہیں ہے۔ وہ ان سے توڑ کر ہندوستان میں شامل کر دیئے جائیں۔

اس ہنگامے میں پنجاب کی تیسری بڑی قوم سکھوں نے اپنی وحدت ختم کر دی۔ اور اپنے تئیں ہندوستان کی حکومت میں ضم کر دیا۔ پنجاب کے دو ٹکڑے ہو جانے کی صورت میں سکھوں کو جو اہمیت پنجاب میں حاصل تھی وہ جاتی رہی اور اب ان کی تعداد تقریباً دو مساوی حصوں میں بٹ گئی۔ کچھ تو پاکستانی علاقے میں آ گئی اور کچھ ہندوستانی علاقے میں چلی گئی۔ اس سلسلہ میں جو کچھ اندرونی بحث و پیغ اور وعدے وغیرہ ہر دو جماعتوں یعنی سکھوں اور ہندوؤں میں ہوئے ہوں گے ہم ان سے فی الحال ناواقف ہیں۔ آگے چل کر یہ چیزیں خود بخود سامنے آ جائیں گی۔ اس لئے فی الحال اس پر کچھ بھی رائے زنی نہیں کی جا سکتی۔

لنگڑے پاکستان کا فائدہ اور نقصان دونوں ہمارے سامنے ہیں۔ نقصان یہ ہے کہ پنجاب کی وحدت کو نقصان پہنچا۔ اور اس زرخیز و بہادر خطہ کے دو ٹکڑے کرنے پڑے۔ مسلمانوں کی کثیر تعداد جو پنجاب کے بعض اضلاع میں ہندو اور سکھوں سے زیادہ تھی۔ وہ دونوں کو یکجا جمع کر لینے کے بعد اقلیت بنا دی گئی گویا مشرقی پنجاب میں ہندوؤں اور سکھوں بلکہ اچھوتوں کو جمع کر کے ایک

تو قوم تسلیم کر لینے کے بعد مسلمانوں کو اقلیت بنا کر ان پر ایک ایسی حکومت قائم کر دی گئی۔ جو درحقیقت مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کسی تلی بھگت کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔ جب ان تینوں قوموں کو ایک قوم تسلیم کر لیا گیا ہے تو پھر معلوم نہیں کہ سکھوں اور ہندوؤں کو علیحدہ علیحدہ باؤنڈری کمیشن کے سامنے اپنے اپنے زاویہ نگاہ کو کیوں پیش کرنے دیا گیا؟ حالانکہ فیصلہ ہندوستان اور پاکستان کی درمیانی حدود کا ہو رہا تھا۔ اور ہندوؤں اور سکھوں کا کیس مشترکہ کیس تھا۔ اور وہ حکومت ہند کا کیس تھا۔ مگر یہاں اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے۔ وہ اس جذبہ کے ماتحت ہو رہا ہے کہ کم از کم وقت میں زیادہ سے زیادہ تالیف قلوب سے کام لیتے ہوئے مفاہمت کی کوشش کی جائے۔ خیر چلئے یوں ہی سہی۔

بنگال کی کیفیت بھی یہی ہے۔ کلکتہ میں مسلمانوں کی آبادی صرف چھبیس فی صد ہے۔ اور ایسا ہی چند اضلاع میں ان کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ یہ ضروری نقشے ہم آئندہ صفحات میں پیش کریں گے۔ کلکتہ اور بعض اضلاع کا بنگال سے علیحدہ ہو جانا وہاں بھی کئی لحاظ سے بنگال کی اسلامی حکومت کے لئے نقصان دہ ہے۔

لنگڑے پاکستان کا ایک فائدہ بھی ہے۔ پنجاب میں خضری حکومت کے دور میں کیا ہوا؟ اس کے اسباب کیا تھے؟ ان پر غور کرنے سے آپ کو معلوم ہو سکتا ہے کہ پاکستانی علاقے میں آئندہ ایسے خطرات رونما نہ ہونگے۔ پاکستان میں جو بھی حکومت ہوگی۔ وہ خالص آئینی ہوگی۔ حکومت رعایا کی ہے۔ رعایا کے منتخب شدہ نمائندے اسے چلائیں گے۔ جو پارٹی زیادہ تعداد میں برسر اقتدار آئے گی۔ اسی کی وزارت ہوگی۔ وہی پنجاب کے لئے آئین بنائے گی اور حکومت چلائے گی۔

اگر مشرقی پنجاب بھی ساتھ رہتا تو مسلمانوں کی تعداد ہر دو علاقوں میں

۵۶ فی صد تھی انھیں صرف ۵۰ فی صد حقوق حاصل تھے سکھوں، ہندوؤں اور اچھوتوں کے مل بیٹھنے کے بعد اگر وہ آٹھ دس آدمی عہدوں کے لالچ میں ساتھ ملا لیتے۔ یا مسلم لیگی نمائندوں کے مقابلہ میں آٹھ دس احراری و یونینسٹ وغیرہ منتخب ہو جاتے۔ اور یہ لوگ ہندوؤں اور سکھوں سے جا ملتے تو آپ کے اس متحدہ پنجاب پر ہمیشہ سکھوں اور ہندوؤں کی حکومت رہتی۔ اور پاکستان بن جانے پر بھی حکومت کانگرس کی ہوتی۔ یہ ایک آئینی مسئلہ ہے۔ اور آئین ہی سے حل ہو سکتا ہے لیکن اب ان ہندو اکثریت کے علاقوں کے علیحدہ ہو جانے سے مغربی پنجاب میں مسلمانوں کی اکثریت ۷۵ فی صد ہو گی۔ اور اچھوتوں ہندوؤں اور سکھوں کے اتحاد پر بھی مسلمان اکثریت کی جماعت پر وہ غلبہ نہ پا سکیں گے۔ چند مسلمان اگر غداری بھی کرنا چاہیں تب بھی وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ اور یہ حکومت خالص اسلامی ہو گی۔

یہی حالت بنگال کی ہے۔ ہندوؤں نے وہاں جو اودھم مچا رکھا ہے وہ سب کے سامنے ہے۔ اللہ کی قدرت ہے کہ ہندو صوبوں میں مسلمان اب تک خاموشی اور سکون سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان پر بعض جگہ ایسے بے پناہ مظالم ہوئے ہیں کہ ان کی تشریح سے قلم لرز اٹھتا ہے۔ مثلاً اور کلکتہ میں بھی ابتدا ہندوؤں کی طرف سے ہوئی اور اس کے بعد کلکتہ شہر کی ۲۶ فی صد مسلمان آبادی ہندوؤں کے رحم و کرم پر ہے۔ مسلمان آبادی مردانہ وار مقابلہ کر رہی ہے۔ اور اپنی حفاظت میں اس نے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ اسی طرح پنجاب میں امرتسر کے مسلمانوں نے جس پامردی اور حوصلہ سے کام لیا ہے۔ وہ پنجاب کی تاریخ میں یادگار رہے گا۔ امرتسر میں سکھ اور ہندو بے حد منظم اور مسلح تھے۔ ان کے مقابلے میں مسلمان نہتے اور غیر منظم تھے۔ لیکن بقول اقبال ؎

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ — مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

ہم فسادات یا قتل وخوں ریزی کی حوصلہ افزائی نہیں چاہتے۔ نہ ہم ان طور طریقوں کو مستحسن سمجھتے ہیں لیکن جب حالات ہی ایسے ہو جائیں کہ حفاظت خود اختیاری میں انسان جان کی بازی کھیلنے لگے تو مجبوری ہے۔

صوبہ بمبئی میں دو تین سال تک چھرا گھونپنے۔ تیزاب پھینکنے اور قتل و غارت کا ہنگامہ برپا رہا۔ یو۔پی کے متعدد شہروں میں قتل ریزی ہوئی پنجاب کے کئی شہروں۔ راولپنڈی۔ لاہور اور ملتان میں تباہی مچی۔ یہ سب کچھ بے حد المناک اور افسوسناک ہے۔ ہزاروں بے گناہ۔ ان ہنگاموں میں لقمۂ اجل بنے اور اربوں روپے کا نقصان ہوا ہم اس کتاب میں ان جھگڑوں کی ابتداء ان کی نشوونما اور انتہا پر روشنی نہیں ڈالنا چاہتے۔ درحقیقت جو کچھ بھی ہوا۔ بہت برا ہوا۔ اور الزام سے کوئی قوم بچ نہیں سکتی۔

اس ذکر سے جو ہمیں بادل ناخواستہ کرنا پڑا ہے۔ یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ان باہمی مناقشات اور جھگڑوں کو مٹانے کے لیے جنہیں لیڈر اپنی تقریروں اور اخبارات اپنی زہریلی تحریروں سے برابر تیز کرتے چلے جاتے تھے تقسیم ایک آخری چارۂ کار سمجھا گیا۔ ہندوستان کی حکومت نے پاکستان اس شرط پر منظور کیا کہ بنگال اور پنجاب کی تقسیم کردی جائے۔ چنانچہ تقسیم کردی گئی۔ اب اسے آپ لنگڑا پاکستان کہئے یا طاقتور پاکستان اپنے اپنے نقطۂ نظر سے دونوں صحیح ہیں۔

پاکستان کے قیام کے بعد تین جگہ ریفرینڈم ہونا تھا یعنی ووٹروں نے اپنی رائے ظاہر کرنی تھی کہ وہ پاکستان کی آئین ساز اسمبلی میں شامل ہوں گے یا ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی میں۔

سب سے پہلے بلوچستان کا ریفرینڈم ہوا۔ اس ریفرینڈم سے تین دن پہلے کانگریسی مسلمانوں نے کوئٹہ سے اعلان کیا کہ سرحد کے ریفرینڈم

کے بعد بلوچستان میں استصواب رائے ہونا چاہیئے مقصد ان کا یہ تھا کہ
کہ انہیں خان برادرز کی سرحد میں کامیابی کی توقع تھی۔ اس لئے اس کے نتیجے
کا اثر بلوچستان پر پڑنا لازمی تھا۔ مگر یہ بات نہ مانی گئی۔ پھر دو دن قبل یہ
اعلان ہوا کہ بلوچستان میں کانگرسی مسلمان بھاری اکثریت سے جیت جائینگے
لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ آٹھ ہندو اور مسلمانوں نے ریفرنڈم والے دن حاضر ہوکر
ووٹ دینا بھی ضروری نہ سمجھا۔ اور سوئی صد ووٹوں سے بلوچستان پاکستان
کی آئین ساز اسمبلی میں شامل ہوگیا۔ ابتدا میں آسام ان صوبوں میں شامل
تھا جو پاکستانی حلقہ اثر میں شمار کئے جاتے تھے۔ مگر حیرت ہے کہ ہر جگہ کے
ہندوؤں نے اسلامی راج کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور یہی وجہ ہندوستان
میں خون ریزی کا باعث ہوئی۔ بالآخر کانگرس نے بڑی جدوجہد کے بعد آسام
کو بھی پاکستان سے نکال لیا۔ اور صرف سرحدی اضلاع میں سے سلہٹ میں
ریفرنڈم منظور کیا۔

اس ریفرنڈم میں بھی مسلم لیگ جیت گئی۔ اور مسلمانوں کی اکثریت نے پاکستان
کی آئین ساز اسمبلی میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا۔ اب ادھر بنگال سے کلکتہ اور
چند اضلاع جن میں ہندوؤں کی اکثریت ہے کاٹ لئے جائیں گے اور سلہٹ
کا مسلم علاقہ بنگال میں شامل کر دیا جائے گا۔ استصواب رائے کے بعد بنگال
میں شامل کیا جانا قرار پایا ہے۔

تیسرا ریفرنڈم سرحد کا تھا۔ سرحد میں کانگرسی حکومت اور خان برادرز کا
اثر و رسوخ ظاہر ہے۔ پراپیگنڈا۔ اور روپیہ پیسہ کی افراط تھی۔ خدائی خدمتگار
ایک پرانی سیاسی جماعت ہے۔ جو کانگرس کی وفادار ہے۔ اس لئے خیال کیا
جاتا تھا کہ سرحد میں کانگرسی حکومت جیت جائے گی۔ اتفاق سے صوبہ سرحد
میں مسلم لیگ پہلے الیکشن میں نمایاں کامیابی حاصل نہ کر سکی تھی۔ اس لئے
اس خیال کو مزید تقویت پہنچی تھی کہ فتح کانگرس کی ہوگی۔

لیکن گزشتہ دو سال میں مسلمانوں کی تمام جماعتوں پر آہستہ آہستہ یہ بات روشن ہوتی گئی کہ مسلمانوں کی فلاح کس بات میں ہے۔ ہندوستان کی تقسیم سے۔ ایک زبردست اسلامی سلطنت کے ظہور پذیر ہونے سے حالات نے یکسر پلٹا کھایا۔ اور مسلمان اپنے فائدے نقصان کی بات سمجھنے لگے۔ وہ جان گئے کہ انگریز یا ہندو کی غلامی سے یہ بہتر ہے کہ مسلمان آزاد ہوں۔ وہ ایک اسلامی سلطنت کے رکن ہوں گے۔ اور ان کی اپنی آزاد حکومت ہوگی۔

سرحد میں ریفرینڈم ہوا۔ کانگرسی عمال کو اپنی ناداری کا علم تھا خدائی خدمت گار خوب جانتے تھے کہ عوام ان کے ساتھ نہیں ہیں۔ وہ ٹوڈن پر سے جادو اتر چکا تھا۔ اور اب وہ آزادی کے ساتھ اپنی صحیح رائے کا اظہار کر سکتے تھے۔ سرحد میں لیگ نے وہی سیاسی تحریک شروع کی جو پنجاب میں کی تھی چنانچہ اس سلسلے میں وہاں اتنی بیداری اور زندگی پیدا ہوگئی کہ کانگرس کو اب اپنی شکست کا یقین ہو گیا۔

چنانچہ ریفرینڈم کے موقع پر کانگرس نے اپنی بے تعلقی کا اعلان کر دیا اور کہا کہ وہ صرف پٹھانستان کے مطالبہ پر ووٹ کر سکتے ہیں۔ ہندوستان آئین ساز اسمبلی یا پاکستان آئین ساز اسمبلی میں شرکت کے سوال پر کوئی جنگ لڑنے کو تیار نہیں۔ حالانکہ جو معاہدہ ہندوستان کی حکومت اور برطانیہ کی حکومت کے درمیان ہوا تھا۔ اس میں سرحد کا ریفرینڈم اسی سوال پر ہونا تھا۔ نہ کہ پٹھانستان کے سوال پر۔

سرحد میں ریفرینڈم ہوا۔ اور پٹھانوں کی بھاری اکثریت نے پاکستان کی آئین ساز اسمبلی میں شرکت کا اعلان کیا۔ ساٹھ فی صد ووٹ پاکستان کے حق میں ڈالے گئے اور ایک فی صد سے بھی کم اس کی مخالفت میں۔ یہ صحیح ہے کہ خدائی خدمت گاروں اور ہندوؤں و سکھوں نے ووٹ نہیں دیا

ڈالے لیکن اگر یہ تمام کے تمام اپنے ووٹ ڈالتے۔ تب بھی ان کی تعداد بارہ پندرہ فی صد سے زیادہ نہ ہوتی۔ اور اسی لئے خان برادرز نے اس ووٹنگ کو بائیکاٹ کیا تھا۔ تاکہ ان کی قوت کا بھرم نہ کھل جائے۔

اس دلمناک اور زبردست شکست کے بعد خان برادرز کو چاہئے تھا کہ مسلمان اکثریت کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے۔ لیکن انھوں نے ابھی تک ہار نہیں مانی۔ اور زیادہ سے زیادہ دنوں تک وہ اپنے عہدوں سے چپٹے رہنا چاہتے ہیں۔

خان برادرز سے تو ملک خضر حیات ہی کا طرز عمل بہتر رہا جنھوں نے اپنی ابتدائی غلطیوں کے بعد جب یہ دیکھا کہ جمہور مسلمان ان کے خلاف ہیں تو انھوں نے اپنی اس وزارت کا استعفےٰ داخل کر دیا جس کو توڑنا امر محال تھا۔ اس کے مقابلہ میں کھنہ وزارت لے جب یہ دیکھ لیا ہے کہ اب مسلمانوں کی اکثریت پاکستان کے ساتھ الحاق کے حق میں ہے تو انھیں فوراً مسلمانوں کی اکثریت کا ساتھ دینا چاہئے تھا۔ اگر وہ ساتھ نہیں دینا چاہتے تھے تو علیحدہ ہو جاتے لیکن وہ دونوں میں سے کوئی بھی طریقہ پسند نہیں کرتے۔ اب اگر کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا تو لازماً دفعہ ۹۳ لگانے کے بعد نئے انتخابات ہوں گے جس میں خان اینڈ کمپنی پھر انتخابات لڑیں گے۔ اور پھر انھیں مسلمان رائے عامہ بزور نکال باہر کرے گی۔

خان برادرز کو اور کھنہ وزارت کو معلوم ہونا چاہئے کہ سندھ میں کبھی چند مسلمان کانگرس کے ساتھ مل گئے تھے۔ انھوں نے سندھ پہ کانگرسی اقتدار بھی لا بٹھائی تھی لیکن جب یہ انتخابات میں مسلمانوں نے ان پہ بھروسہ نہیں کیا۔ اور انھیں نہ ووٹ دئیے نہ اپنا نمایندہ منتخب کیا۔ یہی حشر صوبہ سرحد میں نئے انتخابات کے موقع پہ خان برادرز کی وزارت کا ہو گا۔ علّامہ اقبال نے فرمایا تھا ؎

اس زمانہ میں کوئی حیدر کرار بھی ہے؟ | برطیہ کے خیبر سے ہے یہ معرکہ دین و وطن

اس دین و وطن کے معرکہ میں حیدر کرار کرم اللہ وجہہ کے نام لیوا مسلمانوں میں قائد اعظم ہیں جنہوں نے دین و وطن کی جنگ میں طلسم وطن کے پردے اڑا دیئے۔ اور دین کا جھنڈا بلند کر دکھایا۔ اب وطن ہماری اساس نہیں دین ہے۔ سندھی۔ پٹھان۔ بلوچی۔ پنجابی اور بنگالی کا سوال نہیں بلکہ پاکستانی اور اسلام کا سوال ہے۔

ہمارے بعض مسلمان بھائی۔ جن کی تعداد ہندوستان بھر میں پانچ فی صدی سے زیادہ نہیں۔ متحدہ ہندوستان کے حق میں تھے۔ وہ کانگرس کے جھنڈے تلے آزاد ہندوستان کے طالب تھے۔ اور انھیں یقین تھا کہ انگریز کو ہندوستان سے نکال دینے کے بعد ہم ہندو سے معاملات طے کر لیں گے۔

یہ معاملات طے کرنے کی تفصیل جب پوچھی گئی تو فرمایا کہ مسلمانوں کو آزادی ہوگی کہ اپنے طلاق خلع۔ وراثت کے مقدمات اسلامی شرع سے طے کرا سکیں۔ ہماری تہذیب اور کلچر پر کوئی حملہ نہ ہوگا۔ وہ یہ نہ جانتے تھے کہ سے

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاج تنگیٔ داماں بھی ہے

یہ آزاد خیال مسلمانوں کا نظریہ اور منتہائے خیال تھا لیکن برعکس اس کے نو کروڑ مسلمانوں میں سے پانچ کروڑ کو ایک آزاد حکومت ملی ہے۔ جو دنیا بھر کی اسلامی سلطنتوں سے رقبہ اور آبادی کے لحاظ سے زیادہ ہے۔ اس اسلامی سلطنت کو آپ جس طرح سے چاہیں ڈھال لیں۔ جتنا چاہیں طاقتور بنا لیں۔ یہ آپ کے جذبہ ایمان اور قوت عمل پر موقوف ہے۔ جس قسم کی حکومت چاہیں اس میں قائم کیجئے۔ مگر یہ کام آپ کے نمائندوں کے ووٹ سے ہی ہو سکے گا۔

الہ آباد کا رسالہ "نئی زندگی" آزادی اور تقسیم کے عنوان سے ایک طویل مقالہ افتتاحیہ لکھتا ہے۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:-

"آج کی صحبت میں ہم ناظرین سے نہایت صفائی سے باتیں کریں گے بہت ممکن ہے۔ آج ہم جن خیالات کا اظہار کریں وہ آپ کو چونکا اور ششدر بنا دیں۔ ہماری نہایت ایمانداری سے اب یہ رائے ہے کہ فرقہ وار مسئلے سے متعلق ہماری تمام موجودہ مشکلات کی ذمہ داری ایک بڑی حد تک خود کانگریس کے کندھوں پر ہے۔ ۱۹۲۱ء کے بعد کانگریس نے مسلمانوں کو قطعاً چھوڑ دیا۔ اور اس کا دائرۂ عمل محض ہندوؤں تک محدود رہا۔ جو مسلمان اپنی حب وطن کے سبب کانگریس سے چمٹے رہے وہ چمٹے رہے۔ بقیہ کے لئے کانگریس نے کبھی کوئی فکر نہ کی۔ جب مسلمانوں کو کانگریس نے چھوڑ دیا تو پھر اس آزاد گھوڑے پر جو بھی سوار بیٹھ گیا وہ اس کے اشاروں پر چلنے لگا۔ مہاتما گاندھی ہمارے قومی لیڈر رہیں۔ ان کے دو بیٹے تھے۔ ایک ہندو دوسرا مسلمان۔ انھوں نے ایک بیٹے کو تو پوری تعلیم دلوائی۔ اس کی تعلیم و تربیت کے لئے اتالیق اور معلم رکھے۔ یہاں تک کہ اسے اعلیٰ تعلیم کے لئے ولایت بھیجا۔ اور دوسرے بیٹے کو آوارہ گرد بننے کے لئے چھوڑ دیا!!"

"مسلم قوم کا دماغ کانگریس کے ساتھ ہے مسلمانوں کے تمام مفکرین۔ مدبر علمائے کرام۔ مقرر۔ محرر۔ شعرا اور ادیب کانگریس کے ساتھ ہیں۔ اور یہ ایک سچی بات ہے کہ مسلم لیگ کے پاس نہ کوئی مقرر ہے۔ نہ محرر!"

اس کے بعد یہ مضمون نگار کانگریس کی مجبوریوں پر طنز کرتا ہوا لکھتا ہے:-

"غرضیکہ ہم نے (ایک وقت) جداگانہ انتخاب کو اس لئے مان لیا کہ مجبور تھے۔ کمیونل ایوارڈ اس لئے مان لیا کہ مجبور تھے۔ مسلم لیگ کو اس لئے مانا کہ مجبور تھے۔ اور بالآخر ہندوستان کی تقسیم کو اس لئے مان لیا کہ مجبوری تھی۔ غرضیکہ ہم ایک مجبوری سے دوسری مجبوری میں پھنستے چلے جا رہے ہیں۔ اور بہت ممکن ہے کہ آخر میں ہم خود مجبور محض ہو کر رہ جائیں۔"

کانگرس کی چالیس سالہ جدوجہد اور مسلم لیگ کی سکون وجمود کی زندگی پر لکھتے ہوئے آخر میں یہ اخبار لکھتا ہے :-

"اگر مسٹر جناح کا یہی کمال ہے کہ انھوں نے بغیر کسی خاص کوشش اور قربانی کے مسلمانوں کو پاکستان دلوا دیا۔ تو یقیناً ان کے کمال سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔"

اس کو کہتے ہیں حق بر زبان جاری۔ ہم بھی یہی کہتے کہ اللہ کے فضل وکرم سے مسلمانوں نے کم از کم وقت میں اور کم از کم قربانی سے پاکستان حاصل کر لیا۔ اور ایک عظیم الشان اسلامی سلطنت منظر عام پر نمودار ہو گئی ہے جس کے پیدا ہونے کا وہم وخیال بھی نہ تھا۔

یہی اخبار پاکستان حاصل ہونے سے قبل کی وزارتی سکیم اور مسلمانوں کے حقوق سے متعلق لکھتا ہے :-

"یہ کہنا کہ تقسیم نہ ہوتی تو سارے ہندوستان میں مسلمان غلام رہتے۔ بالکل ہنسی کی بات ہے۔ وزارتی مشن اسکیم نے مسلمانوں کو بالکل برابر کی پوزیشن دے دی تھی۔ جہاں تک صوبوں کا سوال ہے۔ چھ صوبے ہندوؤں کو دئیے گئے یعنی یو۔پی۔ بہار۔ اڑیسہ۔ سی۔پی۔ بمبئی اور مدراس۔ چھ ہی صوبے مسلمانوں کو دئیے گئے بنگال۔ آسام۔ پنجاب۔ سرحد۔ سندھ

اور بلوچستان۔ پھر جہاں تک مرکز کا سوال ہے۔ اس میں بھی
ہندوؤں اور مسلمانوں کی مساوات مان لی گئی تھی۔ غرضیکہ کیا
بہ لحاظ صوبہ اور کیا بہ لحاظ مرکز دونوں حیثیت سے مسلمان برابر
کی پوزیشن کے مالک تھے۔ غلامی کا سوال ہی نہیں۔ صوبوں کی
مکمل آزادی تسلیم کر لی گئی تھی۔ ان کے گروپ بنا دیئے گئے تھے
اور مرکز کو صرف تین صیغے رسل و رسائل۔ دفاع اور امور خارجہ
تفویض کئے گئے تھے"

یہ صحیح ہے کہ وزارتی سکیم بھی اپنی جگہ اچھی تھی۔ مگر اس کے نہ ماننے کے
جراثیم کہاں سے آئے۔ موہن لال سکسینہ ایم۔ ایل۔ اے مرکزی ایک
مضمون میں لکھتے ہیں :-

"اس قسم کا آخری موقع وہ تھا۔ جب مسٹر جناح نے وزارتی مشن
کی اسکیم کو علی الاعلان منظور کر لینے کے بعد بعض لوگوں (ہمارے
خیال میں یہ اشارہ مسٹر پٹیل۔ نہرو۔ کرپلانی وغیرہ کی طرف ہے)
کی تقریروں اور بیانات کی خامی اور نقص سے فائدہ اٹھاتے
ہوئے وہ اپنے قول سے پھر گئے۔ ان سب باتوں کو پیش نظر رکھتے
ہوئے مجھے اس میں مطلق شبہ نہیں کہ ہندوستان کی تقسیم کے ہم
خود بڑی حد تک ذمہ دار ہیں"

یہ ہے مسٹر سکسینہ کی رائے۔ مسٹر جناح ایک چیز کو منظور کر لینے کے
بعد اس لئے پھر گئے کہ انھوں نے دیکھ لیا کہ کانگرسی لیڈر اس فیصلے کو بھی
نامکمل بنا رہے ہیں۔ صوبہ سرحد اور آسام کو انھوں نے بغاوت پر تیار کر لیا
تھا۔ اور وہ بار بار یہ کہنے لگے تھے کہ کسی صوبہ کو اس کی مرضی کے خلاف اس
قانون کی زد میں نہیں لایا جا سکتا۔ جب صوبے ہی کانگرس کے اشارے پر
بغاوت کرنے لگے تو مسٹر جناح مجبور ہو گئے کہ وہ کچھ نقصان برداشت کر لیں

لیکن چیز ایسی حاصل کریں جس پر کسی غیر کا عمل دخل بالکل نہ ہو مسٹر سکینہ نے بھی اپنے اس مضمون میں مسٹر جناح کے اس نئے فیصلے کا باعث کانگرسی رہنماؤں کی بے موقع تقریروں کو قرار دیا ہے۔ اب بتلائیے کہ تصور کس کا تھا؟

نئی زندگی لکھتا ہے کہ:-

"نئے پلان کے مطابق ۶۲ لاکھ مسلمان بنگال سے ۲۹ لاکھ پنجاب سے اور ۱۸ لاکھ آسام سے کل ایک کروڑ ۱۹ لاکھ مسلمان ہمکل سرہ ہندوستان میں چلے گئے۔ جو وزارتی اسکیم کے ماتحت بی اور سی گروپ میں رہتے"

ہمیں افسوس ہے کہ "نئی زندگی" نے غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ وزارتی سکیم اور بی اور سی گروپ کا وجود او عدم وجود برابر تھا۔ جبکہ آسام اور صوبہ سرحد اس فیصلے کی سرتابی کر رہے تھے۔ اور ممکن تھا کہ اس کے بعد بعض دوسرے صوبے بھی تقلید کرتے۔ یہ چیز تو کانگرسی اعلانات سے ہی پارہ پارہ ہو چکی تھی۔ کیا یہ غلط ہے؟

ان حالات میں مسٹر جناح نے پاکستانی علاقہ اور اس کی کامل آزادی کا مطالبہ پیش کر دیا۔ کانگرس نے اس موقع پر ہندو اکثریت کے علاقوں کو بنگال اور پنجاب سے علیحدہ کرانے پر زور دیا۔ ہمیں اس کو مان لینا پڑا تھا کہ جو کچھ بھی ملے۔ اس پر مرکز کا کوئی دخل نہ ہو۔ اور ہم اپنے گھر میں کامل خود مختار ہوں۔

ہماری اس آزادی کا تمسخر اڑاتا ہوا "نئی زندگی" لکھتا ہے:-

"یہ بالکل صحیح ہے کہ غلامی کے محل سے آزادی کی جھونپڑی بہتر ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ آزادی واقعی آزادی ہو۔ اور ظاہر ہے کہ آج دنیا میں چھوٹے ملکوں کی آزادی کے کوئی معنی نہیں۔ اس وقت برطانیہ

امریکہ اور روس کی طاقت اس قدر بڑھی ہوئی ہے کہ تمام چھوٹی طاقتوں نے ان تینوں میں سے کسی نہ کسی کا دامن تھام رکھا ہے۔ اسلامی ممالک میں ایک ٹرکی ہی تھا جسے مکمل طور پر آزاد کہا جا سکتا تھا لیکن اس نے بھی روس کے خطرے سے گھبرا کر امریکہ سے ارب وں روپیہ قرض لے کر اقتصادی غلامی قبول کر لی ہے۔"

"نئی زندگی" کے مقالہ نویس کا یہ ہذیان قابل رحم ہے۔ اپنی بات کی پچ میں وہ کہاں سے کہاں بہکتا چلا جاتا ہے۔ اقتصادی غلامی کی بھی خوب کہی۔ انگلستان امریکہ سے کتنا قرض لے چکا ہے؟ فرانس نے کتنا لیا ہے؟ اور خود روس امریکہ کا کتنا قرض دار ہے؟ اور کتنے قرض کی نئی درخواست کر چکا ہے؟ کیا روس اور انگلستان امریکہ کے غلام ہیں؟ جن تین سلطنتوں کا آپ نے نام لیا ہے ان تینوں میں سے دو نے ہی سب سے زیادہ قرض امریکہ کا دینا ہے اس پر بھی وہ بڑی طاقتیں ہیں۔ روس تو کئی بار نئے قرضے کی کوشش کر چکا ہے۔ مگر اس پر ابھی تک اعتبار نہیں کیا گیا۔ یا شرائط طے نہیں ہو سکیں ترکی کا قرضہ اقتصادی غلامی نہیں ہے۔ دونوں سلطنتوں کے مفاد اس وقت مشترک ہیں۔ روس کی آگے بڑھنے والی پالیسی کی روک تھام میں ترکی کی آزادی اور حیات ہے۔ امریکہ روس کے اور آگے بڑھ آنے میں اپنے مصالح کو خطرے میں دیکھتا ہے۔ اس لئے ترکی اور امریکہ اگر آپس میں کوئی سمجھوتہ کر لیتے ہیں تو یہ غلامی نہیں معاصرانہ معاہدات ہیں۔

بہرحال اس حصہ مضمون میں "نئی زندگی" نے یہ تو تسلیم کر لیا کہ غلامی کے محل سے آزادی کا جھونپڑا ہی بہتر ہوتا ہے۔ اور ہمیں یہ جھونپڑا مل گیا ہے۔ اور ہم اسے ایک عظیم الشان محل یا سلطنت میں تبدیل کر دینے کی سعی کریں گے۔

اسی ہندوستان و پاکستان کی تقسیم پر ایک مہا سبھائی لیڈر لکھتا ہے:۔

"بالآخر تم نے ہندوستان کو بھی تقسیم کرا دیا۔ اور مسلمانوں کو ہندوؤں کا

ملک حوالے کر دیا اور ساتھ ہی ساتھ دو کروڑ ہندوؤں کو بھی پاکستان والوں کی غلامی کے لئے دے دیا۔ مار کھائیں۔ ڈنڈے کھائیں گھر لٹائیں جیل جائیں۔ گولی کھائیں اور پھانسی کے تختے پر لٹکیں ہندو اور پاکستان ملے مسلمانوں کو۔ تم نے یہاں تک ہندوؤں کے گلے پر چھری چلادی کہ ۷۵ اور ۲۵ کو برابر کر دیا۔"

"فکر ہر کس بقدر ہمت اوست" ہر شخص کے پاس اپنے بیان کے لئے چند دلائل بھی ہوتے ہیں۔ خواہ وہ کتنے ہی غلط کیوں نہ ہوں۔

آج پاکستان کی اقتصادی بدحالی اور مالی کمزوریوں کا رونا رویا جا رہا ہے سکسینہ بہادر اس کے متعلق لکھتے ہیں۔

"میں سمجھتا ہوں کہ اکھنڈ ہندوستان کے مؤیدین نے پاکستان کی معاشی اور مالی کمزوری ظاہر کرنے کی غرض سے جو اعداد و شمار شائع کئے ہیں۔ وہ تمام تر درست اور صحیح نہیں ہیں۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ اعداد و شمار کی مدد سے ہر چیز ثابت نہیں کی جا سکتی۔ اسکے علاوہ بہت سے ایسے ممالک بھی ہیں جو پاکستان سے کہیں کم معاشی اور مالی وسائل رکھنے کے باوجود صدیوں سے اپنا وجود قائم رکھے ہوئے ہیں۔"

مسٹر سکسینہ کی یہ رائے کسی تشریح کی محتاج نہیں ہمیں یقین ہے کہ پاکستانی صوبوں کے اشتراک عمل اور بیس پچیس سال کی جدوجہد کے بعد یہ علاقے اقتصادی خوش حالی کا ایک قابل قدر نمونہ پیش کریں گے۔

نیشنلسٹ مسلمانوں کے ناپاک ارادے

"نئی زندگی" کانگرسی مسلمانوں کا پرچہ ہے۔ ان لوگوں کو نیشنلسٹ مسلمان کہتے ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ وہ کانگرس سے بدستور چمٹے رہیں۔ اور

ذاتی و مالی فوائد حاصل کرتے رہیں۔ کانگرسی لیڈر اور حکام ان کی محض اس لیے امداد کرتے رہیں کہ وہ کانگرس کے وفادار ہیں۔ اپنے اس مضمون میں جس کے چیدہ چیدہ اقتباسات ہم اوپر درج کر چکے ہیں۔ اس پرچہ نے پاکستانی اور غیر پاکستانی مسلمانوں میں شرانگیزی کی دوگونہ کوشش کی ہے۔ چنانچہ نئی زندگی لکھتا ہے :-

"مسٹر جناح نے مسلم لیگ کی کونسل کے اجلاس میں کہا ہے کہ پاکستان میں اقلیتوں کے ساتھ روادارانہ اور فیاضانہ سلوک کریں گے لیکن یہ چیز بالکل غلط ہے مسٹر جناح ہندو اور سکھ اقلیتوں کے ساتھ فیاضانہ سلوک نہیں کر سکتے۔ بلکہ ہندوؤں کو مسٹر جناح کی فیاضی کی ضرورت بھی نہیں۔ پاکستان کے ہندو محض اتنا ہی چاہتے ہیں کہ ان کی موجودہ پوزیشن برقرار رہے۔ یعنی جس طرح بنگال۔ پنجاب، سندھ اور صوبہ سرحد کے بنکوں۔ انشورنس کمپنیوں اور کارخانوں و تجارتی منڈیوں پر اس وقت ان کا قبضہ ہے۔ وہ علی حالہ قائم رہے۔ کیا مسٹر جناح ہندو بنکوں۔ انشورنس کمپنیوں ملوں اور بزنس کی حفاظت کریں گے۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو پھر انھیں پاکستان بنانے سے کیا فائدہ ہو گا مسلمان تو ویسے ہی قلاش کے قلاش رہ جائیں گے۔ لہذا لامحالہ پاکستان میں قانون کے ذریعے ہندو بزنس کو روکنے اور چھیننے کی کوشش کی جائیگی اور اگرچہ یہ حرکت مہذب دنیا کو ناگوار گزرے گی لیکن پاکستان کو اپنی بقا کے لیے یہ کرنا ہی پڑے گا!!"

کتنی شرانگیز اور ناپاک تحریر ہے۔ کس طرح سے مسلمانوں کو ایسی باتوں کے لیے ابھارا گیا ہے جو ان کے وہم و خیال میں بھی نہیں ہیں۔ ہمارے خیال میں ایسے نیشنلسٹ مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ ہندو مسلمان مل کر انھیں

اور ان میں کوئی مفاہمت نہ ہونے پائے۔ تاکہ ان کا حلوا مانڈا قائم رہے۔

پاکستان میں ہندوؤں اور سکھوں کا بزنس چلتا رہے گا۔ اور خوب چلتا رہے گا۔ ان کی کمپنیاں اسی طرح ترقی کرتی رہیں گی کیونکہ انھیں دو کروڑ ہندوؤں کا تعاون تو حاصل ہی ہوگا۔ باقی مسلمان بھی ان سے تعاون کریں گے۔ اور ہندو بزنس میں بھی مسلمانوں سے تعاون کرتے رہیں گے۔ کیونکہ یہ لین دین تجارت کا اولین اصول ہے۔ البتہ پاکستان بن جانے کے بعد مسلمانوں کے لئے بھی ترقی کی بہت سی راہیں کھل جائیں گی اور وہ بھی آہستہ آہستہ تجارت وصنعت میں آگے بڑھتے جائیں گے۔ یہاں تک کہ اگر ہندوؤں کے پاس سو کارخانے ہوں گے تو مسلمانوں کے بھی سو کارخانے ہوں گے۔ اس طرح سے دونوں قومیں ترقی کریں گی۔ ان ہی دنوں جب کہ ابھی تک پاکستان قائم نہیں ہوا اور میں یہ سطور آج مورخہ ۱۰ جولائی کو لکھ رہا ہوں اور ابھی پاکستان کا چارج ملنے میں پندرہ دن باقی ہیں لیکن پانچ کروڑ روپے کے سرمایہ سے محمدی کمپنی کے نام سے ایک سٹیم نیوی گیشن کمپنی کا قیام عمل میں آچکا ہے جس میں دو کروڑ روپے فراہم ہو چکے ہیں۔ کراچی میں ایک ٹیکسٹائل مل قائم کرنے کے لئے دو کروڑ روپے کی فراہمی کا انتظام مکمل ہو چکا ہے جس میں سندھ گورنمنٹ بھی ۲۵ لاکھ روپے کے حصص لے رہی ہے۔ یہ تو صرف دو کمپنیاں ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ قریباً ایک درجن کے قریب بڑی بڑی کمپنیاں قائم ہونے والی ہیں۔ کلکتہ کے متمول مسلمان تاجر بنگال میں بہت سی پر منفعت صنعتوں میں دل کھول کر حصہ لینے والے ہیں۔ ایسا ہی بمبئی اور دہلی کے بڑے بڑے مسلمان تاجر جو لاکھوں اور کروڑوں کی تجارت کرتے ہیں ان مواقع سے فائدہ اٹھانے والے ہیں۔ لائل پور

کے مسلمان تاجروں نے ایک بڑی فلور مل ان ہی دنوں قائم کی ہے۔ اور بناسپتی گھی کا ایک بڑا لمیٹڈ کارخانہ اعلیٰ پیمانے پر قائم کیا جا چکا ہے۔ دی کالونی ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کے نام سے ایک کروڑ کے سرمایہ سے ایک کارخانہ ملتان میں قائم ہو رہا ہے۔ اگر کام کی رفتار یہی رہی، تو چند ہی سالوں میں پاکستان صنعتی اور کاروباری لحاظ سے اتنی ترقی کرے گا کہ نیشنلسٹ مسلمان حیران رہ جائیں گے لیکن اس کا مقصد یہ نہیں کہ ہندوؤں کے کارخانے بند ہو جائیں گے۔

نیشنلسٹ مسلمانوں کی مندرجہ بالا تحریریں ان کے پوشیدہ عزائم کا پتہ دیتی ہیں۔ وہ ایک ہی وقت میں دو کام کرنا چاہتے۔ اور ایک پتھر سے دو شکار مارنا چاہتے ہیں۔

(۱) ہندوؤں کو مسلمانوں سے بدظن کرنا اور (۲) مسلمانوں کو ہندوؤں کے خلاف ابھارنا۔

ایک دوسری جگہ یہ پرچہ لکھتا ہے :۔

"لیکن جس طرح ہندو اور سکھ اقامتیوں کے حقوق کی حفاظت کا یقین دلایا جا رہا ہے۔ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی حیثیت محض ذمیوں کی اور جزیہ دینے والی کی جیسا کہ اسلامی اسٹیٹ میں ہونا چاہیئے نہ ہوگی۔ بلکہ انھیں بھی ووٹ کا حق ہوگا بھلا وہ اسلامی حکومت کیسی ہوگی جس کی مجلس شوریٰ میں لالہ دونی چند اور سردار ہر نام سنگھ بھی ہوں گے!!

مندرجہ بالا تحریر میں یہ نیشنلسٹ مسلمان اخبار اسلامی سٹیٹ یعنی پاکستان کی یہ شان چاہتا ہے کہ وہاں ہندوؤں اور سکھوں سے جزیہ لیا جائے۔ اور انھیں ذمی قرار دیا جائے۔ اور آئین ساز اسمبلی میں انھیں جگہ نہ دی جائے۔ اس سے بھی آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ لوگ کس کس

طریقے سے ہمیں بہکانا اور باہم لڑانا چاہتے ہیں۔

یہی پرچہ یو۔پی کے مسلمانوں بلکہ ہندوستانی حکومت کے ماتحت بسنے والے مسلمانوں کو مسلم لیگ سے علٰحدہ ہونے اور کانگریس میں شامل ہو جانے کی ترغیب دیتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:۔

"ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں کے لئے کون سا راستہ ہے۔ راستہ صرف ایک ہی ہے یعنی اس ملک کو اپنا ملک سمجھنا اور اس ملک کی اکثریت سے اشتراک عمل۔ دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔ ہندوستان کے اندر مسلم لیگ کی پالیٹکس ختم ہو چکی۔ اب مسلمانوں کا عمل یہ ہونا چاہیے کہ وہ دو قومی نظریہ ترک کر دیں ہر قسم کی فرقہ پرور انجمن بازی سے باز آ جائیں مشترکہ انجمنیں بنائیں۔ مخلوط انتخاب کے لئے جدوجہد کریں۔ یہ ملک ہندوؤں کا ہے۔ لہذا نہ تو آپ کو اس ملک میں ووٹ دینے کا حق ہوگا نہ آپ یہاں کوئی جائداد یا زمین خرید سکتے ہیں۔ نہ کوئی تجارت کر سکتے ہیں۔ نہ حکومت کی ملازمتوں میں لئے جا سکتے ہیں اور ۲۴ گھنٹے کے نوٹس پر ملک سے نکالے جا سکتے ہیں۔"

"شطرنج کی بازی اس طرح بچھی ہوئی ہے۔ مسلمانوں کو سوچ بوجھ کر چال چلنا ہے۔ اور فیصلہ کرنا ہے کہ ان دونوں جماعتوں میں سے وہ کس کا ساتھ دیں۔ مسلمان ایک دن اسی گاندھی اور جواہرلال کے لئے روئیں گے۔ کانگریس کو قومی جماعت بنائے رکھنا چاہیئے۔ تاکہ اس پر فرقہ پرستوں کا قبضہ نہ ہونے پائے۔ فرقہ پرور انجمنیں قائم کرنا ہی غیر قانونی قرار دے دینا چاہیئے۔ مسلم لیگ، مہا سبھا وغیرہ کو ختم کر دینا چاہیئے۔"

"ہندو پبلک اب کسی مسلم لیگی کو برداشت نہیں کر سکتی

لہذا بیک آواز مسلمانوں کو نیشنلسٹ مسلم لیڈروں کی پشت پر آجانا چاہیئے۔"

"غرضیکہ یہ ہے وہ واحد راستہ جو مسلم اقلیتوں کے سامنے ہے۔ اگر یہ راستہ نامنظور ہے تو اگلے انتخابات کے بعد آپ شہری حقوق سے محروم کر دیئے جائیں گے۔ اپنے وطن میں اجنبی بن جائیں گے۔ اگر اب بھی آپ نے معاملے کو نہ سنبھالا تو عنقریب قتل و خوں ریزی شروع ہو جائے گی یعنی ایسی صورت پیدا ہو جائے گی کہ آپ یہاں نہ رہ سکیں گے۔ اور بالآخر آپ کو یہاں سے بھاگنا پڑے گا۔"

مندرجہ بالا چند اقتباسات اپنی تشریح آپ کر رہے ہیں۔ یہ ہے نیشنلسٹ مسلمانوں کا نمائندہ پرچہ جو کانگرس کی زبان ہے۔ اگر اسی قسم کی کوئی تحریر یہاں کا مسلمان اخبار ہندوؤں اور سکھوں کو مخاطب کرکے لکھ دے تو میرے خیال میں غدر ہو جائے لیکن ہمارے کانگرسی دوست اس قسم کی تحریریں لکھ رہے ہیں جو کسی تشریح کی محتاج نہیں۔ وہ نہ صرف یو۔ پی بلکہ ہندوستان بھر کے مسلمانوں کو قتل کیئے جانے تک کی دھمکی دیتے ہیں۔ اور انھیں ملک بدر کر دینے اور جملہ شہری حقوق چھین لینے کی وعید سناتے ہیں۔ کیا کانگرسی حکومت کو ایسی شر انگیز تحریروں پہ سختی سے نوٹس نہ لینا چاہیئے۔ جو خود کانگرس کی پوزیشن کو خراب کر رہی ہیں؟

اصل یہ ہے کہ ان نیشنلسٹ مسلمانوں کی ہستی اب بمنزلہ صفر کے رہ گئی ہے۔ ان کی ضرورت اور اہمیت ختم ہو گئی ہے ع

روٹی تو کسی طور کما کھائے مچھندر

اب یہ لوگ اپنی وفاداری کا کسی نہ کسی طرح تو مظاہرہ کریں۔ اس لئے اب

وہ ایسی بے تکی باتیں لکھنے لگ گئے ہیں۔ جب ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی میں مسلم لیگ کے نمایندہ مسٹر خلیق الزماں نے ہندوستانی دکانگریسی جھنڈے سے وفاداری کامل اور اتحاد و یگانگت کا اعلان کیا تو ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی کا ہال تالیوں سے گونج اٹھا تھا۔ یہ آواز نیشنلسٹ مسلمانوں کے لئے صدائے صور سے کم نہ تھی۔ کیونکہ اس کے بعد ان کی ایسی لچر، بے کار اور بیہودہ تحریروں کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ مسلم لیگ ہندوستان میں ایک منظم اور فعال جماعت رہے گی۔ اور وہ ہندوستانی یونین کے ساتھ کامل وفادارانہ حیثیت سے بسر کرے گی۔ اور وہ ہندوستان کے ممتاز شہری ہوں گے۔

کانگریس اور مسلم لیگ کو اب مزید قریب تر لانے کی سعی ہو رہی ہے اگر یہ در اندازِ نیشنلسٹ مسلمان اپنی "شرارتوں" سے باز آجائیں تو حالت جلد سنبھل سکتی ہے۔

ہمارے لفظ "شرارتوں" سے شاید ان لوگوں کو صدمہ پہنچے لیکن یہ ہم نہیں کہتے خود کانگریسی لیڈروں کا خیال ہے مسٹر موہن لال سکسینہ ایم۔ ایل۔ اے مرکزی اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں۔

"نہرو کمیٹی اور کل جماعتی کانفرنس میں بھی مسلمان مخلوط انتخاب کو منظور کر لینے کے لئے تیار تھے۔ وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ مسلم اکثریت والے صوبوں میں دس برس تک ان کی نشستیں محفوظ کر دی جائیں لیکن ہم لوگوں نے دس منٹ کے لئے بھی اس شرط کو منظور کرنا پسند نہیں کیا۔ کیا اس لئے کہ یہ ایک غیر جمہوری شرط تھی؟"

"پہلی گول میز کانفرنس کے موقع پر سر شفیع مرحوم مخلوط انتخاب کے لئے اس شرط پر تیار ہو گئے تھے کہ محض پنجاب میں

مسلمانوں کے لئے ۱۵ نشستیں علیحدہ کر دی جائیں۔ اس مرتبہ ہندو مہاسبھا اور سکھ اس شرط کو ماننے کے لئے تیار نہ تھے۔"

"اسی طرح کا ایک اور موقع ۱۹۳۶ء میں ملا تھا جبکہ کانگریس اور مسلم لیگ ایک دوسرے کے بہت قریب آگئی تھیں یو۔پی کی لیگ جماعت نے کانگریس سے مل جل کر اور اس کے دوش بدوش صوبے کی فلاح و ترقی کے ایک عام پروگرام پر عمل کرنے کے لئے اپنی خدمات پیش کی تھیں لیکن اس مرتبہ سوشلسٹ اور جمعیۃ العلما کانگریس اور مسلم لیگ کی مفاہمت کی راہ میں حائل ہوگئیں۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ اسی مایوسی اور سیاسی خاکستر کی راکھ سے ایک غرق شدہ مسلم لیگ عالم وجود میں آئی۔ اور اس نے پاکستان کو عین یاس انگیزی اور ناامیدی کے عالم میں اپنا سب سے بڑا سہارا بنایا۔"

یہ جمعیۃ العلما کا کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان مفاہمت نہ ہونے دینے کا اقرار بے حد دلچسپ ہے۔ اب پاکستان اور انڈین گورنمنٹ کے درمیان ناخوش گوار تعلقات کی سعی جمعیۃ العلما اور نیشنلسٹ مسلمان جماعت کرے گی۔ اور اب یہی لوگ مسلم لیگ اور مسلمانوں کو ڈرا دھمکا کر اپنی جمعیت میں لانا چاہتے ہیں۔ ہمارے خیال میں کانگرسی انڈیکی دونوں کو ان لوگوں کی روش پر کڑی نظر رکھنی چاہیئے۔ کیونکہ دونوں حکومتوں کے درمیان جو دوستانہ تعلقات قائم ہو رہے ہیں وہ ان لوگوں کو ذرا بھی مرغوب نہیں۔

مسلمانوں کا سب سے خوفناک دشمن

مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن پھوٹ ہے مسلمانوں کی جمعیت ہندوستان میں منتشر ہے۔ جہاں وہ اکثریت میں ہیں۔ وہاں بھی انکی اکثریت زیادہ نمایاں نہیں۔ پھر ان مسلمانوں میں صاحب اغراض بندوں نے اپنی علیحدہ علیحدہ جماعتیں بنا رکھی ہیں۔ گو ان جماعتوں کی گنتی بہت کم ہے لیکن یہ جمعیتیں مسلمانوں کی سب سے بڑی جماعت کے خلاف مسلسل پراپگنڈا جاری رکھتی ہیں۔ یہ لوگ ہماری پشت پر حملہ کرتے ہیں۔ اور ہماری قوت کو پارہ پارہ کرنے کی سعی کرتے ہیں مسلمانوں میں بددلی اور تفریق پیدا کرتے ہیں۔ یہ نرالا۔ اور انوکھا دستور ہمارے ہی ملک میں ہے۔ آپ دنیا کی تاریخ کا مطالعہ کیجئے کسی آزاد قوم کی مثال سامنے رکھئے مثلاً جمہوریت کے سب سے بڑے ستون اس وقت انگریز ہیں۔ دیکھ لیجئے چرچل جیسا ہر دلعزیز وزیر اپنی جماعت سمیت مخالف بنچوں پر بیٹھا ہے مسٹر اٹیلی کے ساتھ ہاؤس میں چارسو کے قریب نمایندے ہیں تو مسٹر چرچل کے ساتھ دوسو کے قریب ہوں گے۔ اتنی بڑی طاقت کے باوجود چرچل کچھ نہیں کرسکتا اور مسٹر اٹیلی سب کچھ کررہے ہیں لیکن کبھی آپ نے یہ بھی سنا ہے کہ مسٹر چرچل اور ان کی یہ جماعت انگلستان کی ترقی یا حفاظت کے معاملہ میں مسٹر اٹیلی سے پیچھے رہ جائے گی۔ یا یہ جماعت کسی غیر ملکی جماعت سے ساز باز کرے گی۔ یا خود برسر اقتدار آنے کے لئے انگلستان کی آزادی کو مجروح کر دے گی۔ یا انگریزوں کے نقصان کو برداشت کرے گی؟ ہرگز نہیں لیکن آپ پاکستان کے اندر جو ہی صد فیصد عنصر ہے اسے پاکستان کا دفادارنہ پائیں گے۔ یہ ہی صد عنصر اگر کونسل اور اسمبلی میں موجود ہو تو وہ مخالفت سے ..... پاکستانی حکومت کی تخریب وتباہی سے باز نہ آئے گا اب بتلائیے کہ دنیا کا کونسا آئین اور کونسا دستور ان لوگوں کو گوارا کرسکتا ہے۔ جمہوریت کے کسی اصول پر تو ان لوگوں کو عمل پیرا

ہونا چاہیے ؟

معلوم ہوا ہے کہ اب یہ جماعتیں لنگر لنگوٹے کس رہی ہیں کہ پاکستان میں مسلمانوں کے شیرازے کو بکھیرنے میں پوری پوری سعی کریں گی۔ اور اس کے لئے جو پروگرام مرتب ہو رہا ہے۔ اس میں سب سے کامیاب ہتھیار مذہبی جذبات کو اکسانا ہے۔ کوشش کی جا رہی ہے کہ مسلمانوں کو بتایا جائے کہ پاکستان میں شرع اسلامی کا آئین نافذ ہونا چاہیئے۔ بات تو بظاہر معقول اور وزنی ہے۔ لیکن مقصد یہ ہے کہ ہڑ بونگ مچے اور تفریق پیدا ہو۔ حکومت کے خلاف عوام کو بدظن کیا جائے۔ اور مسلمانوں میں پھوٹ پیدا کی جائے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کا نظام حکومت جمہوری ہے۔ ہر صوبے کی اسمبلی ہے۔ اس میں عوام کے نمائندے ووٹوں سے منتخب ہوتے ہیں۔ یہ حکومت عوام کی ہے۔ عوام جو چاہتے ہیں اپنے نمائندوں کے ذریعے اسمبلی میں پیش کریں۔ اور قانون بنوانے اور نافذ کرانے کی سعی کریں۔ آپ جو جو اسلامی قانون بنوانا چاہتے ہیں وہ مسلمانوں پر ہی نافذ ہو گا آپ کے نمائندے شوق سے اسے پیش کریں۔ اگر کثرت رائے سے قانون پاس ہو جائے تو وہ نافذ ہو جائے گا۔ اگر آپ کے نمائندوں کی اکثریت اس کے حق میں نہ ہو تو وہ پاس نہ ہو سکے گا۔ اس صورت میں حکومت پاکستان کے خلاف پراپیگنڈا غلط ہے۔ آپ کے نمائندوں کے خلاف پراپیگنڈا ہونا چاہیئے۔ جو خود آپ کے خلاف پراپیگنڈا ہے کہ آپ نے صحیح نمائندے منتخب کر کے نہیں بھجوائے۔ آیندہ انتخاب میں آپ بہتر آدمی بھجوا سکتے ہیں۔ ووٹ آپ کا ہے۔ اس کا صحیح استعمال کیجیے گا۔

ہم ملک کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مندرجہ بالا تشریح کے بعد اگر کوئی شخص حکومت کے خلاف پراپیگنڈا کرتا ہوا پایا جائے تو یقیناً وہ دشمنی اسلام اور دشمنی پاکستان ہے۔ اور اس کا مقصد بہ حقیقت شر انگیزی ہے

سوا کچھ نہیں۔ مسلمانوں کو آگاہ رہنا چاہیے کہ علما اور مساجد کے ذریعے مذہبی رنگ میں پاکستانی حکومت کے خلاف پراپیگنڈہ وسیع پیمانے پر شروع ہونے والا ہے۔ اس کی روک تھام کی ابتدا ہی سے ضرورت ہے۔ پاکستان میں اسلامی جمہوری حکومت قائم کی جائے گی لیکن قوانین سازی اور ان کا نفاذ آپ کے نمائندے آہستہ آہستہ کریں گے۔ اوّل تو حکومت کا کام سنبھالنا ہے۔ اس کے بعد باقی تمام امور بھی آہستہ آہستہ ضرور ہوں گے۔ ان شاء اللہ۔

فساد پھیلانے والا دوسرا عنصر

فساد پھیلانے والا دوسرا عنصر اخبارات ہیں۔ یہ اِدھر اُدھر کی مرسلہ شکایات مخطوط۔ فرضی خبریں اور سپیشلیں چلا کر پبلک کو گمراہ کرتے اپنے مقالات کے ذریعے سے فساد انگیزی کرتے ہیں۔ پنجاب میں جو خوفناک تباہی پھیلی ہے۔ ہزاروں آدمی مارے گئے۔ لاکھوں بے خانماں ہوئے اور اربوں روپے کا نقصان پہنچ چکا ہے۔ اس کی زیادہ تر ذمہ داری اخبارات پر اور اس کے بعد لیڈروں پر عائد ہوتی ہے۔ اگر یہ اخبارات دیانتداری اور رواداری کی سپرٹ سے کام لیتے اور فسادات کے متعلق خبریں اچھے انداز میں دیتے اور پبلک کو جھگڑنے لڑنے سے روکتے تو موجودہ تکلیف کی صورت ہی رونما نہ ہوتی۔ اسلئے آئندہ بھی اگر ہم پاکستان میں امن چاہتے ہیں تو سب سے زیادہ ہمیں اخبارات پر کڑی نظر رکھنی ہوگی۔ خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان کسی کو بھی فساد انگیزی کی اجازت نہ ہونی چاہیئے۔ اور معمولی معمولی باتوں پر انھیں وارننگ ملنی چاہیئے۔ اخبارات کا فرض ہے کہ وہ اب بھی اپنی روش کو بدل کر پبلک پر احسان کریں۔ ہندوؤں اور مسلمانوں پر رحم کھائیں۔ اور

اپنی بکری بڑھانے کے لئے ہر وقت دو قوموں کو لڑانے سے پرہیز کریں
یہ لوگ ہمیشہ انگریزوں پر الزام لگاتے رہے کہ یہ ہندو مسلمانوں کو
لڑاتے ہیں۔ حالانکہ خود ہی یہ اُن کے مشن کے سب سے بڑے آلۂ کار
بنے ہوئے تھے۔ کیا ہندوستان کی آزادی اور تقسیم کے بعد یہ لوگ اپنی
ذمہ داری کو محسوس کریں گے؟

ہم ہندوستان کی دونوں حکومتوں سے التجا کرتے ہیں کہ اس معاملے
میں ذرہ برابر بھی رحم و نرمی سے کام نہ لیا جائے۔ جہاں فساد جھگڑے
کا اندیشہ ہو وہاں اخبارات بالکل بند کر دینے سے وہ فساد جلد ختم
ہو سکتا ہے۔ اس مجرب نسخہ کو جہاں چاہے آزما کر دیکھ لیجئے۔

اخبارات کے بعد لیڈروں کی تقریریں ہیں۔ بیان بازیاں ہیں
ہر شخص اپنی اور اپنی جماعت کی اہمیت جتلانے کے لئے ایک بیان گھسیٹ
مارتا اور ایک پریس کانفرنس بلالیتا ہے۔ یا کسی پبلک جلسے میں اپنا رنگ
جمانے کے لئے غیر ذمہ دارانہ تقریر کر دیتا ہے۔ ایسے لوگوں کو بھی جو
ہزاروں جانوں کو خطرے میں ڈالنے کا موجب ہوتے ہیں۔ اس قسم
کے ہذیان کی اجازت نہ ہونی چاہیئے۔ خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان
ان لوگوں کی زبان بندی یا سزا دینے سے کسی بھی حکومت کو نہ گھبرانا
چاہیئے۔ خواہ اس سے ملک کی آزادی خیال و آزادی تقریر و تحریر
کو ٹھیس پہنچتی ہو۔ اور یوں بھی اس پابندی کی اشد ضرورت ہے کہ
ہندوستان کی تقسیم کے بعد انڈین گورنمنٹ کے ماتحت چار کروڑ کے
قریب مسلمان ہیں۔ ایسا ہی پونے دو کروڑ کے قریب ہندو پاکستانی حکومت
کے ماتحت ہیں۔ یہ تعداد بے حد اہمیت رکھتی ہے۔ کہ دونوں کی جمعیت کو
مطمئن رکھنا اور اس پر قابو رکھنا بڑی ذمہ داری اور دانشمندی کا کام
ہے۔ اس تعداد کو سنبھالنا اور ملک کو جھگڑوں سے محفوظ رکھنا بڑی

حکمت عملی کا مظاہرہ ہے۔ پھر اس مجرب لسخے پر عمل کئے بغیر۔ انڈین گورنمنٹ اور پاکستانی گورنمنٹ کامیاب نہیں ہوسکتیں کہ ۔

(۱) اخبارات کے ایک ایک حرف پر نظر رکھیں اور ان پر کڑی نگرانی رکھیں۔ اور ذرا سے خطرے کے وقت ان کی اشاعتیں روک دیں۔ اس معاملہ میں کسی قسم کا امتیاز روا نہ رکھا جائے۔

(۲) لیڈروں کو تقریروں اور بیان بازیوں کی اجازت نہ ہو۔

فسادات وشرانگیزیوں کی جڑ

ہندوستان و پاکستان میں شرانگیزیوں اور فسادات کی جڑ اخبارات اور لیڈر رہیں۔ یہ اپنی دکان چمکانے کے لئے انسانوں کے خون سے ہولی کھیلتے ہیں۔ آگ لگا کر چلتے بنتے اور نتائج سے لاپرواہ ہوجاتے ہیں لیکن اب معاملات نے ایک نئی شکل اختیار کی ہے۔ اب یہ جنگ ہندو اور مسلمانوں میں نہیں رہے گی۔ دو حکومتوں کے درمیان پیدا ہوجانے کا امکان پیدا کرے گی۔ اب پنجاب یا بنگال کی تقسیم سے پیدا شدہ صورت حالات ان علاقوں میں فتنہ وفساد مقامی چیز نہیں رہے گی مثلاً پنجاب کو لیجئے۔ یہاں حدبندی کا اعلان ہوجانے کے بعد جھگڑا مقامی نہیں رہے گا۔ پاکستانی حکومت سرحد کے اس طرف امن وامان رکھنے کے لئے ذمہ دار ہوگی۔ وہ کوشش کرے گی کہ اس کی سرحد پر اور سرحد کے اندر کسی قسم کے فسادات نہ ہوں۔ قتل وغارت نہ ہو بم بازی نہ ہو چھرے بازی نہ ہو۔ تاجر کاروبار آزادی سے کرسکیں۔ ریلیں وقت مقررہ پر چلیں اور مسافروں کے لئے نقل وحرکت اور سفر محفوظ ہو حکومت کی سب سے بڑی کامیابی اپنے ملک میں امن وامان قائم رکھنا ہوگا اور وہ اس کے لئے ہر قسم کی جدوجہد سے دریغ نہ کرے گی۔ ایسا ہی پاکستان

کے دوسری طرف۔ ہندو یا سکھ یہ نہ سمجھ لیں کہ اب یہاں ان کا راج ہے بلکہ اس نئے صوبے میں حکومت انڈین گورنمنٹ کی ہے۔ اس حصۂ ملک میں کامل امن و امان رکھنا۔ اور ۳۳ فی صد مسلم آبادی کو ظلم وستم سے بچانا اس کا اوّل ترین کام ہوگا۔ مسافروں اور دیہاتی و قصباتی رعایا کی جان و مال کی حفاظت اس حکومت کا فرض ہوگا۔ اگر وہاں تمام افسر ہندو اور سکھ ہوں تو ان کے فرائض اور شدید ہو جاتے ہیں۔ اور ان پر دوگنا اخلاقی و قانونی فرض عائد ہو جاتا ہے کہ وہ مسلمان اقلیت کی حفاظت کریں اگر وہ چشم پوشی یا سستی و کاہلی یا لاپرواہی سے کام لیں گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ فسادات از سر نو چمک اٹھیں گے۔ اقلیت خواہ کتنی ہی کمزور ہو۔ وہ پھر بھی ایک طاقت ہے۔ اپنی جان کی حفاظت کے لئے کچھ نہ کچھ کر گزرتی ہے۔ اس لئے اب دونوں حکومتوں کے ذمہ داروں اور شیدائیوں کا سب سے بڑا اور مقدس فرض اپنے اپنے علاقہ میں کامل امن و امان رکھنا اور شر انگیز مادے کو سختی سے فوراً دبا دینا ہے۔ جن دنوں میں یہ سطور لکھ رہا ہوں ضلع امرتسر، ہوشیارپور۔ اور نواحی دیہات میں فساد پھیلنے کی خبریں آرہی ہیں۔ جس سے لوگ گھبرا رہے ہیں کہ یہ آگ جو فرو ہو رہی تھی پھر نہ بھڑک اٹھے۔ کیونکہ لاہور میں اب صرف اکا دکا واردات ہوتی ہے۔ اور اگر یہاں بم بازی نہ ہوئی تو ۔ ۔ ۔ ۔ مزید جھگڑے فساد کا اندیشہ نہیں رہا۔

انتقامی کارروائی

پنجاب کے حالیہ فسادات میں ان کے متعلق پوری پوری معلومات فراہم کرنے کے بعد ذمہ داری سے لکھ رہا ہوں کہ ان فسادات کے زیادہ پھیلنے کے اسباب یہ تھے :-

ہندو اور مسلمان افسر اپنی اپنی جگہ ایک ایسی روش اختیار کر چکے تھے جو بے حد غیر ذمّہ دارانہ تھی۔ مثلاً مسلمان افسر مسلمان ملزموں سے نرمی کا سلوک کرتے تھے۔ اور ہندو سکھ افسر ہندو سکھ ملزموں کی طرف داری سے نہ چوکتے تھے۔ یہ چیز بے حد شرمناک اور انصاف کش تھی لیکن کیا کیا جائے کہ ہوا ہی ایسی چل چکی تھی جو کسی نوع سنبھالے نہ سنبھلتی تھی لیکن آیندہ کے لئے اب ہر دو حکومتوں کے افسروں کی ذمّہ داریاں بہت بڑھ گئی ہیں۔ اپنے اپنے علاقے میں کامل امن و امان رکھنے کے لئے انھیں اپنی قوم اور اپنے مذہب کے آدمیوں کے خلاف شدید ترین کارروائی کرنے کا حوصلہ ہونا چاہئے۔ اگر وہ ذرہ برابر بھی رعایت کریں گے تو اپنے ملک کی تباہی کا خود سامان پیدا کریں گے۔

دوسری چیز جو فسادات کو بڑھانے والی ہے وہ انتقامی کارروائی ہے۔ مثلاً اگر مسلمان یہ سنتے ہیں کہ لاہور کے فلاں حصّے میں ایک بم چلنے سے اتنے مسلمان ہلاک اور زخمی ہو گئے تو وہ فوراً چھرے سنبھالتے اور اپنے علاقے میں اتنے یا اس سے زیادہ ہندوؤں اور سکھوں کو ہلاک کر ڈالتے تھے۔ ایک گاؤں والے دوسرے گاؤں میں اپنے ہم مذہبوں کے قتل کی خبر سن کر اپنے گاؤں والے بے گناہ انسانوں پر پل پڑتے اور ان کا تیا پانچا کر دیتے۔ کلکتہ کی ۲۶ فی صد مسلم آبادی پر ۷۴ فی صد ہندو آبادی نے جو زبردستی کی تو اس کا جواب نواکھالی میں مسلمان دینے لگے۔ نواکھالی کی سختیوں کا جواب بہار میں مسلمانوں کے قتل عام کی صورت میں ملا۔ اور اس کے بعد پنجاب میں آگ لگنے کی دیر تھی۔ کہ جوالا مکھی پھٹ پڑا۔ صوبہ سرحد سے ہنگامہ شروع ہوا اور اس نے پنجاب کے کئی شہروں راولپنڈی۔ امرت سر۔ لاہور۔ ملتان اور

گوڑ گانواں کا صفایا کر ڈالا۔ یہ صوبوں کے انتقام اور شہروں کے انتقام اور محلوں کے انتقام نے ہمارے ملک میں فتنہ وفساد کے پھیلانے میں بڑی امداد دی ہے۔ جب ہم نے کبھی مسلمانوں کو سمجھایا کہ بھئی یہ چھرے بازی اور آگ بازی اب ختم ہونی چاہیئے تو وہ فوراً جواب میں کہتے کہ صاحب ہم تو کچھ نہیں کرتے۔ وہ ہم مارتے ہیں تو ہم جواب میں انتقامی کارروائی کرتے ہیں۔ یہی جواب ہندوؤں کا تھا۔ وہ کہتے کہ وہ چھرے مارتے اور آگ لگاتے ہیں تو ہم بھی قتل وغارت کرتے ہیں۔ گویا ہر قوم انتقام لینا اور انتقامی کارروائی کرنا قومی آن بان کے مطابق سمجھتی تھی۔

یہ انتقامی کارروائی اب ختم ہونی چاہیئے۔ جب تک قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی وبا ختم نہ ہوگی۔ ہمارے ملک سے فتنہ وفساد ختم نہ ہوگا۔ اگر کوئی قوم یا فرد یا جماعت زیادتی کرے ظلم کرے قتل وغارت کرے تو مظلوم قوم جوابی اور انتقامی کارروائی نہ کرے۔ اور یہ کام قانون اور پولیس کے لئے چھوڑ دے۔ ورنہ انتقام اور پھر جوابی انتقام کا سلسلہ لامتناہی ہو جائے گا۔ اور یہ سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔

مظلوم کی حفاظت کرنا۔ اور اسے ظلم وستم سے بچانا حکومت کا فرض ہے۔ رعایا کا یہ کام نہیں کہ وہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے۔ اس لئے آئندہ امن وامان کے لئے انڈین یونین اور پاکستانی حکومتوں کی رعایا کا فرض ہوگا کہ اگر کسی پہ کوئی دوسری جماعت کسی قسم کی زیادتی ظلم یا سختی کرے تو قانون۔ عدالت اور پولیس سے امداد لی جائے۔ بلکہ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ اگر وہاں سے انصاف کی توقع نہ بھی ہو تب بھی قانون کا ہی سہارا لیا جائے۔ اور انتقامی کارروائی کبھی بھی شروع نہ کی جائے

پاکستانیوں کے فرائض

(۱) پاکستان بن جانے کے بعد ہمیں سب سے اوّل درگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہو کر اس کی حمد و ثنا اور شکر ادا کرنا چاہیئے۔ جو ملکوں اور قوموں کو بادشاہی بخشتا ہے۔ حکومت ایک انعامِ الٰہی ہے۔ اور اسی نے ہمیں اس نعمت سے مالا مال کیا ہے۔

(۲) حکومت حاصل ہو جانے کے بعد آپ کے فرائض بڑھ گئے ہیں۔ آپ کی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں۔ اس حکومت کو کامیاب بنانا اور اسے پروان چڑھانا اب آپ کا فرض ہے۔

(۳) ہر شخص مرد و عورت اس حکومت کا رکن ہے۔ آپ کو ووٹ کا حق حاصل ہے۔ آپ کے ووٹ سے آپ کے حلقے سے ایک نمایندہ منتخب ہوتا ہے۔ وہ حکومت کے آئین سازی میں اپنی رائے دیتا۔ پھر اس کی رائے پر کثرت رائے سے فیصلے ہوتے ہیں۔ اس لئے حکومت آپ کی ہے۔ اور آپ اس کے لئے بمنزلہ بنیادی پتھر کے ہیں۔

(۴) حکومت جو قوانین بناتی ہے چونکہ وہ کثرت رائے سے منظور ہوتے ہیں۔ اس لئے کثرت رائے کا احترام ہمارا فرض ہے جس قانون کی منظوری میں ہمارے نمایندوں نے رائے دی ہے۔ اب اس کی پابندی بھی ہمارا فرض ہے۔

(۵) جو بھی نئے یا پرانے قوانین ملک میں نافذ ہیں۔ سب سے اوّل کی متابعت مسلمانوں کے لئے لازمی ہے۔ قانون خواہ کتنا ہی سخت اور ناگوار کیوں نہ ہو۔ ہمیں اس کو ماننا اور اس کا پابند ہونا چاہیئے۔ اگر آپ کسی قانون کو تبدیل کرانا چاہتے ہیں تو اس کے لئے آئینی جدوجہد کر سکتے ہیں۔

(۶) گزشتہ انتخابات کے موقع پر آپ نے جن لوگوں کو اپنا نمایندہ منتخب کیا تھا۔ وہ آیندہ انتخابات تک آپ کے نمایندے ہیں۔ آپ جس قسم کے قوانین بنوانا چاہتے ہیں۔ اپنے نمایندوں سے مشورہ کیجیے۔ اُن پر اپنے خیالات ظاہر کیجیے۔ انھیں اپنے مطالبات۔ یا خواہشات لکھ کر دے دیجیے۔ اگر وہ آپ کے مطالبات پیش کرنے سے احتراز کریں تو آیندہ انتخاب میں ان سے بہتر نمایندے انتخاب کیجیے۔

(۷) آپ کا ووٹ بے حد قیمتی ہے۔ ان ہی ووٹوں کی اکثریت پر نمایندے منتخب ہوتے ہیں۔ جو شخص آپ کے سامنے حکومت کی نااہلیت یا کمزوری کا رونا روتا ہے۔ یا کسی قسم کی الزام تراشی کرتا ہے۔ وہ درحقیقت اپنی نااہلیت یا آپ کی نااہلیت کا اعلان کرتا ہے۔ حکومت کیا؟ وہ آپ کے انتخاب کردہ نمایندوں کی جماعت ہے۔ جنھوں نے اپنا لیڈر چنا۔ اور اس لیڈر نے انھیں کے درمیان سے اپنے وزیر اور سکرٹری انتخاب کیے ہیں۔ درحقیقت یہ حکومت اور اس کی مشینری آپ ہی ہیں اس لیے الزام لگانے والوں کے شر سے بچیے۔ وہ درپردہ آپ پر الزام لگا رہا ہے۔

(۸) آپ کی موجودہ حکومت بالکل نئی ہے۔ اسے بڑی اہم ذمہ داری سنبھالنی پڑی ہے۔ اسے ایک آزاد حکومت کی باگ ڈور ملی ہے جس کے سنبھالنے کا اسے ابھی پورا تجربہ حاصل نہیں۔ اس لیے کم از کم دو سال کی مدت میں وہ اس حکومت کے کاروبار کو مشکل سے سنبھال سکے گی۔ ہر نئے کام اور نئے انتظام میں ابتدا میں بہت سی خامیاں اور کمزوریاں رہ جاتی ہیں۔ آہستہ آہستہ اور تجربے کے بعد حکومت ان پر عبور حاصل کر سکتی ہے۔ اس لیے آپ کا فرض ہے کہ بہت زیادہ تعاون

سے کام لیں اور بہت زیادہ حسن ظن کو پیش نظر رکھیں۔
(۹) کسی حکومت کو کامیاب بنانے کا اولین اصول اس ملک میں امن و امان کا قائم رکھنا ہے۔ مسلمان حکومت کے نمایندے ہونے کی حیثیت سے آپ پر دوگنا بوجھ پڑ گیا ہے۔ آپ کا فرض ہے کہ پاکستان کے اندر کامل امن و امان رکھیں۔ تاکہ یہاں ہر کسی کی جان اور مال محفوظ ہو۔ مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں سکھوں اور عیسائیوں کے جان و مال کی حفاظت بھی آپ کا فرض ہے۔ اگر کوئی مسلمان کسی قسم کی خلاف ورزی قانون کرنی چاہے تو اسے روک دیں۔ اور اگر وہ باز نہ آئے تو اسے قانون کے حوالے کر دیں۔

اگر کوئی غیر مسلم کسی قسم کی خلاف ورزی قانون یا تشدد یا ظلم و جبر کرے تو اس کا خود انتقام لینے کی کوشش نہ کیجئے۔ اس سے فرقہ وار فساد کی صورت پیدا ہو جائے گی۔ بلکہ ایسے آدمیوں کو حوالۂ قانون کیجئے۔ قانون خود ان کے جرائم کی مناسب روک تھام کریگا۔ آپ کے مشتعل نہ ہونے سے ملک لڑائی جھگڑے سے بچ جائے گا۔
(۱۰) پاکستان کا باشندہ ہونے کی حیثیت سے آپ کا فرض ہے کہ آپ حکومت کے وفادار ہوں۔ اس وفاداری کی شرط اول یہ ہے کہ اس کے تمام احکام دل سے مانیے۔ اس کے تمام قوانین کی پوری پوری پابندی کیجئے۔ وفاداری اور قانون کو ماننے کے معنی یہ ہیں کہ حکومت کے ساز و سامان اور جائداد کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچائیے۔ دفاتر میں جو ساز و سامان اور سٹیشنری ہے وہ اپنے پرائیویٹ استعمال کے لئے نہ لے جائیے۔ سرکاری گداموں اور سرکاری کارخانوں سے جو لوہا، تانبا اور دیگر دھاتیں یا فوجی اور غیر فوجی نوعیت کا سامان۔ اس سے پیشتر چوری ہوتا رہتا تھا۔ اس سے اجتناب کیجئے۔ ورنہ گرفتاری

ہونے پر رسوائی، اور عبرتناک سزا کے لئے تیار رہیئے۔
(۱۱) رشوت کا قبول کرنا بھی حکومت کو ضعیف کرنے کے مترادف ہے۔ اس سے مجرموں کو امان۔ نا اہلوں کو ترقی۔ حکومت کی بدنامی اور قانون شکنی وغیرہ کی صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اس سے حکومت کے ذرائع آمدنی کو بھی ضعف پہنچتا ہے۔ اس لئے، اب ان چیزوں سے توبہ کر لیجئے۔
(۱۲) جو لوگ بغیر ٹکٹ کے سفر کرتے ہیں۔ زائد مال واسباب بغیر کرایہ کے ساتھ لے جاتے ہیں۔ مال بک کرانے میں وزن یا سامان کی نوعیت غلط بتا کر کرایہ بچاتے ہیں۔ بغیر محصول کے چنگی خانہ سے مال گزارتے ہیں۔ ایسے تمام لوگ مجرم ہیں۔ آپ کا فرض ہے کہ ان حرکات سے خود بچیں اور دوسروں کو روکیں۔
(۱۳) ایک اسلامی سٹیٹ میں غداری سب سے بڑا جرم ہوگا جس کی سزا موت ہونی چاہیئے۔ جو لوگ حکومت کی بربادی کے لئے دشمنوں کا ساتھ دیں۔ ان کے جاسوس بنیں۔ اور اسلامی سٹیٹ کے راز باہر فروخت کریں وہ سب غدار ہیں ایسے لوگوں پر نظر رکھنی چاہیئے۔
(۱۴) غداروں کے بعد منافقین کا گروہ ہے جو غداروں سے بھی خطرناک ہے۔ یہ لوگ مسلمان کہلائیں گے۔ اور ہماری صفوں میں ایک مسلم کی حیثیت سے گھس آئیں گے۔ یہ ہمارے اندر پھوٹ اور نفاق کا بیج بوئیں گے۔ ہم میں اختلاف رائے پیدا کریں گے۔ کبھی مذہب کی آڑ لے کر۔ کبھی قوم کا بہانہ بنا کر کبھی نسل وصوبائی تعصب کا رونا رو کر۔ کبھی سندھی پنجابی۔ بنگالی۔ بلوچی اور پٹھان بن کر اسلام کی بیخ کنی اور اسلامی ریاست کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی سعی کریں گے ہمیں ایسے لوگوں کو جلد ہی سمجھ لینا چاہیئے۔ ان پر منافقین کا لیبل لگا کر انھیں اسلامی برادری سے علٰحدہ

کر دینا چاہیئے۔ جب تک وہ اپنی اصلاح نہ کر لیں ان سے کسی قسم کا سروکار نہ رکھنا چاہیئے۔ ان کی چکنی چپڑی باتوں ان کے پراپگنڈا اور ان کے لٹریچر کو ہاتھ نہیں لگانا چاہیئے۔ یہ لوگ اپنے اخبار بھی نکالیں گے۔ اور پمفلٹ بھی چھاپیں گے۔ جلسے اور تقریریں بھی کریں گے۔ ان کے جلسوں میں آپ محض تماشائی کی حیثیت سے شامل ہونا بھی ترک کر دیں۔ اور یہ اسلام اور اسلامی ریاست کی حفاظت کے لئے لازمی ہے۔ ان سے پورا پورا نان وائلنس یعنی عدم تعاون ہونا چاہیئے۔ تاکہ اپنے مقاصد میں یہ لوگ ناکام رہیں۔

(۱۵) پاکستان کا ہر مسلمان باشندہ ایک مجاہد اسلام ہوگا۔ مجاہد کا فرض ہے کہ وہ اپنی جسمانی قوتوں کو برقرار رکھے۔ ہر روز ضروری ورزشوں سے اپنے جسم کے رگ و پٹھوں کو مضبوط بنائے۔ پاکستان کے باغوں اور سیر گاہوں سے پورا پورا کام لیا جائے۔ سحر خیزی اور صبح کی سیر اپنا دستور العمل بنائے۔ جابجا ورزشی اکھاڑے ہوں جہاں ڈنڑ پیلنا۔ مگدر ہلانا۔ کشتی لڑنا۔ وزن اٹھانا۔ اور دوسرے ورزشی سامان رکھے ہوں۔ اور تمام بچے۔ بوڑھے جوان وہاں جمع ہو کر کوئی نہ کوئی ورزش ضرور کریں۔

(۱۶) جسمانی صحت کے قیام و بحالی کے بعد آپ کا فرض ہے کہ جہاں تک حکومت اجازت دے آپ اسلحہ کا استعمال سیکھیں۔ اگر حکومت آپ کو کسی والنٹیر کور میں شامل ہونے کے لئے کہے تو آپ اس میں شامل ہو جائیں۔ اگر تلوار یا نیزہ رکھنے کی اجازت دے تو خواہ آپ کو قرض وام ہی لینے پڑیں وہ اسلحہ ضرور خریدیں جس پر کوئی قانونی پابندی نہ ہو۔ یہ نہ ہو کہ تلوار اگر آزاد ہو تو آپ کے گھر تلواروں سے خالی ہوں بلکہ جس چیز کی بھی آپ کو اجازت ملے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانا

آپ کا فرض ہوگا جس شخص کو بندوق یا پستول کا لائسنس مل سکتا ہو وہ اُسے ضرور حاصل کرے۔ خریدے اور ان کا استعمال سیکھے۔ کیا معلوم کب اور کس وقت ہر شخص کو پاکستان کی حفاظت کے لئے جمع ہو کر سینہ سپر ہونا پڑے۔

(۱۷) پاکستان کے ہر مسلم باشندے کا فرض ہے کہ وہ مسلمان کہلانے پر فخر کرے۔ توحید اور خدائے واحد کی سچی عبادت اس کا طرۂ امتیاز ہو کسی غیر خدا کے آگے نہ جھکے اور سب سے زیادہ اپنے دل میں خدا کی محبت پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ اگر وہ اپنی وضع قطع کو بھی اسلامی بنا لے تو اور بہتر ہوگا۔

توحید کے قیام کے بعد ہمارا دوسرا عمل عشقِ رسول یعنی پیغمبرِ عالم کی محبت ہے۔ یہ محبت زبانی نہیں عملی ہونی چاہیئے۔ عشقِ رسول سے یہ مراد ہے کہ ہمیں رسول سے اتنی محبت ہو کہ ہم ان کے تمام احکام پر عمل کرنے لگیں۔ رسول پر نازل شدہ قرآن کو اپنا رہنما بنائیں۔ قرآن کو ترجمہ سمیت پڑھیں۔ تاکہ اسے سمجھ سکیں۔ پھر ان احکام پر عمل کرنے کی پوری پوری کوشش کریں۔ یہی عشقِ رسول ہے۔ اور یہی محبتِ پیغمبرِ عالم ہے۔

زبانی اقرار کے ساتھ عمل ہی مقصد ہونا چاہیے مسلمان کہلانے میں ہم فخر محسوس کریں۔ دنیا کی تمام قوموں سے اپنے آپ کو بلند و برتر سمجھیں اس لیے ہمیں قول و قرار کا سچا ہونا چاہیئے۔ لین دین میں کھرا ہونا چاہیئے معاہدات کی پوری پوری پابندی کرنی چاہیئے۔ آپ کا کیا ہوا معاملہ کیا ہوا سودا حرف بہ حرف پورا ہونا چاہیئے۔ اس طرح سے آپ کا طریقِ عمل اتنا بلند ہو جانا چاہیئے کہ غیر قومیں یہ تسلیم کرنے لگ جائیں کہ مسلمان سچا اور صادق الوعد ہوتا ہے مسلمان امین ہے امانت میں خیانت نہیں کرتا مسلمان ملازم چوری نہیں کرتے۔ مسلمان با اخلاق ہوتے ہیں جب تک

آپ اپنے اندر ایسی خصوصیات نہ پیدا کر لیں گے۔ آپ اپنا مسلمانوں کا اور اسلام کا سر بلند نہ کر سکیں گے۔

(۱۸) اخلاق کا کچھ ذکر اوپر آ چکا ہے۔ اب اس کی بعض ضروری اقسام پر بھی غور فرمائیے۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ مسلمان کے لئے لازمی ہے کہ وہ پاکستان میں امن و امان کی فضا پیدا کرے۔ اس ملک میں کمزور سے کمزور ہندو اور سکھ کا جان و مال محفوظ ہونا چاہیئے۔ مگر جان و مال سے بھی بعض باتیں سوا ہیں۔ وہ ہے عزت و ناموس کی حفاظت۔ ہندو اور سکھ خواتین کی عزت و حرمت۔ ہر شہر۔ ہر قریہ اور ہر چھوٹے سے چھوٹے گاؤں میں محفوظ ہونی چاہیئے۔ ان سے ہنسی مذاق ٹھٹھا کرنا یا اشارے کنائے کرنا یا آوازے کسنا اب تمہارا کام نہیں۔ ہر مذہب کی عورت کی عزت کرو۔ اس کے سامنے سے آنکھیں نیچی کر کے گزر جاؤ۔ اگر وہ کسی مشکل یا تکلیف میں ہو تو اس کی اس طرح سے خدمت و حفاظت کرو جیسی ایک شریف بیٹا اپنی ماں کی حفاظت کرتا ہے۔ جو ہندو یا سکھ تمہارے قرب و جوار میں رہتے ہوں ان کے عیال وہاں ایسے محفوظ ہوں کہ وہ لوگ تمہارے با اخلاق شریف ہمسائے ہونے کا اعتراف کریں۔ یہی ایک مسلمان کی شان کے شایان ہے۔

(۱۹) پاکستان کا ہر مسلمان حکومت کا کارندہ ہے۔ اگر اسے کسی بات کی خبر مل جائے تو یہ گناہ ہوگا کہ وہ اسے چھپائے۔ چوری۔ ڈاکہ۔ بد معاشی اور دیگر اسی قسم کی خبروں کو فوراً پہنچا دینا حکومت کے کام میں امداد دینے کے مترادف ہے۔

(۲۰) پاکستان کے اندر متحد رہنے کے علاوہ ہمیں انڈین گورنمنٹ کے ماتحت بسنے والے چار کروڑ مسلمانوں کی عزت و حرمت کا خیال بھی رکھنا چاہیئے ان مسلمانوں سے میل جول کے علاوہ ان سے تجارتی تعلقات بڑھانے

چاہئیں۔ ہندوستان کے مختلف حصص میں بڑے بڑے مسلمان تاجر موجود ہیں۔ ان سے پاکستانی تاجروں کو تعلقات قائم کرنے چاہئیں جو مسلمان انڈین گورنمنٹ سے علیحدہ ہو کر پنجاب میں آجائیں۔ یہاں کاروبار یا ملازمت کرنا چاہیں ان کے ساتھ برادرانہ تعاون اور ہمدردی کا سلوک کیا جائے۔

پاکستانی حکومت کی تشکیل

پاکستانی حکومت کی تشکیل کا کام تو ہمارے رہنما کر رہے ہیں۔ اور پاکستانی آئین ساز اسمبلی کے ارکان بھی اس مسئلے پر پوری پوری توجہ دیں گے جن میں ہر قسم کے اہل الرائے حضرات موجود ہیں ہمیں اُن پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ اور امید رکھنی چاہئے کہ نیک نتائج نکلیں گے کسی ملک کا آئین بنانے کے لئے کافی محنت اور وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ پاکستانیوں کو سمجھ لینا چاہئے کہ جلد بازی شیطان کا کام ہے۔ پبلک جو کچھ چاہتی ہے وہ اپنے وقت پر اور آہستہ آہستہ ہی نشوونما پاسکے گا۔ پاکستانی حکومت کی آئین سازی میں چند باتوں کا خیال رکھنا از حد ضروری ہے۔ مثلاً

(۱) پبلک کی خواہش ہے کہ پاکستانی حکومت آئین سازی میں ایسا طریق اختیار کرے کہ شریعت اسلامیہ کے دستور کے خلاف کوئی قانون نہ بن جائے۔

(۲) پبلک چاہتی ہے کہ پاکستان کے اندر مسلمانوں پر بتدریج اسلامی شریعت کا نفاذ کیا جائے۔ یہاں کے مسلمان سینکڑوں برس سے انگریزی قانون کی آسانیوں کے عادی ہو چکے ہیں۔ اس لئے انھیں آہستہ آہستہ ہی نئے قانون کا عادی بنایا جائے گا۔

(۳) اسلامی شریعت کے نفاذ میں ابتدا مندرجہ ذیل امور سے ہو سکتی ہے:۔

(الف) بیت المال کا قیام:۔ حکومت کو انکم ٹیکس کی طرح سے ایک محکمہ زکوٰۃ ٹیکس کا قائم کرنا چاہیے جو محکمہ انکم ٹیکس کی طرح ہر شخص کی جائداد کا سالانہ جائزہ لے کر اس پر زکوٰۃ ٹیکس عائد کرے۔ اور یہ زکوٰۃ قانوناً وصول کر کے بیت المال میں شامل کی جائے۔

(ب) اوقاف کا محکمہ قائم کیا جائے۔ اور تمام آمدنی ایک سرکاری نظام کے ماتحت ہو۔

(ج) جمعہ کی تعطیل:۔ اسلامی تہواروں کا تحفظ۔ رمضان شریف کا احترام اور دفاتر و محکمہ جات میں نمازوں کے لئے وقت

(د) گداگری جرم قرار دی جائے:۔ اپاہجوں اور ناکارہ لوگوں کے لئے اپاہج خانے قائم کئے جائیں۔ جہاں انھیں اوقاف کی مدسے ضروریات زندگی مہیا کی جائیں۔ اور جو لوگ کچھ خیرات کرنا چاہیں۔ وہ بھی اپنی رقوم وہاں بھیج دیا کریں۔

(ہ) تجارتی یتیم خانے بند کر دیئے جائیں:۔ جو لڑکوں سے گداگری کراتے اور ان کا روپیہ اپنے مصرف میں لاتے ہیں۔ ان تمام یتیموں کو جمع کر کے ایک مرکزی یتیم خانے کے سپرد کر دیا جائے، جس کی نگرانی سرکاری عمال کریں۔ ان یتیموں کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا جائے۔

(و) لڑکیوں کی تعلیم کا جدید انتظام:۔ قوم کی خواتین اس قسم کی تعلیم حاصل کریں۔ جس سے وہ گھروں کے اندر

نئی نسل کو بہترین طریقے سے پرورش کر سکیں اور ضرورت کے وقت قوم کے کام آ سکیں۔ موجودہ طریقہ سراسر غلط اور بیہودہ ہے یہ صرف نجمی استانیاں پیدا کرتا ہے۔

(ز) اسلامی اور مشرقی علوم کی حفاظت کا انتظام کیا جائے مسلمانوں کے لئے تعلیم یافتہ علما بنانے کے لئے ایک مرکزی درس گاہ قائم کی جائے۔ جہاں سے سند یافتہ علما ہر قسم کے علوم کے ماہر بن کر نکلیں۔ تاکہ وہ مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کر سکیں۔ اس درس گاہ سے تعلیم یافتہ اصحاب اوّل درجے کے علما کا کام سنبھالیں۔ دوم درجے کے لوگ بڑی بڑی اسلامی مساجد کو سنبھالیں۔ یہاں تک کہ ایک دن ایسا آجائے کہ ہماری ہر چھوٹی سے چھوٹی مسجد کا امام بھی تعلیم یافتہ اور سند یافتہ ہو۔

(ح) تمام مدارس میں مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کیلئے ایک گھنٹہ وقف ہو

(ط) ہر مسلمان نوجوان کو لازمی فوجی تربیت دی جائے۔

(ی) سکھوں کو تلوار رکھنے اور ہر جگہ ہمراہ لے کر پھرنے کی اجازت ہے۔ تو مسلمانوں کو بھی نیزہ اور تلوار رکھنے اور ساتھ لے کر چلنے پھرنے کی اجازت ہو۔ قانون اسلحہ میں جتنی بھی آسانیاں کی جا سکیں کی جائیں۔

(ك) اسلامی علوم اور اسلامی فنون کی ترقی کی راہیں کھولی جائیں طب یونانی مشرقی یا اسلامی طب ہے۔ یہ سالہا سال سے کس مپرسی کی حالت میں پڑی ہے۔ بارہا اس کو ترقی دینے کے ذرائع سوچے گئے۔ تجویزیں ہوئیں مگر کبھی جنگ کے چھڑ جانے اور کبھی کسی نئے جھگڑے کے

پیدا ہو جانے سے رک جاتی رہیں۔ اب اسلامی طب کے احیا کا وقت آگیا ہے۔ اسے انگریزی طب کے معیار پر لانے اور ترقی دینے کی تدریجی عملی کارروائی کا آغاز ہونا چاہیئے۔

اگر ابتدائی دو تین سالوں میں جہاں بہت سے آئین بننے ہیں یہ چند ضروری باتیں بھی ہو گئیں تو ہم سمجھیں گے کہ ایک اچھے دور کی ابتدا ہو گئی ہے۔ اس کے بعد ضروریات زمانہ خود بخود ہمارے سامنے آتی جائیں گی۔ اور وقت پر ضروری قوانین بنتے جائیں گے۔

پاکستان کے لئے سرمایہ کا سوال

کچھ عرصہ سے اخباروں میں اس موضوع پر بڑی سرگرمی کا اظہار کیا جا رہا ہے کہ ہندو اپنا سرمایہ پاکستان سے منتقل کر رہے ہیں۔ اور یہ کہ پاکستان مفلس اور قلاش رہ جائے گا۔ درحقیقت یہ چیز کسی تشریح کی محتاج نہیں تھی۔ مگر یار لوگوں نے اس پر بڑی حاشیہ آرائیاں کی ہیں۔

ہندوؤں کا سرمایہ کاروبار۔ جائداد۔ بنکس بیمہ کمپنیوں وغیرہ میں لگا ہوا ہے۔ یا نقد روپیہ بنکس میں جمع یا زیورات وجواہرات کی شکل میں گھروں میں محفوظ ہے۔ اس سرمایہ کو دوسری جگہ منتقل کر دینے سے ہندوؤں کا سرمایہ بقول ان کے محفوظ جگہ میں چلا جاتا ہے۔ لیکن اس سے پاکستان کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچتا۔

اگر ہندو یہاں رہا۔ اور جہاں تک میرا خیال ہے۔ ان کی ۷۵ فی صد تعداد پاکستان میں ہی رہے گی تو لازماً وہ کاروبار کو جاری رکھے گا۔ اور اس کاروبار کو جاری رکھنے کے لئے اسے سرمایے کی

ضرورت بھی ہو گی۔ اس سرمایہ کا بیشتر حصہ انڈین حکومت کے بنکوں میں رہے گا۔ لیکن وہ حسب ضرورت اسے اپنے مقامی بنکوں کے ذریعے منگواتا اور اپنا کام چلاتا رہے گا۔ ہندوؤں کا سرمایہ اس سے قبل مسلمانوں کے کام میں نہیں آرہا تھا کیونکہ ہندو بنکس برسوں سے جائداد پر بھی مسلمانوں کو قرض نہیں دے رہے تھے۔ ریلوے سٹیشن سے حاصل شدہ مال کی بلٹیوں پر اکثر بنکس روپیہ ادا کر دیتے تھے اور نفع کماتے تھے۔ اس کے سوا اور کوئی تعاون نہ تھا۔ یہ بنکس ہندوؤں کے تھے اور ہندو سرمایہ ان میں محفوظ تھا۔ البتہ ہر ہندو بنک میں تھوڑا سا سرمایہ مسلمانوں کا بھی چلت حساب میں جمع رہتا تھا۔ اب بھی پوزیشن وہی رہے گی کیونکہ پاکستان میں ہندوؤں کی تعداد کافی ہے۔ ہندو بنکس کی ضرورت بھی رہے گی۔ البتہ ان میں سے بعض کچھ زائد برانچیں کم کر دیں گے۔ اور کچھ اپنے صدر دفتر دوسرے علاقوں میں لے جائیں گے لیکن ان کی شاخیں بدستور پاکستان میں کام کرتی رہیں گی۔ یہ مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ ہندوؤں کے لئے یہاں رہیں گی۔ کیونکہ ہندوؤں کا اربوں روپے کا سرمایہ ابھی پاکستان میں ہے۔ اور یہیں رہے گا۔ یہ واویلا جو ہو رہا ہے۔ سراسر بے معنی اور فضول ہے۔

پاکستان میں جو نئے کارخانے کھلیں گے ٹھیکے ملیں گے۔ ان کے حصول کے لئے ہندو مسلمان دونوں کوشش کریں گے۔ اکثر ایسا ہوگا کہ مسلمانوں کو ان کی آبادی کے لحاظ سے پانچ ٹھیکے ملے اور ہندوؤں کو ان کی آبادی کے لحاظ سے دو ہاتھ آئے تو مسلمانوں نے جو پانچ ٹھیکے حاصل کئے ہوں گے۔ ان میں سے بعض کے ساتھ ہندو اشتراک عمل کے لئے فوراً آگے بڑھیں گے۔ اور جہاں کسی مسلمان کے پاس سرمایہ کی کمی نظر آئی۔ وہاں ہندو سرمایہ لگا کر اس کے منافع میں سے بھی اپنا حصہ

کمائے گا۔ یہ تجارتی چابکدستی ہے۔ اور ہندو سرمایہ دار ایسے موقعوں پہ ہرگز نہیں چوکے گا۔

پاکستان کو اپنے سرمایہ کی ضرورت ہے۔ ابھی پاکستان کے ذرائع آمدنی اور اخراجات کی کوئی مکمل صورت ہمارے سامنے نہیں ہے اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ کتنے عرصے میں پاکستان کا بجٹ خسارے کا بجٹ نہ رہے گا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ بالآخر پاکستان کا بجٹ ایک منافع کا بجٹ بن جائے گا۔

پاکستان کے لئے مقدم فرض

پاکستان کے ذمہ دار کارکنوں کا فرض ہے کہ شروع ہی سے کفایت کو مدنظر رکھیں۔ جب تک وہ کم از کم خرچ میں حکومت کی مشینری چلانے کا فرض انجام نہیں دیں گے وہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ نئے عہدے بہت کم پیدا کئے جائیں۔ اور جو مجبوراً پیدا کرنے پڑیں ان کی تنخواہیں کثیر نہ رکھی جائیں۔ غیر ملکی سفارت خانے آہستہ آہستہ کھولے جائیں۔ اور ان کے سٹاف کو بھی ابتدا میں زیادہ نہ بڑھایا جائے۔ جب تک کہ بجٹ میں کافی گنجائش نہ نکل آئے۔ شان بڑھانے والے کاموں اور جدید عمارات وغیرہ کی تیاری پر بھی کفایت شعاری مدنظر رکھی جائے۔ اور چاروں طرف سے کام بکثرت نہ کھول دیئے جائیں کہ انھیں سنبھالنا مشکل ہو جائے اپنے کام کی ابتدا جھونپڑیوں سے کیجئے۔ اور انھیں آہستہ آہستہ بڑھا کر محلات تک لے جائیے۔ مرکزی حکومت کے علاوہ صوبوں کی حکومتوں کو بچت کے بجٹ بنانے چاہئیں۔ تاکہ ان کا بار مرکزی حکومت کے بجٹ پر نہ پڑے۔

ابتدا میں ہمیں اپنا سرمایہ بڑی بڑی عالیشان بلڈنگیں بنوانے کی جگہ کانوں کے کھودنے صنعتی کارخانوں کے کھولنے۔ زراعت کو ترقی دینے۔ اور آمدنی بڑھانے والے کاموں پر صرف کرنا چاہیئے۔ جب اس سرمایہ سے کافی منافع ہونے لگے تو اس منافع سے آہستہ آہستہ شاندار بلڈنگوں کا سلسلہ شروع کیا جاسکتا ہے۔

ہمیں فوراً کئی پانچ سالہ۔ سہ سالہ اور دو سالہ سکیمیں جاری کرنی چاہئیں۔ اور ہر سکیم ایک قابل ومقتدر جماعت کے سپرد کرنی چاہیئے۔ جو اسے مقررہ وقت کے اندر اندر تکمیل تک پہنچانے کی سعی کرے۔

پاکستان کے لئے سرمایہ اپنے اندر سے مہیا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ غیر ملکی حکومتوں سے قرض لینے اور کارخانے کھولنے یا کاروبار چلانے کی کوشش کرنا ہمارے لئے مہلک ہوگا۔ غیر ملکی سرمایہ دار تیار بیٹھا ہے کہ ہم اس سے سرمایہ طلب کریں اور وہ سرمایہ دینے کے ساتھ ہی ہم سے سود کی ایک رقم بھی وصول کرے گا۔ اور ہمارے ملک کے اندر کارخانے اس انداز میں کھولے گا کہ سو پچاس سال تک اس کا تمام منافع ہڑپ کرتا رہے۔ ہمیں عجلت اور جلد بازی کی ضرورت نہیں۔ آزادی کو اقتصادی غلامی میں بدلنا بہت ہی بری چیز ہے۔ ہاں اشد ضرورت کے وقت جب کہ وہ کام ہم سے ہو ہی نہ سکتا ہو اور غیر ملکی امداد لینی ضروری ہو جائے تو بہتر سے بہتر شرائط پر ایسے کرنا چاہیئے۔ مثلاً پٹرول نکالنے کا کام وغیرہ جو فی الحال ہم خود کرنے کے قابل نہیں ہیں۔

پاکستان کے اندر جو سرمایہ موجود ہے۔ اسے دانشمندی اور حکمت عملی سے بروئے کار لانا ہمارا فرض ہے۔ چند تجاویز حسب ذیل کی جاتی ہیں:۔

(۱) مثلاً پاکستان کے اندر چالیس کے قریب ڈسٹرکٹ بورڈ ہیں ہر ضلع میں ایک ڈسٹرکٹ بورڈ ہے۔ اس کی اپنی آمدنی ہے۔ اور وہ اس آمدنی سے اپنے حلقہ کے اندر کام کرتا ہے۔ مثلاً لائل پور ضلع میں ایک ڈسٹرکٹ بورڈ ہے جس کی آمدنی ایک کروڑ روپے سالانہ ہے ہر ڈسٹرکٹ بورڈ کی آمدنی پانچ لاکھ سے لے کر تیس چالیس لاکھ یا اس سے زیادہ ایک کروڑ روپے تک جا پہنچتی ہے۔ پاکستان کے اندر جتنے بھی ڈسٹرکٹ بورڈ ہیں خواہ وہ کسی صوبے کے اندر ہوں۔ ان کو ایک جگہ منظم کر دینا چاہیئے۔ اور ان ڈسٹرکٹ بورڈوں کا ایک سرکاری بنک کھولا جائے جس کا نام "پاکستان بورڈ بنک" ہو۔ ہر ڈسٹرکٹ بورڈ اپنے پہلے سالانہ بجٹ سے بعض کام روک کر چوتھائی آمدنی اس بنک کے سرمایہ محفوظ میں ڈال دے۔ اس طرح سے اس بنک کے قائم کرنے کیلئے ڈسٹرکٹ بورڈوں سے جو سرمایہ حاصل ہو گا وہ کم و بیش دو کروڑ روپے ہو گا۔ یہ "بورڈ بنک" کا سرمایہ محفوظ ہو گا۔ اس کے بعد ہر ڈسٹرکٹ بورڈ اپنا سرمایہ اور تمام آمدنی اسی بنک میں رکھے گا۔ اور ہر ضلع میں اس کی ایک شاخ ہو گی۔ اس بنک کے چلت حساب میں دس کروڑ روپے سے زیادہ رقوم جمع رہیں گی۔ نیز ہر سال ہر بورڈ اپنی آمد سے سولہواں حصہ اس کے سرمایہ محفوظ میں اضافہ کرتا جائے۔ اور پندرہ حصے خرچ کرتا رہے جس سے چند ہی سالوں میں اس بنک کے سرمایہ محفوظ میں کئی کروڑ روپے کا اضافہ ہو جائے گا۔

جب بورڈ بنک کے پاس کروڑوں روپے اپنے سرمایہ محفوظ میں فراہم ہو جائیں تو یہ روپیہ ضروری کاموں کے لئے قرض دے سکتا ہے۔ یا بورڈ کی ضروریات کے مدنظر بعض ایسے کارخانے کھول سکتا ہے جن اشیاء کی بورڈ کو ضرورت رہتی ہے۔ مثلاً سڑکوں پر بچھانے والا تارکول سیمنٹ وغیرہ

یعنی ضرورت پیتار کوں اور سیمنٹ کے ایک دو کارخانے اس بنک کے سرمایہ محفوظ سے بن سکتے ہیں۔ جن کی ڈسٹرکٹ بورڈوں کو ضرورت رہتی ہے۔ اب دیکھیے سرمایہ بھی مل گیا۔ کارخانے بھی بن گئے۔ اور بنک بھی قائم ہو گئے۔

(۲) ایسے ہی میونسپل کمیٹیاں ہیں۔ پاکستان میں میونسپل کمیٹیوں کی تعداد ایک سو کے لگ بھگ ہو گی۔ ان کی آمدنیاں ڈسٹرکٹ بورڈوں سے تو کم ہیں لیکن سب کو جمع کیا جائے تو ان کی رقم بھی ۴۔۵ کروڑ تک جا پہنچتی ہے۔ ان کے سرمایہ سے بھی ایک پاکستان میونسپل بنک قائم ہو سکتا ہے جس کی ایک سو کے قریب شاخیں ہوں گی۔ ان کی دولت سے بھی ایک محفوظ سرمایہ پیدا ہو سکتا۔ اور بعض ایسے کارخانے بنانے میں امداد دے سکتا ہے جن کی میونسپل کمیٹیوں کو ضرورت رہتی ہے۔

(۳) کوآپریٹو اور زراعتی بنکوں کی از سر نو تشکیل اور اصلاح ہونی چاہیے ان کا وجود تو ہے۔ لیکن ان میں جو خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں انھیں دور کرنا چاہیے۔ گزشتہ تجربے سے فائدہ اٹھا کر انھیں زیادہ سے زیادہ کارآمد بنایا جا سکتا ہے۔ ان کا تعلق محض زمینداروں اور کسانوں سے ہو۔ یہ حقیقت میں زمیندارہ بنک بن جائیں۔ بیج مہیا کرنا۔ زراعتی آلات خرید کر دینا اور فصل پر آسان قسطوں میں پیداوار لے لینا ان بنکوں کا کام ہو۔ زراعتی آلات کے علاوہ اچھی نسل کے بیل مہیا کرنا بھی ان ہی بنکوں کے ذمہ ہونا چاہیے۔

(۴) پاکستان کے اندر ایک پاکستان سٹی بنک قائم کیا جائے۔ اس میں تمام سرکاری ملازم حصہ لیں۔ ہر محکمہ کے چھوٹے بڑے سرکاری ملازم اپنی ایک ماہ کی تنخواہ سال بھر میں اس بنک کی نذر کر دیں۔ مثلاً ایک شخص کی تنخواہ ساٹھ روپے ہے۔ پانچ روپے اس کی تنخواہ سے وضع کر کے بنک میں بھیج دیئے جائیں۔ ایک سال کے اندر کئی کروڑ روپے کا سرمایہ اس پاکستان سٹی بنک کے لئے فراہم ہو جائے گا۔ سرکاری ملازم اس بنک میں اپنے حساب

کھولیں۔ جو پاکستانی ملازم اس بنک میں ایک تنخواہ دیں۔ وہ قومی فنڈ میں ان کی طرف سے نذر سمجھی جائے۔ اگر ایک سال میں ایک ماہ کی تنخواہ گراں گزرے تو دو سال میں کٹوا دیں۔ یا بعض لوگ یک مشت دے دیں بہرحال اس میں سب کو ایک ہی شرح سے حصہ لینا چاہیئے۔

پاکستان کو مضبوط اور اچھی ساکھ کے متعدد بنکوں کی ضرورت ہے اس لئے اس قسم کے بنکوں کے سلسلے فوراً قائم کر دینے چاہئیں۔ اور کمرشل کالجوں میں بنکنگ کلاسیں کھول کر ہزاروں نوجوانوں کو ضروری تعلیم دینی چاہیئے۔ تاکہ وہ ان بنکوں میں کام سنبھال سکیں۔

پاکستان کا سٹیٹ بنک علیحدہ ہونا چاہیئے۔ جس میں بیت المال کا روپیہ بھی جمع ہوا کرے۔ اور سرکاری روپیہ بھی۔ اس کے علاوہ متعدد تجارتی و صنعتی بنکوں کی بھی ضرورت ہے۔ اس کے لئے صوبوں کے گورنر کوشش کریں۔ مثلاً پنجاب میں ایک صنعتی بنک جاری کیا جائے۔ جس میں لوہے اور لکڑی کا کام کرنے والے اور کارخانہ دار حصہ لیں۔ یہ بنک صرف ان ہی لوگوں کے سرمایہ سے تیار کیا جائے۔

اگر حکومت کی سرپرستی حاصل ہو تو اس قسم کے بنک کے لئے دو چار کروڑ روپے صرف پنجاب میں ہی جمع ہو سکتے ہیں۔ یعنی اتنی قیمت کے حصص فروخت ہو سکتے ہیں۔ یہی بنک آگے چل کر صنعتی امور کو سنبھال سکتا اور ان میں روپیہ لگا سکتا ہے۔ ہم نے یہاں چند اشارے دے دئیے ہیں یہ ایک وسیع سمندر ہے۔ اچھی سمجھ بوجھ سے آپ درجنوں کامیاب بنکوں کا اجرا کر سکتے ہیں۔ اور اتنا سرمایہ پیدا کر سکتے ہیں کہ جسے کام میں لانا مشکل ہو جائے گا۔

زراعتی مسئلہ

یہ خیال کر لینا کہ پاکستان ایک زراعتی ملک ہے۔ یہاں کافی اناج پیدا

ہوتا ہے۔ اس لئے زراعت کی طرف فی الحال زیادہ توجہ دینے کی ضرورت نہیں ایک مہلک غلطی ہوگی ہر کام اپنی جگہ اہم ہے اور ہمارے لئے تو اوڑھنا بچھونا ہی فی الحال زراعت ہے۔ ملک کا ۸۰ فی صد حصہ زراعت پیشہ ہے اور ابھی سالوں تک اور اس کے بعد بھی ہمیں زائد غلہ کی ضرورت رہے گی۔ اور یہ زائد غلہ دوسرے ممالک میں بھجوانے سے ہی ہم اس کے معاوضہ میں اپنی ضرورت کی چیزیں حاصل کر سکیں گے۔ نیز ہمارے ملک کی آبادی میں بڑی سرعت سے اضافہ ہو رہا ہے۔ ممکن ہے کہ ہندوستان میں بسنے والے چار کروڑ مسلمانوں میں سے کئی لاکھ آدمی آہستہ آہستہ دس بیس سال میں نقل مکان کر کے پاکستان میں آ جائیں۔ اسلئے ہمیں اپنے ملک کی زراعت کو ترقی دینے کی طرف سے غافل نہیں ہونا چاہئے اور اس کے لئے ہمیں جس وزیر پر بھروسہ کرنا پڑے اس کا اولین فرض یہ ہوگا کہ وہ پاکستان کے ہر حصہ ملک کی ان زمینوں کے نقشے حاصل کرے جہاں اس وقت کوئی فصل پیدا نہیں ہو رہی۔ ان علاقوں کو زیر کاشت لانا اور اناج و خیرہ کی پیداوار کو بڑھانا اس کی کارکردگی سمجھی جائے گی ہم چاہتے ہیں کہ پاکستان کے اندر ایک چپہ زمین بھی بنجر یا غیر آباد نہ ہو۔ یہاں تک کہ ریلوے لائن کے اردگرد ہزاروں میل تک جو زمین خالی پڑی نظر آتی ہے۔ وہاں سایہ دار درخت بوئے جائیں شہروں قصبوں اور ریلوے سٹیشنوں کے قریب اردگرد کی زمین پر پھل دار درخت سنگترہ۔ مالٹا۔ ناسپاتی۔ آم۔ کھجور اور جامن وغیرہ بوئے جائیں۔ اور دوسرے علاقوں میں شیشم کیکر۔ اور دوسری جلانے والی لکڑی کے درخت ہوں۔ ہمارے ملک میں ایندھن کی ضرورت بہت زیادہ ہے۔ لوگوں کی صحت برقرار رکھنے کے لئے پھل دار درختوں کی حاجت ہے۔ اسلئے بڑی کثرت کے ساتھ درخت بوئے جائیں۔ اور انہیں برابر بڑھایا جائے جہاں کسی قسم کی کاشت نہیں ہو سکتی اور زرائع کاشت محدود ہوں وہاں جنگل بنا دئے جائیں۔ اور ایسے درخت بوئے جائیں جو وہاں پیدا ہو سکیں تاکہ یہ جنگل

بطور ایندھن کام میں لائے جا سکیں۔ ترکی میں کئی سال تک غازی مصطفےٰ کمال پاشا درخت بونے کی رسم ادا کرتے رہے۔ ادھر ہر شخص دو چار درخت بوتا اور ان کے بڑھنے تک ان کی نگرانی کرتا تھا۔ یہ معمولی سی بات بڑے اہم نتائج رکھتی ہے۔ اس سے کروڑوں درخت ہر سال بڑھ جاتے۔ ہوا کی صفائی حاصل ہوتی۔ سایہ ملتا اور پھل و لکڑی حاصل ہوتی تھی۔

زراعت کے ساتھ ساتھ ہمیں گایوں بھینسوں بکریوں بیلوں۔ اونٹوں اور گھوڑوں کی نسل کشی اور ترقی پر بھی فوری غور کی ضرورت ہے۔ ہمارا ملک دودھ گھی کی افزائش کے لئے مشہور تھا لیکن اب یہ چیزیں ناپید اور گراں ہو گئی ہیں۔ ان کی پیداوار بڑھانے اور جانوروں کی تعداد میں اضافہ کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ صحت بغیر دودھ۔ گھی کے حاصل نہیں ہو سکتی۔

صنعتی سکیمیں

کوئی ملک صنعتی ترقی کے سوا زندہ نہیں رہ سکتا۔ یورپ کے بیشتر ممالک صنعتی ہیں۔ وہ چیزیں بنا کر ادھر بھیجتے اور رقم اینٹھتے رہتے ہیں۔ ہم اپنی ضروریات کے لئے سوئی دھاگا۔ بٹن۔ قلم۔ کپڑا۔ اوزار اور ہزاروں قسم کی اشیا یہاں تک کہ کھلونے بھی خریدتے رہتے ہیں۔ اس طرح سے ہمارے ملک کا روپیہ ملک سے باہر چلا جاتا ہے۔ پاکستان کو بھی اپنے تئیں طاقتور بنانے کے لئے اپنے ملک کے اندر صنعتی کارخانے کھولنے۔ اور ایسے کارخانے کھولنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنی ہو گی۔

صنعتی سکیمیں شروع کرنے سے قبل کئی باتوں پر غور کرنا ہو گا۔ مثلاً ملک کی فوری ضروریات کیا ہیں؟ مثلاً ہمارے ملک کو کھانڈ اور کپڑے کی ضرورت ہے۔ اس لئے سب سے اول کپڑے کے چند کارخانے اور شوگر فیکٹریاں کھلنی چاہئیں۔

گھی کی ضرورت ہے۔ اس لئے جب تک اصلی گھی ارزاں نرخ پر مہیا نہ ہونے لگے بناسپتی گھی کے ایک دو کارخانے کھل جانے چاہئیں۔ معلوم ہوا ہے کہ بناسپتی گھی کا ایک کارخانہ کھل رہا ہے۔ کپڑے کے دو کارخانے ایک کراچی اور ایک ملتان میں کھولنے کے انتظامات ہو گئے ہیں۔ سندھ میں شیشے (گلاس ورکس) بنانے اور کیمیکل کا ایک کارخانہ کھل رہا ہے۔ لیکن کھانڈ بنانے کے دو کارخانے تو فوراً کھلنے چاہئیں سرمایہ دار حضرات توجہ کریں انڈسٹری کو ترقی دینے کی جیسی کچھ ضرورت ہے وہ ظاہر ہے۔

معادن کی تلاش اور ان سے سائنٹفک طریق سے کام لینا

پاکستان میں معادن یعنی کانوں کی تلاش کا سلسلہ بڑی کاوش سے شروع ہونا چاہئے۔ اس کے لئے قابل ترین افراد کا ایک علیحدہ محکمہ قائم کیا جائے جن کے سپرد نئی کانوں کی تلاش اور پرانی کانوں سے سائنٹفک طریق سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا ہو۔

صوبہ بلوچستان میں بہت سی کانیں ہیں جنھیں ابھی تک شروع نہیں کیا گیا ڈیرہ اسمٰعیل خاں اور غازی خاں کا علاقہ کالاباغ وغیرہ تمام ایسی چیزوں سے لبریز ہیں۔ صوبہ سرحد میں سنگِ مرمر، سنگِ طبق اور سنگ ابری پایا جاتا ہے۔

بلوچستان میں کروم دھات ملتی ہے۔ کوہاٹ میں میگنیز۔ مردان میں پائی رائیٹا۔ پھٹکری۔ نوشادر اور نمک کالاباغ۔ بہادر خیل۔ غازی خاں۔ ماڑی۔ کھیوڑا۔ نمراج اور اڑجا میں۔ ہڑتال سوات میں ملتی ہے۔ اٹک۔ کالاباغ۔ کافر کوٹ (سندھ) سے تیس لاکھ پیپے تیل کے سالانہ نکلتے ہیں۔

پلاسٹر مٹی:۔ راولپنڈی جہلم۔ شاہ پور ہزارہ اور پشاور سے۔

کوئلہ:۔ کالاباغ۔ پنڈ دادن خاں۔ بھاگاں والہ۔ نزد جلال پور۔

گندھک:۔ ڈیرہ غازی خاں۔ اسمٰعیل خاں۔ کوہ مری۔ شاہ پور اور کوہاٹ سے

لوہا۔ وزیری پہاڑیوں۔ کوہ سلیمان۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان۔ ہزارہ ڈسٹرکٹ شمالی پشاور۔ باجوڑ اور کیرانہ سے۔ سنگ جہلم سے۔ نمک۔ کھیوڑہ۔ کالاباغ اور متعدد مقامات سے بکثرت ملتا ہے۔ سنترہ۔ لس بیلہ اور ڈیرہ غازیخاں سے سونا مکھی۔ روپا مکھی۔ ضلع جہلم سے۔ ان کے علاوہ اور کئی قسم کی چیزیں ملتی ہیں اور تلاش سے مل سکتی ہیں۔

پنجاب میں تیزابوں کے دو تین کارخانے کھلنے چاہئیں اور اس صنعت کو فوری ترقی دینی چاہئے۔ یہاں گندھک۔ شورہ۔ شورہ دکا ہی۔ نمک اور فارقی تیزاب تیار ہو سکتے۔ تقریباً دس قسم کے مختلف تیزاب بڑی آسانی سے تیار ہو سکتے ہیں۔ اور کیمیکلز تیار کرنے میں ان کی اشد ضرورت رہتی ہے۔

پنجاب۔ صوبہ سرحد۔ بلوچستان اور سندھ کے ان معادن کے علاوہ سلہٹ اور بنگال میں بھی خاص تحقیق اور ریسرچ ہونی چاہئے۔ نیز ہمیں افغانستان میں کانوں کی کھدائی میں حکومت افغانستان سے شراکت و تعاون کے معاہدات کرنے چاہئیں۔ تاکہ دونوں اسلامی سلطنتیں ان سے فائدہ حاصل کر سکیں۔ افغانستان میں کوئلہ کی کانیں برآمد ہوئی ہیں۔ ان کے متعلق معاہدہ ہو سکتا ہے۔ ایسا ہی پٹرول کے چشموں کے متعلق بھی پاکستانی حکومت سرمایہ لگا سکتی اور یہ کام جو اب تک التوا میں پڑا تھا۔ جاری ہو سکتا ہے۔ حکومت کشمیر سے بھی پاکستانی حکومت کو بعض معادن کے متعلق معاہدات کرنے چاہئیں۔ وہاں سے بھی کثیر مقدار میں دھاتیں مل سکتی ہیں۔

پاکستان کالونی آفس

پاکستان میں ایک کالونی آفس بھی قائم کرنا چاہئے جس کا مقصد غیر آباد زمینوں کو آباد کرانا ہو۔ بہاولپور۔ سندھ۔ پنجاب کے بعض حصوں اور بلوچستان میں ایسی زمینیں بکثرت پڑی ہیں جنھیں آباد کرنے کی اشد ضرورت ہے

اس مقصد کے لئے تجربہ کار آدمیوں کی ضرورت ہے۔ بہاولپور جیسے علاقے میں جہاں اب نہر کا پانی پہنچ گیا ہے۔ بڑی سرعت سے تو آبادیاں بن رہی ہیں اور بعض ایسے مقامات میں جہاں پانی نہیں پہنچتا بعض اچھے کارکنوں نے پچاس پچاس ہزار کے خرچ سے کنوئیں اور انجن لگائے ہیں جس سے اب ہزاروں ایکڑ زمین سیراب ہونے لگی ہے۔ اس طریق پر کنوئیں کھودنے اور انجن لگانے سے پانی بافراط مل سکتا اور وہ علاقے بھی آباد ہو سکتے ہیں۔ جہاں پانی نہیں ہے۔

پاکستانی کالونی آفس کو ایسی چیزوں کی کاشت پر بھی توجہ کرنی چاہئے۔ جن کی ملک کو ضرورت ہے۔ یا جنھیں باہر بھیج کر زیادہ منافع حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ان جدید تجربوں میں روئی کو بھی زیادہ حصہ ملنا چاہیئے۔

پاکستانی تبادلہ آبادی کا دفتر

پاکستان میں ایک ایسا دفتر بھی قائم کرنا چاہیئے جو دوسرے علاقوں سے آئے ہوئے مسلمانوں کی رہائش۔ کاروبار اور ملازمت کا انتظام کرے۔ بہار کے لوگوں کے ساتھ جس قسم کا غیر انسانی سلوک ہوا ہے۔ وہ بے حد المناک ہے۔ اور اس کا باعث صرف یہ ہے کہ اس کام کے لئے نہ باقاعدہ دفتر تھا نہ سرمایہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ کس وقت اور کب ہندوستان کے بعض حصوں کے مسلمان نقل مکان کرنے پر مجبور ہوں۔ اس لئے اس قسم کا ایک دفتر ہماری اشد ترین ضرورت ہے۔ یہ دفتر بنگال کے علاقہ میں بھی ہو۔ اور پنجاب میں بھی۔ بھات کھانے کے عادی لوگوں کو بنگال میں اور گندم کھانے والوں کو پنجاب میں آباد کرنے کی سعی کی جائے۔

اس دفتر کا فرض یہ بھی ہو کہ جو مسلمان یا ہندو اور سکھ آپس میں جائداد کا تبادلہ کرنا چاہیں ان کی امداد کرے۔ اور باہمی فیصلے کرا کر ان کے معاملات درست کرا دے۔ تاکہ ہر شخص اپنی خوشی اور آرام کے لئے جو کچھ کرنا چاہے آسانی

سے کرسکے۔ ذاتی طور پر فیصلے کرنے سے یہ بہتر ہوگا کہ کوئی سرکاری دفتر اسکی ذمہ داری بھی سنبھالے۔

ہم نے یہ کتاب روا روی میں لکھی ہے۔ اور ممکن ہے کہ بہت سے مسائل ہماری نظر سے رہ گئے ہوں۔ اس لئے ہم دوسرے ایڈیشن میں اس پر مزید اضافات کرسکیں گے۔ اس لئے یہاں چند ایسے امور کا ذکر ضروری ہے۔ جو اپنی جگہ ہم نہیں لکھ سکے۔ مثلاً شرعی عدالتیں۔

ہم چاہتے ہیں کہ پاکستانی حکومتوں کے ماتحت مسلمانوں کی شرعی عدالتیں بہت جلد قائم کر دی جائیں۔ موجودہ ججوں میں سے ایسے منصفوں کی ایک جماعت علیحدہ کرلی جائے جو مسلمان ہوں اور جنھیں اسلامی فقہ وحدیث سے کچھ نہ کچھ مس ہو۔ ان کے لئے اسلامی شریعت کا کوڈ علیحدہ تیار کرا کے انھیں اس کا کورس پڑھا دیا جائے جس کے بعد وہ اسلامی شرعی عدالتوں کے مقدمات کرسکیں۔ ان مقدمات میں اسلامی وراثت (تقسیم جائداد) نان و نفقہ۔ طلاق و خلع۔ فراہمی زکوٰۃ اوقاف و مساجد وغیرہ کے مقدمات زیر سماعت ہوا کریں۔ ان کی اپیل صرف ہائی کورٹ میں ہوسکے۔ جہاں ایک یا دو جج اسلامی شرعی مقدمات کے لئے مخصوص ہوں۔ مقدمات کا فیصلہ فقہ حنفیہ کی رو سے سنی مسلمانوں کے لئے۔ اور شیعہ بھائیوں کے لئے ان کے مذہبی اصولوں کے مطابق ہوں۔ تاکہ اس معاملے میں مسلمانوں میں کوئی تفریق پیدا نہ ہو۔

قرآن مجید کی طباعت

اسلامی شرعی عدالتوں کے علاوہ قرآن مجید کی طباعت واشاعت کے متعلق قانون نافذ ہونا چاہئے۔ مسلمان دیر سے اس امر کی کوشش کر رہے ہیں کہ غیر مسلموں کو قرآن مجید کی طباعت واشاعت (فروخت) سے روک دیا

...ان سے بھی آگے ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ قرآن مجید کی طباعت و اشاعت
کا کام یکسر حکومت کے قبضہ میں چلا جائے۔ صرف پاکستانی حکومت ہی قرآن
مجید کی طبع و اشاعت کا کام کرے۔ جو قرآن مجید وہ چھاپے وہ مسلمان کتب
فروشوں کو بازار میں فروخت کے لئے مہیا کرے جس پر کتب فروش کا منافع
مقرر ہو۔ حکومت کو اس مد سے جو منافع حاصل ہو وہ بیت المال میں دیدیا
جایا کرے۔ .... اس سے
قسم قسم کی خرابیاں دور ہو جائیں گی۔ بہر حال اس کے متعلق ایک مفید
قانون کی اشد ضرورت ہے جس پر غور کرنا ہماری آئین ساز اسمبلی کا کام ہے۔

وفاداری ہمارا جزو ایمان ہونا چاہیئے

آخر میں تمام سرکاری کارکنوں۔ ادنیٰ سے ادنیٰ ملازم سے لے کر بڑے سے
بڑے افسر تک تمام کا ایک اہم فریضہ ہے۔ وہ ہے پاکستان سے وفاداری
یہ وفاداری ہر حالت میں اٹل ہونی چاہیئے۔ اس میں کسی قسم کی کمزوری
شبہہ کی گنجائش نہ ہو۔

ہندوستان میں انگریزی حکومت کے ماتحت ہم لوگوں نے بہت کچھ دیکھا
ہے۔ ان میں سے ایک بات سب سے اہم ہے۔ وہ ہے فرمانبرداری۔ ہر چھوٹا
انگریز بڑے انگریز افسر کا حکم بلا چون و چرا مانتا چلا جاتا ہے۔ ایک مشنری
ہے جو کبھی نہیں رکی۔ کوئی کام ان کی مرضی کے خلاف ہو۔ لیکن جو حکم آ گیا۔
اس کی پوری پوری پابندی کی جاتی ہے۔ وفاداری کا یہ عالم ہے کہ انگلستان
مرکزی حکومت سے جو اشارہ ہوتا تھا تمام افسر اس پر ناچنے لگتے
...سکا آپس میں ذاتی اختلاف و عناد کیوں نہ ہو لیکن
حکم بھی آ گیا

جھپٹنا پلٹنا پلٹ کر جھپٹنا
لہو گرم رکھنے کا ہے اِک بہانہ!
(اقبال)

دارالبلاغ لاہور